موساد
عالم اسلام
کے خلاف
گھناؤنی سازشوں
میں ملوث اسرائیلی
خفیہ ادارے "موساد" کے
تنظیمی ڈھانچے، انسانیت کے خلاف مکروہ جرائم اور خفیہ کارروائیوں
پر ایک سنسنی خیز اور انکشاف انگیز تحقیق۔
رونلڈ پائن

موساد

عالمِ اسلام کے خلاف گھناؤنی سازشوں میں ملوث اسرائیلی خفیہ ادارے ''موساد'' کے تنظیمی ڈھانچے، انسانیت کے خلاف مکروہ جرائم اور خفیہ کارروائیوں پر ایک سنسنی خیز اور انکشاف انگیز تحقیق

مصنف

رونالڈ پائن

ترجمہ

محمد یحییٰ خان

فہرست

مصنف کا تعارف	5
حصہ اول: فن جاسوسی	**7**
دی انسٹیٹیوٹ	9
آغاز	19
اور آج	33
جاسوس کا انتخاب اور تربیت	35
ناگزیر برائی	38
اندرونی ساخت	42
60 ہزار یہودیوں کا اخراج	43
ہائی ٹیکنالوجی اور سینہ زوری	45
خفیہ سے خفیہ تر	49
گداگری کی بجائے نقب زنی	51
حصہ دوم: وسیع سے وسیع تر جال	**53**
شرم ناک ناکامیاں	55
غزہ سے سویز تک	65
نازی لیڈروں کا شکار	70
روسی جاسوس کی گرفتاری	73
جاسوس اداروں کے مابین تصادم	76
مصر میں ایٹمی سائنسدانوں کا قتل	80
جھوٹی خبریں پھیلانے کی مہم	82
دمشق	85
حصہ سوم: جاسوسی کا عالمی مورچہ	**91**
الیکٹرانک وار	93
لرزہ خیز جنگ	99
عورتوں کی بھرتی	104

شر محفوظ ہیں

ساد

ڈ پائن

ی خان

ب جاوید

نگارشات پبلشرز 24- مزنگ روڈ لاہور

PH:0092-42-7322892 FAX:73

العربیہ لاہور

114
انتقام 128
کفارہ 137
حصہ چہارم: لبنان میں تشدد کی لہر 139
خون خرابہ 144
صابرہ اور شطیلہ میں قتل عام 148
ایرانی مہم جوئی 157
دھندلے علاقے 169
حصہ پنجم: ناگ اور دوستی 171
انور سادات کا بہاؤ 176
موساد کی اوچھی حرکتیں 179
روس عرب دوستی کا راز 183
سی آئی اے کے ساتھ اشتراک 195
حصہ ششم: موساد اور ایٹمی اسلحہ 197
لیکم 206
کھلی بدمعاشی 220
ڈایمونا 222
امریکی یورانیم کی چوری 224
یورانیم بھری ٹرکوں کا اغوا 228
گولڈ میئر کا تاریخی اعتراف 229
اسلامی بم اور اسرائیلی ری ایکٹر 234
ایٹمی سائنسدان کی پراسرار موت 237
عوامی جاسوس 247
حصہ ہفتم: لندن میں قابل اعتراض حرکتیں 249
سفارتی تھیلے میں چھپا افریقی 259
ایک کارٹونسٹ کی موت 269
برطانیہ کی طرف سے سرزنش 276
اعتراضات کی بوچھاڑ 288
ضمیمہ

مصنف کا تعارف

''موساد'' کا مصنف رونالڈ پائین یارک شائر (انگلینڈ) میں پیدا ہوا' آکسفورڈ میں تعلیم پانے کے بعد فرانس اور جرمنی میں بھی پڑھا۔ پیشہ ور صحافی بننے سے پہلے رائل میرینز میں شامل رہا۔ بطور صحافی اس نے فارن افیئرز' انٹیلی جنس اور بین الاقوامی دہشت گردی سے متعلقہ علوم میں خوب دسترس حاصل کی۔ وہ ڈیلی ٹیلی گراف میں باقاعدگی سے لکھنے کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ کے متعدد دیگر جریدوں بشمول ''دی سپیکٹیٹر'' اور ''دی اکانومسٹ'' میں بھی لکھتا ہے۔ اس نے کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں ''دی کارلوس کمپلیکس''، ''دی ویپنز آف ٹیرر'' اور ''ڈکشنری آف ایسپیونیج'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں وہ برطانیہ اور امریکہ کے ریڈیو اور ٹیلیویژن سے بھی پروگرام کرتا ہے۔

حصہ اوّل

فنِ جاسوسی

''دی انسٹیٹیوٹ''

موساد دنیا بھر کی انٹیلی جنس سروسز کے مقابلے میں پیچیدہ ترین ادارہ ہے۔ اس کا پورا نام ''دی انسٹی ٹیوٹ فار انٹیلی جنس اینڈ سپیشل سروسز'' ہے جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد ادارہ ہے۔ منفرد اس لیے کہ ایک کہ امریکہ کی خفیہ ایجنسی ''سی آئی اے'' — خود کو ایک کمپنی کہتی ہے۔ برطانیہ کی ''ایس آئی ایس'' ایک ''سروس'' ہے جو ''فرم'' کہلاتی ہے' اسرائیل کی موساد ایک ''انسٹیٹیوٹ'' ہے' جسے اکیڈمک' سائنٹیفک اور فائر پاور کی سپیشل سروسز کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ جب چاہے ہر ادارہ اور محکمہ اسے مدد بہم پہنچانے کا پابند ہوتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موساد ایک ایسے ملک کے لیے کام کر رہی ہے جو ہر طرف سے کھلے دشمن ممالک سے گھرا ہوا ہے' اور اس کا ہر شہری اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات سے پوری طرح آگاہ ہے لہٰذا اس کی انٹیلی جنس کو دوسری کسی بھی سیکرٹ سروس سے مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ اس کو اپنے مقبوضہ علاقوں کی متنازعہ سرحدوں کے اندر بھی عرب آبادی کی طرف سے مستقل دشمنی سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے یہاں کی زندگی اس مفہوم میں ''نارمل زندگی'' نہیں ہے جیسی یورپی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اسرائیل کی نئی نسل کو اس قتل عام کی یاد ہمیشہ دلائی جاتی ہے جس میں 60 لاکھ یہودی مار دیئے گئے تھے' نئے وطن کے ہر خاندان کو یاد دلایا جاتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد ''سلاٹر ہاؤس میں میمنے'' کی سی صورت حال سے گزر کر آ رہے ہیں۔ اس تنظیم کا ہر رکن — ایک تجربہ کار اعلیٰ افسر سے لے کر نوعمر ریکروٹ تک .....اپنے یہودی ہونے پر فخر کرتا ہے اور اس عزم سے سرشار ہے کہ وہ اپنے دفاع کو ہرگز کمزور نہیں ہونے دے گا' ورنہ اسے' اس کے خاندان اور پوری یہودی نسل کو ایک بار پھر ماضی جیسے حالات سے سابقہ پڑ سکتا ہے۔ اس لیے اس ایجنسی

کے مرد اور عورتیں' دوسرے ملکوں کے خفیہ اداروں سی آئی اے' کے جی بی یا ایم آئی 6 کی بہ
نسبت زیادہ فعال اور فرض شناس ہے۔ عالمی طاقتوں (سپر پاورز) کو جتنا بیرونی خطرہ درپیش
ہوسکتا ہے' اسرائیل کو اس سے کہیں زیادہ محسوس ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے گردوپیش کے
ممالک اسے ایک غاصب ریاست سمجھتے ہیں اور اس سے اپنے علاقے واپس لینا چاہتے ہیں۔
1953ء میں اسرائیلی انٹیلی جنس کے قائم مقام سربراہ نے اس کے یوم تاسیس پر جو "فرمانِ
امروز" جاری کیا تھا اس میں کہا گیا تھا۔۔۔ "ہماری ریاست اپنے روزِ اوّل ہی سے دشمنوں کے
نرغے میں ہے' ہمیں اس کی پہلی دفاعی لائن کے طور پر کام کرنا ہے۔ ہم مشرقِ وسطیٰ کے قلب
میں واقع ہیں جو ہمیشہ طوفانی بگولوں کی زد میں رہتا ہے' اس لیے ہمیں اپنے گردوپیش کے
حالات سے مسلسل باخبر رہنا ہوگا۔"

دنیا بھر کے خفیہ اداروں کے اجلاسوں میں' جہاں انٹیلی جنس سروسز کے عروج و
زوال کے اسباب اور ان کی کارکردگیوں کے جائزے لیے جاتے ہیں' ان میں موساد کی شہرت'
فرض شناسی اور مستعدی کو رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سی آئی اے نے مختلف ایجنسیوں
کا ایک جائزہ مرتب کیا جس میں اسے دنیا کی بہترین خفیہ ایجنسی قرار دیا گیا۔ جائزے کے
مطابق۔۔۔ "دوست اس کی کارکردگیوں کو سراہتے ہیں اور دشمن اس سے گھبراتے ہیں۔"

کیا موساد نے عراق' مراکش اور ایتھوپیا جیسے دشمن ممالک میں پھنسے ہوئے
یہودیوں کو نہیں نکلوایا؟ کیا اس نے ایڈولف ایشمین جیسے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں
لا کھڑا نہیں کیا؟ اور اغوا شدہ طیاروں میں یرغمال بنائے گئے یہودی مسافروں کو نہیں بچایا؟
ایئرفرانس کی جس پرواز کو اینٹی ایئرپورٹ (یوگنڈا) پر پہنچا دیا گیا تھا' اسے دہشت گردوں
سے بچا لینا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ موساد کے ایجنٹوں نے دنیا بھر میں دہشت پسندانہ
کارروائیوں کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کا ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے جس کی کوئی مثال نہیں
ملتی۔ اس نے نہ صرف تفویض کردہ کام مستعدی سے انجام دیئے بلکہ اپنے طور پر بھی بہت سی
مفید معلومات اکٹھی کر کے مغرب کو فراہم کردیں' جن کی وجہ سے مغربی ممالک' بروقت کارروائی
کر کے آنے والے خطرات سے محفوظ ہو گئے۔

اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بہت سے ایجنٹ اپنی جانیں ہار گئے۔ بعضوں کو تنگ
گلیوں میں گھیر کر قتل کر دیا گیا اور بعضوں کو بموں سے اڑا دیا گیا اور جو زندہ ہاتھ لگ گئے تھے
انہیں دمشق' بغداد یا قاہرہ کے چوکوں میں سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بعض کارندے ایسے

مشنوں پر روانہ ہوئے تھے جن سے ان کی واپسی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی اور پھر وہ واقعی
کبھی نہ لوٹے۔ ان کے انجام کی خبر بھی نہ آسکی۔ بہت سے مارے جانے والوں کے
خاندانوں کی طرف سے پرزور مطالبہ پیش کیا گیا کہ ان ہیروؤں کے بہادری کے کارناموں کو
زندہ رکھنے کے لیے کوئی یادگار تعمیر کرائی جائے۔ حکومت نے عوامی دباؤ کی وجہ سے مطالبہ تسلیم
کرلیا اور موساد کے ایک سابق سربراہ کی زیرصدارت ایک انتظامی کمیٹی قائم کردی۔ کمیٹی
نے خصوصی مہم کے تحت 20 لاکھ ڈالر اکٹھے کیے اور سنگِ سیاہ کے زاویاتی بلاکوں سے ایک
شاندار یادگار تعمیر کردی جو تل ابیب کے شمال کی جانب ہرزلیاہ میں سنٹر فار سپیشل سٹڈیز کے
قریب ہے۔ یہ پانچ قبوں پر مشتمل ایک پیچدار عمارت ہے' جس کا ہر قبہ (Alcove) اسرائیلی
انٹیلی جنس کے آپریشنوں کی تاریخ کی نمائندگی کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوا کہ ایسی بھول بھلیوں پر
مشتمل یادگار کیوں بنائی گئی ہے' اس پر انٹیلی جنس سروس کے ایک آزمودہ کار افسر نے بتایا کہ
اس سے "ہم بدلتی سمتوں کی لامتناہی جستجو کا تاثر دینا چاہتے ہیں' یہ رازوں تک رسائی کے لیے
پیچیدہ ترین راستوں کی یاد دلاتی ہیں جن پر چلتے ہوئے ہمارے ایجنٹوں نے جانیں قربان کی
ہیں"۔ یادگار کی دیواروں پر انٹیلی جنس کمیونٹی کے 360 ایجنٹوں کے نام کندہ کیے گئے ہیں' ان
میں تینوں شاخوں "موساد"۔۔۔ "امن" اور "شین بتھ" کے ایجنٹ شامل تھے۔ مؤخرالذکر شاخ
دشمن کی جاسوسی کارروائیوں کا توڑ کرتی ہے۔

اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد مارا جانے والا پہلا ایجنٹ جیکب بوکائی تھا۔ یہ
ایک شامی النسل یہودی تھا جو عرب مہاجر کا بھیس بدل کر اردن میں داخل ہوا تھا اور پکڑ لیا گیا
تھا۔ اسے اگست 1949ء میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ ایک طبعی موت مرنے والے پینٹر
شالوم دانی کا نام بھی دیوار پر کندہ کرایا گیا تھا۔ اسے یہ اعزاز اس کے اس ہنر پر ملا کہ اس نے
نازی لیڈر ایشمین کو لاطینی امریکہ سے اغوا کر کے لانے کے سلسلے میں موساد کی ٹیم کے لیے
جعلی دستاویزات تیار کی تھیں۔ اس یادگار سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ پیرس میں اپنے گھر کے
باہر ہلاک کیا جانے والا سفارت کار "یاکوف بارسمنتوف" موساد کا ایجنٹ تھا۔ اس کے قتل
ہونے کے وقت یہ شبہ ظاہر تو کیا گیا تھا مگر دیوار پر اس کا نام کندہ ہونے کی وجہ سے اس کے
ایجنٹ ہونے کی تصدیق ہوگئی۔ یہاں جن شہرت یافتہ جاسوسوں کے نام کندہ پائے گئے ان
میں ایلی کوہن بھی تھا' جسے دمشق میں پھانسی دی گئی تھی۔ کسی سیکرٹ ایجنٹ کے مشہور ہوجانے کا
نتیجہ اس کی موت کی صورت میں نکلتا ہے اور جب تک وہ مر نہ جائے اس کے سارے

کارنامے سامنے نہیں آتے۔ یہاں جن لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں وہ ہمیشہ خفیہ رہنے چاہئیں تھے سوائے ان کے رفقائے کار اور ان کے انتہائی قریبی رشتہ داروں کے' کسی کو پتہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ سابق انٹیلی جنس آفیسرز جواب صرف مشیر کے طور پر کام کرتے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ بعض ہلاک شدہ ایجنٹوں کے کارناموں کا بدستور خفیہ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے نام ریکارڈ پر لانا خلاف مصلحت ہوتا ہے مگر یہ اسرائیلی قوم اور موساد کا حوصلہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ یادگار تعمیر کرائی بلکہ اس پر ان کے نام بھی کندہ کرا دیئے۔ یہ ایک لحاظ سے محض جذباتیت تھی تاہم موساد دنیا کی واحد خفیہ سروس ہے جس نے یہ کام کر ڈالا ہے۔

سی آئی اے کے پاس ہوسکتا ہے کہ وسائل زیادہ ہوں' کے جی بی بھی بہت بڑا نیٹ ورک رکھتی ہوگی لیکن موساد نے دنیا بھر میں جو دہشت و خوف پھیلا رکھا ہے' وہ کسی دوسری خفیہ تنظیم کے حصے میں نہیں آیا۔ اس کے بارے میں انتہائی فعال' انتہائی عیار اور انتہائی دہشت انگیز ''سروس'' کا گہرا تاثر جم چکا ہے۔ اس ضمن میں میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ میں نے اپنے جتنے دوستوں اور واقف کاروں سے اپنی اس تحقیق کا ذکر کیا تو ان کی اکثریت نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔ ''کیا یہ بہت خطرناک کام نہیں ہے؟''

یہ درست ہے کہ موساد نے مشرق وسطیٰ میں اپنے دشمنوں سے دہشت گردی کے کئی طریقے مستعار بھی لیے ہیں اور اسرائیلی ریاست کے قیام کی لڑائیوں میں ان حربوں کو خوب اچھی طرح استعمال بھی کیا ہے۔ مثلاً میونخ کے قتل عام کے واقعہ کے بعد جو 5 ستمبر 1972ء کو ہوا تھا' موساد نے دنیا کے مختلف حصوں سے بارہ مشکوک افراد کو ڈھونڈ نکالا اور یکے بعد دیگرے سب کو ہلاک کر دیا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اس نے کسی ملک کے قوانین کی پروا نہیں کی اور نہایت سائنٹیفک طریقے سے وہاں کے سکیورٹی کے انتظامات کو بیکار کر کے قیدی بنائے گئے یہودیوں کو چھڑوا لیا۔ ان لوگوں کو وہاں بدامنی پھیلانے' سازشیں کرنے اور مختلف جرائم کے مرتکب ہونے کی بنا پر سزائیں ملی تھیں مگر موساد کے کارندے انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے نکال لائے۔

یہ بات بھی فراموش نہیں کی جانی چاہیے کہ اسرائیل کے مخصوص سفارتی مسائل کی وجہ سے اس کے انٹیلی جنس افسروں کو افریقہ اور ایشیا میں اپنی قومیت کو مخفی رکھ کر اپنا رول ادا کرنا پڑتا ہے۔ عرب ممالک فلسطینیوں سے اپنی دوستی کی وجہ سے اسرائیلی ریاست کو تسلیم نہیں کرتے' اس لیے موساد کو سفارتی تحفظ سے محروم ہونے کے باعث خفیہ ڈپلومیسی کا پیچیدہ اور خطرناک

راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

موساد کے ایجنٹوں نے کئی جنگیں جیتنے میں بھی مدد دی ہے اور کئی عرب ملکوں کی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی سازشوں کو بھی کامیاب کرایا ہے۔ اگر کسی ملک میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش ہو رہی ہو' تو موساد کے ایجنٹ کسی نہ کسی طریقے سے سازشیوں کی مدد کے لیے جا پہنچتے ہیں' ایسے مواقع پر سازش کرنے والے عناصر خفیہ ہاتھوں کی طرف سے آنے والی مدد قبول کرنے سے انکار نہیں کرتے۔ جب اسرائیل کو ایٹم بم بنانے کے لیے یورینیم درکار تھی موساد نے یورپ اور امریکہ کی حکومتوں کے انکار کے باوجود ان ممالک سے خفیہ طور پر یورینیم حاصل کر کے تل ابیب پہنچا دی۔ اسرائیل کو عراق کے ایٹمی قوت بن جانے سے بہت خوف تھا اور وہ کسی طریقے سے بھی' عراق کو کامیابی کی منزل پر نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا' چنانچہ اس نے موساد کی مدد سے مطلوبہ معلومات حاصل کر کے' اسی کے ایجنٹوں کے ذریعہ عراق پر بمباری اور فرانس پر حملہ کرا دیا۔ اس طرح عراق کا ایٹمی پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا۔ فرانس سے گن بوٹس کے تنازعے میں بھی موساد نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ فرانس نے یہ بوٹس ایک معاہدے کے تحت اسرائیل کے لیے تعمیر کیں مگر اسرائیل کی بعض غلط پالیسیوں کی وجہ سے فرانس نے بوٹس حوالے کرنے سے انکار کر دیا' اس پر موساد حرکت میں آ گئی اور اس کے ایجنٹوں نے روڈ بار انگلستان میں فرانس کی بندرگاہ ''شیر بورگ'' میں کھڑی بوٹوں کو اغوا کر کے تل ابیب پہنچا دیا۔

جب موساد کی بڑی بڑی کارروائیوں کے حسن و قبح کے بارے میں رائے قائم کرنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو ہر کوئی اپنے مخصوص زاویئے سے اپنے ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ جنگی جرائم کے سلسلے میں نازی لیڈر ایشمین کو مقدمے کے لیے اسرائیل پہنچانا یہودیوں کے نقطۂ نظر سے بہادری کا اقدام تھا مگر دوسروں کے نزدیک یہ ایک معمر جرمن کو ایک بیرونی ملک سے اغوا کرنے کا ایک مذموم فعل تھا' جس سے بین الاقوامی قانون کی دھجیاں بکھر گئیں اور مبینہ ارتکاب جرم کے بہت بعد جعلی مقدمہ قائم کرنے کی بدترین مثال قائم ہوئی۔

اس اغوا کا اصل ذمہ دار ایسر ہیرل (Isser Harel) تھا جو موساد کے بانیوں میں شمار ہوتا تھا' اس نے ایک مرتبہ کہا: ''لوگوں کو موساد کے بارے میں افسانہ طرازیوں کا سلسلہ بند کر دینا چاہیے' ہم صرف محنت کرتے ہیں اور محنت ہی کی بدولت دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ معلومات اکٹھی کر لیتے ہیں۔ ایک فعال خفیہ سروس کی ہم سے بڑھ کر اور کس ملک کو

ضرورت ہوسکتی ہے' اسرائیل چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے جو اقوام ہمیں دہشت گرد قرار دیتی ہیں' ان سے ہمارے کوئی سفارتی تعلقات نہیں ہیں ہمارے لیے تو یہ بقاء کا مسئلہ ہے۔"

جو چیز ایک روایت کی حیثیت اختیار کرچکی ہو' حقیقت پسندی کی دہائی دے کر اس کی تردید کرنا مشکل ہوجاتا ہے' اسرائیلی انٹیلی جنس کے بارے میں سالہا سال یہ تاثر رہا کہ اس کے کارکن کوئی غلطی نہیں کرسکتے۔ اس کے ہمدردوں کا کہنا تھا کہ یہ چھوٹا سا ملک بڑی بہادری سے لاکھوں عربوں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا ہے' یہ وہ دن تھے کہ اسرائیلی خفیہ سروس کی نیک نامی پر شک کا سایہ بھی نہیں پڑ سکتا تھا' ایک چھوٹے سے ملک کا اتنے شاندار ریکارڈ کی حامل تنظیم قائم کرلینا ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا' امریکی سی آئی اے' روسی کے جی بی' برطانوی ایس آئی ایس اور دیگر یورپی خفیہ تنظیمیں جو سالہا سال سے دنیا پر چھائی ہوئی تھیں' کارکردگی میں اس سے آگے نہیں تھیں' موساد اور شین بتھ (اسرائیل ہی کی انسداد جاسوسی کی تنظیم) کی فراہم کردہ خفیہ معلومات اتنی زیادہ اور اتنی صحیح ہوتی تھیں کہ نازک موڑوں پر سی آئی اے بھی اس کی تجزیاتی رپورٹوں پر انحصار کرنے لگی تھی۔ اور برطانیہ کے اندر دشمن کے جاسوسوں کو ناکام بنانے کے شعبے کے ماہر جیمز اینگلٹن نے موساد سے رابطہ رکھنے کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کردیا جس کے اجلاسوں کی وہ خود صدارت کیا کرتا تھا اور یہ کریڈٹ بھی موساد کو ملا کہ وہ آزاد دنیا کے ممالک کی خفیہ ایجنسیوں میں واحد تنظیم تھی جس نے کمیونسٹ پارٹی کی 20 ویں کانگرس میں خروشیف کی طرف سے سٹالن کی پہلی بار مذمت پر مبنی تقریر کی پوری کاپی چوری کرلی اور تمام معاصروں پر اپنی برتری قائم کرلی۔ اور یہ بھی اسرائیل ہی تھا جس نے دوسرے ملکوں کے خفیہ رازوں تک رسائی اور پیشہ ورانہ کارکردگی کا عالمی معیار قائم کیا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات اس نے اس معیار سے فروتر کام بھی کئے' اس کے مقاصد ناپسندیدہ اور طریق کار جارحانہ تھا' جنہیں صرف جنگوں میں ہی قابل برداشت قرار دیا جاسکتا تھا۔ اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس کے ابتدائی دور کے ایک سابق سربراہ "یہوسفات خرکابی" نے 1988ء میں لندن میں مجھ سے ملاقات کے دوران کہا: "میں اسرائیلی انٹیلی جنس کے کارناموں پر فخر کرتا ہوں"۔ اسے یہ کہنے کا پورا حق تھا۔ اس نے دوران گفتگو ایجنسی کے بعض مکارانہ اور جارحانہ ہتھکنڈوں کے تاثر کے بارے میں ایک سوال کا گول مول جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہم ایک خائف بھری دنیا میں رہتے ہیں' یہ امر تسلیم کرلیا جانا چاہیے کہ جاسوسی ایک غیر اخلاقی پیشہ ہے' اس سے وابستہ افراد کو یہ کام محتاط

رہ کر ہی کرنا چاہیے انہیں اندرونی طور پر بہت مضبوط ہونا چاہیے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ایک حقیقت ہے' بہت سے کام ہیں جو غیر اخلاقی قرار پاتے ہیں لیکن بہ مجبوری کیے جاتے ہیں۔"

ایک وقت ایسا آیا کہ اسرائیلی انٹیلی جنس میں کام کرنا' چھٹی صدی کے برطانیہ کے کنگ آرتھر کے دربار میں کام کرنے جیسا لگتا تھا۔ "ہر روز ایک نئی مہم درپیش ہوتی تھی اور ہر مہم ایک مقدس مشن ہوتی تھی جس میں بدمعاشوں کو کیفر کردار تک پہنچانا اور بے گناہوں کو بچا لینا مقصود ہوتا تھا۔" پھر خرابیاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں اور تنظیم پر شکوک وشبہات کے بادل منڈلانے لگے۔ یہ تبدیلی اچانک رونما نہیں ہوئی تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب خود کو اعلیٰ اخلاقی منزلوں پر فائز سمجھنے والے اسرائیلی رہنماؤں نے موساد کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے نہ صرف چشم پوشی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنا بھی شروع کردی۔ اس کا اثر انٹیلی جنس کے کارکنوں اور ان کے افسروں کی صلاحیت کار پر ہی نہیں پڑا بلکہ ہر سطح پر تنزل' ناکامیوں اور بدنامیوں کا آغاز ہوگیا۔ دوسرے ملکوں کی خفیہ سروسز کی طرح موساد میں بھی سکینڈلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں روسیوں کو جوابی کارروائی کرکے اسرائیل کے اندر تمام اہم عہدوں پر مامور افسروں میں اپنے جاسوس چھوڑنے کا موقع بھی مل گیا۔

حقیقی بگاڑ اس وقت شروع ہوا جب اسرائیلی حکومت اپنی ساری توجہ فلسطینیوں اور دہشت گردی سے نمٹنے پر مرکوز کیے ہوئے تھی۔ آزادئ فلسطین تنظیم (پی ایل او) کی تخریب کاری کی مہم کا مؤثر جواب دینا' حکومت کا اولین مقصد تھا' لیکن اس راہ میں کئی مشکلات اور کئی سنگ گراں تھے اور وہیں سے کرپشن کی طرف بھی راستے نکلتے تھے۔ خفیہ معلومات کی مدد سے دہشت گردوں کے مقام کا تعین کرنا اور پھر اس پر حملے کے لیے ٹیم بھیجنا ایک بات تھی لیکن دہشت گردوں کو خوفزدہ کرنا اور انہی جیسے حربے اختیار کرنا دوسری بات تھی۔

موساد نے نہ صرف خود دہشت گردی کا جواب دہشت گردی سے دیا بلکہ امریکی اور یورپی ایجنسیوں کو بھی ایسا طرز عمل اختیار نہ کرنے پر بے عملی کے طعنے دینے لگی۔ اس کے حکام نے سی آئی اے اور ایس آئی ایس کے بارے میں یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ لوگ صرف گپ شپ کرنے کے لیے دفتروں میں جاتے ہیں کوئی عملی کام نہیں کرتے۔ چنانچہ موساد جب دہشت گردوں کے خلاف "عملی میدان" میں اتر آئی اور ان کا "صفایا" شروع کردیا تو خود چکر میں پھنس گئی۔ اس کا پھر کیا نتیجہ نکلا؟ کیا دہشت گردی ختم ہوگئی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ 1989ء میں

اسرائیل کوئی اور بھیانک تر تباہ کاریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یاسر عرفات اور تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) نے بین الاقوامی دہشت گردی اس لیے ترک کردی کہ انہیں گولیاں چلانے کی بہ نسبت سفارت کاری سے زیادہ فائدہ پہنچنے کا یقین ہوگیا تھا جبکہ اسرائیلی حکام نئے حقائق کو تسلیم کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ پھر انتفاضہ کے وجود میں آنے سے اسرائیل کے لیے ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا' طویل لڑائی کے بعد اسرائیل اس سے پنجہ آزمائی کے قابل نہیں رہا تھا' اس کی سرحدوں کے اندر اور مقبوضہ علاقوں کی عرب آبادی' ازخود اٹھ کھڑی ہوئی' اسے اس سلسلے میں پی ایل او کی طرف سے کوئی رہنمائی یا ہدایت حاصل نہیں تھی۔ ان مظاہروں کے دو سال کے اندر فلسطینیوں کو اتنی حمایت حاصل ہوگئی جو بیس سال کی مسلح جدوجہد سے بھی انہیں نہ مل سکی تھی۔ موساد اور ''شین بتھ'' بھی حیران پریشان تھیں کہ ان نوعمر مظاہرین اور پتھراؤ کرنے والے بچوں کا کیسے مقابلہ کریں؟ وہ ان کے بڑے بھائیوں' یعنی چھاپہ ماروں کا مقابلہ تو کرتی آئی تھیں لیکن ان لڑکوں اور بچوں کو قابو کرنا بہت مشکل تھا' اسرائیلی حکومت کو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اسرائیلی لوگ فوجی یا جاسوس کے طور پر بھرتی ہونے کے لیے تو تیار رہتے تھے لیکن یہودی عوام کی وہ یادداشتیں جو مشرقی یورپ کی خفیہ پولیس اور قازقوں کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کرنے کے سلسلے میں ان کے ذہنوں میں محفوظ تھیں انہیں پولیس فورس میں شامل نہیں ہونے دیتی تھیں' لہٰذا نہتے مظاہرین کو روکنا ان کے بس سے باہر تھا۔

1970ء کے عشرے میں انٹیلی جنس سرگرمیوں کا مقصد دہشت گردی سے نمٹنا تھا اور میدانِ جنگ لبنان تھا کیونکہ فلسطینیوں کو اردن کے شاہ حسین نے اپنے ملک سے کھدیڑ دیا تھا اور اب انہوں نے لبنان میں اپنے قدم جما لینے کے بعد یہودی ریاست کو غیر مستحکم بنانے کے لیے کارروائیاں شروع کردی تھیں' جبکہ اسرائیل نے ان پر ضربیں لگانا' اپنی مستقل پالیسی بنائی ہوئی تھی' موساد فلسطینیوں کے اسلحے کے ذخیروں اور ان کے اڈوں کا پتہ چلانے کے لیے ہر وقت سرگرم رہتی تھی' اسے یہ ڈیوٹی بھی سونپی گئی تھی کہ وہ دشمن کے آئندہ عزائم اور ان کے متوقع ہدف کا بھی پیشگی پتہ چلائے اور اس کے بین الاقوامی رابطوں' اسلحہ کے حصول کے ذرائع اور تربیتی انتظامات کا بھی سراغ لگائے۔

موساد کا مؤثر ترین حربہ یہ تھا کہ وہ فلسطینی گروپوں میں اپنے ایجنٹ داخل کردیتی تھی' بعض اوقات تو عرب باشندوں کو بھاری معاوضہ دے کر یا بلیک میل کرکے یہ خطرناک کام انجام دینے پر تیار کرلیتی تھی اور بعض اوقات محبِ وطن اسرائیلیوں کو اس کام پر مامور

کردیتی تھی لیکن اس سے پہلے انہیں کافی تربیت دی جاتی اور عربی زبان میں بھی مہارت بہم پہنچا کر تیار کیا جاتا تھا۔ ان خفیہ ایجنٹوں کو استعمال کرنے کے دو مقاصد ہوتے تھے ایک تو یہ کہ وہ دشمن کے عقب میں رہ کر تفویض کردہ کارروائی کریں یا ازخود کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس سے دشمن کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہو۔ اس مقصد کے لیے موساد کو مطلوبہ صلاحیتوں کے افراد تلاش کرنا پڑ رہے تھے۔ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے یہودیوں میں کئی نوجوان ایسے تھے جن سے یہ کام لیا جاسکتا تھا' خاص طور پر عرب ممالک میں پلے بڑھے ہوئے یہودی کافی کارآمد ہوسکتے تھے کیونکہ وہ زبان سے بھی خوف واقف تھے۔ اس سلسلے میں بہترین مثال ''سلویا رافیل'' تھی جس نے نیم سفارتی بہروپ اختیار کرکے وافر خفیہ معلومات فراہم کیں۔ اردن میں وہ فرانسیسی صحافی بن کر فلسطینیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتی رہی اور اردن کے اعلیٰ حکام سے بھی رابطے رکھتی تھی۔

لبنان کے ساتھ شمالی سرحد کی دونوں جانب موساد اور ''شین بتھ'' کے جاسوس موجود تھے۔ موساد کا کام لبنان کی جاسوسی کرنا اور شین بتھ کا لبنانی جاسوسوں کو ادھر کی معلومات حاصل کرنے میں ناکام بنانا تھا۔ یہ دونوں مل کر لبنان پر اسرائیلی فوج کے حملے کو کامیاب بنانے کی تیاریاں کررہی تھیں اور انہوں نے یہ کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا تھا کہ جب لبنان پر قبضہ ہوجائے گا تو یہ اپنی فوج کے لیے ڈھال بن جائیں گی۔ لیکن حملہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا۔ اس ناکام مہم جوئی کا ذمہ دار جنرل شیرون تھا لیکن جب دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی اقتدار میں آئی تو اس کے وزیراعظم منحائم بیگن کی کابینہ میں یہی جنرل شیرون وزیر دفاع تھا۔ اس لیے اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس واقعہ سے دونوں انٹیلی جنس سروسز کی شہرت بری طرح داغدار ہونا شروع ہوگئی۔ زمانہ قبل از آزادی میں مختلف گروپوں کے مابین خون ریز لڑائیوں کی تلخ یادیں رکھنے والے پرانے لوگ وزیراعظم کے قریب آکر مشاورتی عہدوں پر فائز ہوگئے جن میں سے ایک رافیل ایٹان تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس پر الزام تھا کہ اس نے اسرائیل کے مضبوط ترین حلیف اور پشت پناہ امریکہ کے خفیہ راز چوری کیے تھے۔ اس نے یہ راز امریکی بحریہ کے شعبہ جاسوسی میں اہم عہدے پر متمکن ایک امریکی یہودی ''جوناتھن پولارڈ'' کی مدد سے چرائے تھے۔ اس پر نہ صرف امریکیوں کو شدید صدمہ پہنچا بلکہ امریکی یہودی حلقوں میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ اس پر ''ایسر ہیرل'' (Isser Harel) نے' جس نے موساد کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے کہا کہ اسرائیل کی پوری تاریخ میں اس قدر

بدنامی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی' کہ امریکہ جیسے محسن کے ساتھ ہمارے اس سلوک کے ثبوت بھی سامنے آجائیں۔۔۔ اس سے پہلے اسرائیل نے اس امر کا خصوصی طور پر انتظام کر رکھا تھا کہ اسرائیل کی حدود سے باہر رہنے والے یہودیوں کو' حتی الوسع جاسوسی کے کاموں میں استعمال نہ کیا جائے' ورنہ وہاں کی حکومتیں یہودیوں کو سیکورٹی رسک سمجھتے ہوئے ان کے لیے جینا حرام کردیں گی اور وہاں ''سام دشمن'' (Anti-Semitism) تحریکوں کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

موجودہ دور کی موساد اپنے دامن میں غلط حرکات' متضاد کارروائیوں اور غلط اندازوں کا ریکارڈ سمیٹے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ اپنے قیام کے پہلے چالیس برسوں میں اس نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اپنوں اور پرایوں سے جو خراج تحسین پایا تھا' وہ قصہ' ماضی بن چکا ہے۔ اب اس کے مقاصد کے ساتھ ساتھ اس کے طریق کار کو بھی مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

آغاز

شروع میں وہ خفیہ جاسوس تھے ان کے بارے میں کسی کو بھی کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر وزیراعظم اسرائیل بن گورین کی زبان پھسل جانے سے اچانک لفظ ''موساد'' نکل پڑا' اسرائیلی پارلیمنٹ ''نیسٹ'' (Knesset) کے اجلاس میں کہا جانے والا یہ لفظ اخبارات میں بھی چھپ گیا۔ اسرائیل جیسے ملک میں جہاں ملٹری سنسر شپ رائج تھی' کسی کو یہ لفظ زبان پر لانے یا اخبار یا رسالے میں چھاپنے کی جرأت ہی نہیں ہوسکتی تھی۔ مگر جب وزیراعظم نے پارلیمنٹ میں اس کا ذکر کردیا تو پھر اخبار میں اسے چھاپنے کی ممانعت ختم ہوگئی۔ 1980ء میں ایک اخبار کے رپورٹ نے اس تنظیم کے اس دور کے صدر کے نام کا انکشاف کردیا تو اس کا ایکریڈیشن کارڈ ہی ضبط کرلیا گیا۔ اسرائیل کی جدید ریاست کے ابتدائی دنوں میں' بطور ایک ریاستی آرگن کے یہ اپنی بے حد پراسرار سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھی مگر اس کا نام سرگوشیوں ہی میں لیا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ ایک بار مناخم بیگن نے کہا کہ ''جنگ کی طرح جاسوسی بھی پراسرایت کے ماحول میں کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے یا یوں کہیے کہ اخفاء جاسوسی کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے''۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد صیہونیوں نے دنیا کے نقشے پر اسرائیل کو دوبارہ جگہ دلانے کے لیے جو آخری لڑائیاں لڑیں وہ زیادہ تر گہری چالوں کا ہی نتیجہ تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ اس نئی ریاست کا وجود یہودیوں کی پرائیویٹ فوجوں اور ان کی سیکرٹ سروس کا مرہون منت تھا۔ ان کی زیرزمین فوجی کارروائیوں نے اسرائیل کو ایک قوم بنا کر کھڑا کردیا۔ برطانیہ لیگ آف نیشنز کی جانب سے ملے ہوئے مینڈیٹ کے تحت مشرق وسطی کے جن علاقوں کا انتظام وانصرام کر رہا تھا وہاں کی پرائیویٹ یہودی فوجوں نے اپنی خفیہ چالوں کے ذریعہ دنیا بھر کے تارک وطن یہودیوں کو سمگل کر کے یہاں پہنچانا شروع کردیا۔ یہ کارروائی

خاص طور پر 1940ء کے عشرے میں کی گئی۔ یہ بنیادی طور پر عربوں کی سرزمین تھی جہاں دھڑا دھڑ یہودیوں کے گروہ لالا کر بسائے جا رہے تھے۔ برطانوی فوج اس انسانی سمگلنگ کو روکنے کے لیے "بہترین کوششیں" بروئے کار لاتی رہی مگر اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوششیں نیم دلانہ تھیں۔ برطانوی فوج کے اندر بھی ان کے ایجنٹ موجود تھے اور ہمسایہ عرب ممالک میں بھی ان کے خفیہ آدمی اہم عہدوں پر مامور تھے۔ زیرزمین رہ کر کام کرنے والی یہودی ملیشیا کو درکار اسلحہ سمگل ہو ہو کر پہنچ رہا تھا۔ ان نیم عسکری تنظیموں کو نئی قائم ہونے والی ریاست کی ہراول فوج کی حیثیت حاصل ہونے والی تھی اور وہ مستقبل میں بڑے پیمانے پر ہونے والی مزاحمت کے مقابلے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ اس منصوبے سے اختلاف کرنے والے متعدد مخالفین کو خفیہ تنظیموں نے ٹھکانے لگا دیا اور جو بچ گئے ان کی کڑی نگرانی کی جانے لگی۔

اسرائیلی قوم کا وجود ہی خفیہ آپریشنوں اور راز چوری کرنے کی کارروائیوں کا مرہون منت ہے۔ اس کے صف اول کے لیڈر حالات کے دباؤ کے تحت اس خفیہ دنیا میں داخل ہوئے تھے چنانچہ یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ ان کی نئی ریاست جاسوسوں کا گڑھ (Spyocracy) بن گئی۔ موجودہ اسرائیل کی سیاسی قیادت پر فائز لوگوں کی اکثریت' انٹیلی جنس کے مختلف شعبوں میں کام کرتی رہی ہے۔ مثلاً صدر ریاست "خائم ہرزوگ" خود ملٹری انٹیلی جنس میں تھا۔ وزیراعظم اسحاق شمیر یورپ میں کئی سال تک موساد کا فیلڈ مین رہ چکا ہے۔ ڈیوڈ کمچے جو اسرائیلی وزارت خارجہ کا ایک اعلیٰ افسر ہے وہ موساد کا سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ یہ روایت شروع سے ہی موجود تھی کہ رازداری حصول آزادی کے بعد بھی ایک نارمل رویئے کے طور پر برقرار رہی۔

رازداری کے اصولوں کو برقرار رکھنے کی کچھ اور وجوہ بھی تھیں۔ نئے اسرائیل کے بہت سے دیگر اداروں کی طرح' اس کی سیکرٹ سروسز بھی برطانوی روایت سے متاثر تھی دوسری جنگ عظیم کے دوران متعدد یہودی برطانوی فوج میں مختلف عہدوں پر رہے اور ملٹری انٹیلی جنس میں بھی کام کرتے رہے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد 1,30,000 فلسطینی' نازیوں کے خلاف لڑنے کے لیے برطانوی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ فاتح جنرل اور ایک کامیاب کیبنٹ منسٹر موشے دایان' جس نے ہگانہ انٹیلی جنس یونٹ میں بھرپور کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا جنگ عظیم دوم کے دوران اس نے سیکرٹ انٹیلی جنس سروس "ایس آئی ایس" اور سپیشل آپریشنز ایگزیکٹو

"ایس او ای" میں تربیت پائی تھی۔ برٹش سروسز کے یہودی ریکروٹوں میں سے 32 نوجوانوں نے پیراشوٹ کے ذریعہ نازیوں کے علاقے میں چھلانگ لگائی تھی۔ ایسر ہیرل (Isser Harel) جو سرکاری سیکرٹ سروس کا سربراہ بنا' اس نے اپنی ابتدائی تربیت برطانوی دور حکومت میں فلسطینی پولیس میں پائی تھی۔

"مکمل رازداری" (Total Secrecy) کے بنیادی اصول سب سے پہلے برطانیہ نے متعارف کرائے۔ وائیٹ ہال (وائٹ پیلس) کے ترجمان' اول تو یہ بات بڑی مشکل سے تسلیم کرتے ہیں کہ برطانیہ میں سیکرٹ سروس اور سیکورٹی سروس نام کے کوئی ادارے موجود ہیں۔ بہرحال نظروں سے اوجھل رہ کر دوسروں کے عزائم اور کارروائیوں سے باخبر رہنا انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ انسانوں کے درمیان جب تک اختلافات اور کشمکش رہے گی' وہ ایک دوسرے پر نگاہ رکھنے سے باز نہیں آئیں گے۔ واقعات گواہ ہیں کہ تمام جدید ریاستوں نے اس مقصد کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ برطانیہ نے 1909ء میں پہلی انٹیلی جنس ایجنسی بطور محکمہ قائم کی تھی۔ اسے انتظامیہ ہی مالیات فراہم کرتی اور اس کی کارکردگی پر نگاہ بھی رکھتی تھی۔ جنگ اور امن دونوں حالتوں میں اس کا کام غیرملکیوں کے خفیہ راز حاصل کرنا اور حکومتی رازوں کی حفاظت کرنا تھا۔ اسے دیکھ کر پرانے یورپ کے دیگر ممالک کو ایسے اداروں کے قیام کا خیال آیا۔ اس کے چار سال بعد یعنی 1913ء میں جرمنی نے اور اس کے اگلے چار سالوں کے بعد روس نے بھی جاسوسی ادارے قائم کر لیے۔ فرانس کی خفیہ سروس' سرکاری طور پر 1935ء میں قائم ہوئی۔ امریکہ بڑا عرصہ ان کی پیروی کرنے سے گریزاں رہا۔ بالآخر اس نے 1947ء میں سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (سی آئی اے) قائم کر دی جس نے زمانہ جنگ کی "او ایس ایس" (آفس آف سٹریٹیجک سروسز) کی جگہ لی۔ جسے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد کالعدم قرار دے دیا گیا تھا۔

اسرائیل نے اپنی خفیہ ایجنسی کے قیام کا فیصلہ 1929ء میں صیہونی کانگریس کے دوران کیا اور پہلا ادارہ "جیوش ایجنسی" نام سے قائم کیا گیا۔ صیہونی کانگریس سوئٹزرلینڈ کے شمالی شہر زیورچ میں منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا بھر میں انٹیلی جنس آپریشنز شروع کرنے پر غور کیا گیا اور بہت سے دوسرے فیصلے بھی کیے گئے۔ ایک فیصلے کے مطابق ایک "ہگانہ" (Hagana) نام کی انڈرگراؤنڈ فورس قائم کی گئی جس نے "شائی" (Shai) کے نام سے اپنی الگ انفارمیشن سروس قائم کر لی۔ "شائی" 1948ء تک ایک خودمختار اسرائیلی ریاست کے قیام

کی منصوبہ بندی میں مصروف رہی۔ اس مقصد کے لیے اس نے فلسطین میں برطانوی انتظامیہ کے اندر نفوذ کے لیے رابطے قائم کر لیے تاکہ یہودی لیڈروں کو برطانوی حکام کے رویوں اور ان کے مستقبل کے ارادوں سے باخبر رکھا جا سکے۔ ساتھ ہی اس نے گردوپیش کے ملکوں میں اپنے مخالف عربوں کی بھی نگرانی شروع کر دی۔ اس کے ایجنٹوں نے مشرق وسطیٰ اور یورپ میں اپنے ہم مذہب انتہاپسند گروپوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اور انہیں کنٹرول کرنا شروع کر دیا۔ ''شائی'' کے مقرر کردہ سکیورٹی کے ایجنٹوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ نازی جرمنی کے بارے میں اطلاعات اکٹھی کریں تاکہ انڈر گراؤنڈ فورس ''ہگانہ'' کے کارکن دوسری عظیم جنگ سے قبل اور بعد میں فرار کے راستے متعین کر سکیں۔ ''شائی'' نے بہت جلد اسلحہ اور غیر قانونی تارکین وطن کو فلسطین کے اندر سمگل کرنے میں مہارت حاصل کر لی۔ تاہم اس کی اصل کامیابی یہ تھی کہ اس نے برطانیہ کے کسٹمز، پولیس اور ٹرانسپورٹ سروس کے حکام میں اپنے ایجنٹوں کو اہم عہدوں پر تعینات کرا لیا۔ جن کے ذریعے وہ فلسطین کے نوآبادکاروں کا مقابلہ کرنے والے عربوں کے لیے سمگل ہو کر آنے والا اسلحہ پکڑنے لگے۔ دوسری طرف ''شائی'' نے ''رخش'' (Rekhesh) کے نام سے ایک ایجنسی قائم کر لی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ فلسطین کی انڈر گراؤنڈ فورسز کو گولہ بارود فراہم کرے۔ اس مقصد کے لیے ''رخش'' کے ایجنٹوں نے فرضی کارپوریشنیں بنانے، فرضی ایکسپورٹ لائسنس جاری کرنے اور جعلی شناختی کارڈ بنوانے میں زبردست مہارت حاصل کر لی۔ موساد کا دوسرا براہ راست جدامجد ادارہ، جس سے ''موساد'' کا نام پڑا، وہ غیر قانونی تارکین وطن کا ادارہ ''انسٹی ٹیوٹ آف ال لیگل امیگریشن'' (Institue of Illegal Immigration) تھا۔ اس کا عبرانی نام — ''موساد لی آلیہ بیت'' تھا۔ جب برطانیہ نے فلسطین کے تکلیف دہ اور پیچیدہ ترین مسئلے کو حل کرنے کے لیے یہودی تارکین وطن کی تعداد 75,000 تک محدود کر دی تو یہودی ایجنسی نے زیادہ سے زیادہ صیہونیوں کو لانے کی مہم شروع کر دی۔ پرانی اور اصلی موساد نے جس کے یورپ میں صرف دس ایجنٹ ہوا کرتے تھے، وہاں سے یہودیوں کے فرار کے لیے روٹ متعین کیے، ان کے لیے بحری جہاز، جعلی پاسپورٹ اور خفیہ ہاؤسز کا اہتمام کیا۔ ان ہاؤسز میں انہیں وقتی طور پر ٹھہرایا جاتا تھا تاکہ انہیں جہازوں میں سوار کرانے کے لیے لوازمات کا بندوبست ہو سکے۔ ''موساد'' اور ''رخش'' دونوں کا سربراہ ایک روسی تارک وطن — شال ایویگور (Shaul Avigur) تھا جس نے ''کیبوتس'' (Kibbutz) میں تربیت پائی تھی۔ اسے پُراسرار سرگرمیوں میں ملوث ہونے اور دوسروں کو

چکمے دینے کا بے حد شوق تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے لندن میں مقیم اپنی بیٹی کے نام عبرانی اخبارات کا بنڈل بھیجا تو اس پر بھی ''پرائیویٹ اینڈ کانفیڈنشل'' کے الفاظ لکھ دیئے۔ اسے معلوم تھا کہ اس سے بیٹی کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا تاہم وہ بڑی مشکل سے خود کو بچا سکی۔

یہ تنظیمیں مل کر ایک مرکزِ اعصاب یا سراغ رسانی کی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئیں۔ جہاں داخلہ لینے والوں کی ابتدائی اہلیت، کام سیکھنے اور کام کرنے کا جذبہ اور خطرات مول لے کر اپنے ہم مذہب لوگوں کی خدمت کرنے کا عزم تھا۔ ان آنے والوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام سکھائے جاتے اور مختلف مشن سونپے جاتے رہے۔ اس ''آن دی جاب ٹریننگ'' نے انہیں بہت سے خفیہ معرکے سر کرنے کے قابل بنا دیا اور وہ بے تابی سے اسرائیلی ریاست کے قیام کا انتظام کرنے لگے۔ حتیٰ کہ 14 مئی 1948ء کو انہوں نے ''سٹار آف ڈیوڈ'' کا پرچم لہراتا دیکھ لیا اور صیہونیوں کا خواب ایک حقیقت بن گیا۔ دو ہفتے بعد 30 جون کو اسرائیلی ''انٹیلی جنس کمیونٹی'' سرکاری طور پر ''سیکرٹ سروس'' کے نام سے موسوم ہو گئی۔

سٹیٹ انٹیلی جنس سروسز کے شعبے میں جنم لینے والے اس ادارے کی جائے پیدائش، وسطی تل ابیب میں 85 بن یہودا سٹریٹ کا ایک سادہ سا کمرہ تھا جو ایک گمنام سی بلڈنگ میں تھا اس کی بیسمنٹ میں ایک کیفے اور ایک فلاور شاپ تھی اور اوپر کی منزلوں میں چند اپارٹمنٹس تھے۔ ان میں سے ایک اپارٹمنٹ کے دروازے پر ''ویٹرنز کونسلنگ سروس'' کی پلیٹ لگی تھی۔ یہ سابق فوجیوں کا مشاورتی دفتر تھا۔ اس وقت تک یہ جگہ سابق ''شائی'' کے خفیہ ہیڈکوارٹر کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھی جواب کالعدم قرار پا چکی تھی۔

30 جون 1948ء کو بن یہودا سٹریٹ میں منعقد ہونے والے اجلاس کا مقصد ''اسرائیلی انٹیلی جنس کمیونٹی'' کو مضبوط تر بنانا تھا۔ اجلاس میں تمام ضلعی سربراہ اور ان تنظیموں کے لیڈر شریک تھے۔ جنہوں نے قوم کی تعمیر کے لیے اپنی جانیں کھپائی تھیں، منصوبے بنائے، سازشیں کیں اور لڑ بھڑ کر یہاں تک پہنچے تھے۔ مختلف تجاویز پر غور وخوض کے بعد ''آئی ڈی ایف'' (اسرائیلی ڈیفنس فورسز) نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس کے تحت جنرل سٹاف کے آپریشنز کے لیے ایک ''سب ڈویژن'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پہلے اس کا نام ملٹری انٹیلی جنس رکھا گیا جو بعد میں ''امن'' (AMAN) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ رہنماؤں نے خفیہ نوعیت کی بین الاقوامی اطلاعات اکٹھی کرنے کے لیے وزارت خارجہ میں ایک سیاسی شعبہ قائم کر دیا، بورس گوریل اس کا سربراہ مقرر ہوا۔ کمیونٹی کی تیسری شاخ ''جنرل سکیورٹی سروس'' تھی جو

''شین بتھ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا ابتدائی ڈھانچہ 1951ء تک برقرار رہا۔ اس کے بعد اس نے موساد کے نام سے اصل انٹیلی جنس کا روپ اختیار کرلیا' شین بیتھ بھی جو شروع میں باہمی لڑائی جھگڑوں اور سکنڈلوں کی وجہ سے بدنام ہوگئی تھی' اب نئی شکل میں سامنے آ گئی۔

اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین نے 1948ء میں ''ایسر بیئری'' (Isser Be'eri) کو نئی ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ مقرر کیا۔ وہ نئی تشکیل شدہ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کا کرنل اور ایک تعمیراتی کمپنی کا صدر تھا اور 1938ء سے اب تک ہگانہ کا ممبر بھی چلا آ رہا تھا۔ اسے صرف چند ماہ قبل اچانک اس وقت شہرت ملی جب اس نے یروشلم کے لیے لڑی جانے والی خون ریز لڑائی کے دوران ''شمائی'' کا کنٹرول سنبھالا تھا۔ لیکن بہت جلد ثابت ہوگیا کہ ایسر بیئری کا اس عہدے کے لیے انتخاب بہت بڑی غلطی تھا' اس کی مختصر عرصہ کی سربراہی کے دوران اس سروس نے ایسے ''گھٹیا حربے'' استعمال کرنا شروع کردیئے کہ سیکرٹ سروسز کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑ گیا۔

چند ماہ بعد اسے بطور آفیسر انچارج' سیکرٹ مارشل لاء کورٹ کے سامنے آزادی سے قبل کے زمانے میں کی گئی بعض کارستانیوں کی جوابدہی کے لیے کھڑا کردیا گیا۔ اس پر ایک الزام یہ تھا کہ اس نے ایک ممتاز عرب شیخ علی قاسم کو اس بنا پر قتل کردیا تھا کہ اس نے صیہونی سازشیوں کے بارے میں مبینہ طور پر برطانوی سیکورٹی کے حکام کو مطلع کردیا تھا۔ اس نے فوجی عدالت میں اپنی صفائی کے سلسلے میں صرف ایک جملہ کہا۔۔۔ ''وہ شخص غدار تھا اس لیے ہم نے اسے قتل کرڈالا۔'' شیخ علی قاسم کا قتل واحد واقعہ نہ تھا جس پر اسے ملامت کی جارہی تھی بلکہ یہ الزام بھی تھا کہ اس نے مینڈیٹ کے زمانے میں لیبر پارٹی کے ایک طاقتور سیاستدان اباہوشی کو برطانیہ کے ساتھ سازباز کرنے پر بے نقاب کرنے کے لیے اس کے ایک ملازم پر تشدد کیا تھا۔ اس ملازم سے گواہی حاصل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس نے ایک جعلی دستاویز بھی بطور ثبوت پیش کردی تھی۔ اس نے جس روز ملٹری انٹیلی جنس کی سربراہی سنبھالی اس دن ایک اور شرمناک واقعہ بھی پیش آیا' وہ یہ تھا کہ ایک سرسری سماعت والی کورٹ مارشل نے جس کی صدارت وہ خود کررہا تھا کیپٹن میئر تبیانسکی کو برطانیہ کے لیے جاسوسی کرنے کے الزام میں سزائے موت سنائی اور ایسر بیئری کے حکم پر اسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کرکے چھلنی کردیا گیا۔ بعدازاں وزیراعظم بن گورین نے جو انکوائری کرائی اس میں وہ بے گناہ ثابت ہوگیا' چنانچہ اس کا آرمی ریک' بعدازمرگ بحال کردیا گیا اور بطور تلافی اس کی

رسم تدفین فوجی انداز میں ازسرنو ادا کردی گئی۔

ایسر بیئری کو ان شرمناک واقعات کا ذمہ دار قرار دے کر بارہ ماہ بعد نہ صرف برطرف کردیا گیا بلکہ قتل کے الزام میں گرفتار بھی کرلیا گیا۔ اس کے خلاف مقدمے کی سماعت بند کمرے میں ہوئی جس میں اس نے اپنی صفائی میں صرف یہ کہا کہ سیکرٹ سروس کے سربراہ کے طور پر اسے قانون کے دائرے سے باہر نکل کر کارروائی کرنے کا اختیار حاصل تھا اور اس نے جو طریقے بھی استعمال کیے انہیں جائز سمجھتا تھا۔ عدالت نے اس کے مؤقف کو نئی ریاست کو درپیش نازک حالات کے باوجود مسترد کردیا۔ اس دور کے صیہونی لیڈر ریاستی مصلحتوں کو انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے چنانچہ ایسر بیئری کو مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے رینک اور ٹائٹل واپس لے لیے گئے تاہم اس کی ماضی کی خدمات کے پیش نظر اسے علامتی طور پر تابرخاست عدالت سزائے قید سنادی گئی لیکن صدر خائم وائزمین نے یہ سزا ختم کردی۔ سزا میں اس تخفیف کے باعث ایک مثال قائم ہوگئی جس سے بعد میں حکام سیکورٹی سے متعلقہ امور نمٹاتے ہوئے فائدہ اٹھاتے رہے۔

اسرائیل کی اس نئی نویلی سیکرٹ سروس کی زندگی کا آغاز ظلم و بربریت اور اس کے لیڈروں کی باہمی طور پر متصادم آراء سے ہوا۔ لیڈروں کی طرف سے ملکی سالمیت کے دشمنوں اور جاسوسوں کے خلاف سخت سے سخت طریقے اختیار کرنے پر اصرار کیا جارہا تھا اور بن گورین جو ریاست کی رائے کا نمائندہ تھا' انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے پر زور دے رہا تھا اور ہر قیمت پر ماضی کے مظالم بند کرانا چاہتا تھا۔ یہ صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کو نئے سرے سے آزادی ملنے کے بعد پیدا شدہ حالات کے مشابہہ تھی۔ فرانس کے لوگوں کی اکثریت سابق جرمن فاتحین کے ساتھ سازباز کرنے والوں سے سختی سے نمٹنا چاہتی تھی اور جس کسی پر بھی شبہ ہوتا اس کی طرف سے کوئی عذر یا دلیل سننا گوارا نہیں کیا جارہا تھا۔

بن گورین کا اصل منصوبہ' جس کے زیادہ تر حصے کو بعد میں اپنا لیا گیا' یہ تھا کہ انٹیلی جنس تین ڈویژنوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ ایک ڈویژن' بیورو آف ملٹری انٹیلی جنس تھی جس کے عبرانی ٹائٹل کے الفاظ کا مجموعہ ''امن'' (AMAN) بنتا ہے۔ اسی سے متصل دوسری ڈویژن' دشمن کے جاسوسوں کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنے اور انہیں گرفتار کرنے والوں پر مشتمل تھی' اس کا عبرانی مخفف ''رن'' (RAN) بنتا ہے۔ تیسری ڈویژن' وزارت خارجہ کا سیاسی شعبہ تھی جس کا سربراہ بورس گوریل تھا۔ وزارت خارجہ کے لوگوں کو دنیا بھر سے ایسی اطلاعات

اسٹھی کرنے کا کام سونپا گیا تھا جو اسرائیل کے لیے اہمیت رکھتی ہوں۔ ایسر ہیرل' جو بعد میں ماہر ترین جاسوس (سپائی ماسٹر) کے طور پر مشہور ہوا' اس وقت سامنے آیا جب اسے تیسری ڈویژن' ڈیپارٹمنٹ آف سیکورٹی..... ''شین بتھ''..... کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

حقیقی صورت حال یہ تھی کہ مختلف شعبوں کی سرگرمیوں کے درمیان کوئی واضح حد بندی ممکن نہیں تھی جب مملکت' ہی ابتداء سے شروع ہوئی تھی تو ہر ادارے کو اپنے قواعد خود بنانا پڑ رہے تھے' جوں جوں کام بڑھ رہا تھا' نئے نئے قواعد بن رہے تھے' ساتھ ساتھ پیچیدگیاں بھی پیدا ہو رہی تھیں' پیچیدگیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ہر ادارے میں مختلف پس منظر رکھنے والے افراد بھرتی ہو رہے تھے۔ کچھ ہٹلر کی اذیتیں برداشت کر کے آنے والے تارکین وطن تھے' کچھ سوویٹ یونین سے آئے ہوئے صیہونی تھے اور کچھ خطۂ فلسطین ہی میں پیدا ہو کر جوان ہونے والے یہودی تھے' اگرچہ یہودیت ان سب میں مشترک تھی' لیکن ہر علاقے کے رسم و رواج اور زبان نے ان کے عقائد پر الگ الگ رنگ چڑھا دیئے تھے' ان کے تجربات زندگی اور اکتسابی خصوصیات نے بھی ان کے احساسات میں دوریاں پیدا کر دی تھیں۔ اس کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف محکموں اور شعبوں میں قسم قسم کی پیچیدگیاں اور دشواریاں جنم لے رہی تھیں۔

اسرائیلی سیکرٹ سروس کی بنیادوں میں ایک طرف تو ان خفیہ صیہونی گروپوں کی روایات شامل ہو رہی تھیں جو قانون شکنی کے عادی ہو چکے تھے جو چیز بھی انہیں اپنے مزاج کے اعتبار سے درست لگتی تھی' اسی کو ادارے کے لیے مفید سمجھ کر اختیار کر لیتے تھے اور دوسری جانب ملٹری انٹیلی جنس تھی جو کلاسیکی اسلوب و آداب اور تنظیمی روح پر یقین رکھتے تھے۔ قبل از آزادی کے اداروں اور تنظیموں میں سے سیکرٹ سروس میں بھرتی کیے گئے آفیسرز طبعاً درشت مزاج اور سرکش تھے اور چھپ کر وار کرنے اور ہر ممکن طریقے سے کام نکال لینے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کی فیلڈ ٹریننگ نے انہیں اسلحہ سمگل کرنے کے لیے ہر اوچھا حربہ' ہر جعل سازی اور ہر دھوکہ استعمال کرنے کے گر سکھا دیئے تھے۔ یہ بات بھی ان کے مزاج کا حصہ بن گئی تھی کہ وہ اپنے لیے جو چیز درست اور جائز سمجھتے تھے' اپنے دشمنوں یعنی عربوں کے لیے اسے ممنوع قرار دیتے تھے۔ ایسے شوریدہ سر عناصر کو نظم و ضبط کی حامل انٹیلی جنس فورس میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ سٹیوارٹ سٹیون نے اپنی کتاب ''سپائی ماسٹرز آف اسرائیل'' میں لکھا ہے ''ایسے لوگوں کو قواعد و ضوابط کے دائرے میں لانا' خواہ یہ دائرہ کتنا ہی ڈھیلا ڈھالا ہو' بہت مشکل کام

تھا' کیونکہ ان لوگوں کے لیے یہ تصور ہی ناممکن تھا کہ قانون کی حکمرانی' حکومت اور پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہی کیا چیز ہوتی ہے۔''

1949ء میں ایسر ہیرل کو بے عزت کر کے برطرف کر دیئے جانے کے بعد خائم ہرزوگ کو آرمڈ فورسز کی انٹیلی جنس آرگنائزیشن کا سربراہ بنا دیا گیا جو بعد میں اسرائیل کی صدارت کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس نے بن گورین کو قائل کر لیا کہ ملٹری انٹیلی جنس سروس کو مزید پابند ضوابط بنایا جائے اور اسے اس کے بجٹ کے دائرے میں رکھ کر مناسب فنڈز فراہم کیے جائیں۔ نیا سربراہ ایک تجربہ کار انٹیلی جنس آفیسر تھا جس نے برٹش آرمی میں بھی سروس کی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی شروع کی ٹریننگ کی بدولت ''امن'' (AMAN) کو ایک مستعد اور صحیح معنوں میں منظم سروس کے قالب میں ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جلد ہی ایک صاف ستھری یونٹ قائم کر لی جس کا اپنا سلسلۂ کمان تھا اور اپنے تربیتی ادارے تھے۔ جب اس کے نائب' کرنل بنجمن جلعی نے بطور اس کے جانشین کے' اپریل 1950ء میں اس کی سربراہی سنبھالی تو ''امن'' ایک فعال اور خود کفیل سروس میں ڈھل چکی تھی۔

خائم ہرزوگ کو یہاں سے فارغ کر کے واشنگٹن میں اسرائیلی سفارت خانے کا فوجی اتاشی بنا دیا گیا' یہ عہدہ پہلے ہی کافی اہم تھا لیکن آگے چل کر اور زیادہ اہمیت حاصل کرنے والا تھا کیونکہ امریکہ اسرائیل کا پکا حلیف اور اس نئی ریاست کا زبردست حامی تھا۔ جس نے اسرائیل کی سیکرٹ سروسز کے قیام کے ساتھ ہی ان سے معلومات کے تبادلے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی اپنے دوست ملک کی خفیہ ایجنسیوں کو عام پیغامات کو رمزیہ پیغامات میں ڈھالنے (Coding) اور رمزیہ اشاروں کو قابل فہم عبارت میں واپس لانے (Decoding) کے فن کی تربیت دینے پر بخوشی تیار ہو گئی تھیں۔ ہرزوگ اور اس کا ذہین سفارت کار دوست اور پرانا رفیق کار روبین شیلوچ جو پہلے انٹیلی جنس ایجنٹ رہ چکا تھا' ایسے وقت امریکہ پہنچے کہ روس کے ساتھ سرد جنگ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ دور اسرائیل کے لیے بھی بڑی نزاکتوں کا حامل تھا' کیونکہ روس جو پہلے اس نوزائیدہ ریاست کا حامی تھا' اب عربوں سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس مقصد کے لیے اسرائیل کے خلاف سازشوں میں بھی مصروف ہو گیا تھا۔

اس صورتحال نے اسرائیل اور امریکہ دونوں کو اپنے مشترک دشمن کے خلاف قریب تر کر دیا۔ خائم ہرزوگ نے سی آئی اے کے ساتھ مضبوط روابط قائم کر لیے جو آگے چل کر نہ

صرف اسرائیل کے لیے بلکہ امریکہ کے لیے بھی بے حد اہم بننے والے تھے۔ ان روابط کو جیمز اینگلٹن کی آمد نے مضبوط تر بنا دیا۔ وہ سی آئی اے کے ماہر ترین سراغرسانوں میں سے ایک تھا۔ اعلیٰ حکام نے اسے ایجنسی کے اسرائیل ڈیسک کا انچارج بنا دیا۔ اس طرح خائم ہرزوگ اور جیمز اینگلٹن ایک مضبوط جوڑی بن گئے۔

”امن ملٹری انٹیلی جنس“ کو بنجمن جبلی کی زیر کمان ابھی بہت سی منزلیں طے کرنا تھیں۔ یہ ہگانہ زیر زمین تحریک کی جانشین تھی‘ جسے آرمی جنرل سٹاف کی آپریشن برانچ کا ڈیپارٹمنٹ بنا دیا گیا تھا۔ شروع کے دنوں میں اس کے حکام کو اپنے ماتحتوں کے دائرۂ کار کے تعین میں کچھ مشکلات پیش آ رہی تھیں‘ کچھ افراتفری اور انتشار کی کیفیت طاری تھی۔ مثلاً فیلڈ ایجنٹوں کو کسی وقت تو موساد کے لیے کام کرنا پڑتا تھا اور کسی وقت ”امن“ کی جانب سے تفویض کردہ فرائض انجام دینا پڑتے۔ ان دونوں اداروں کے مابین مسابقت کا دائرہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ مسابقت بھی پروفیشنل معیار سے فروتر درجے کی تھی۔ کبھی تو ان کے حکام اپنی ذاتی برتری اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے متحرک ہو جاتے اور کبھی مشترکہ مفاد کے لیے متحد بھی ہو جاتے۔ اس طرح پیدا ہونے والے بحران پر قابو پانے کے لیے بن گورین کو خود مداخلت کرنا پڑتی تھی۔ بالآخر اس نے ایک سلیکٹ کمیٹی قائم کر دی جسے انٹیلی جنس اسٹیبلشمنٹ کی تشکیل نو کے لیے سفارشات مرتب کرنے کا کام سونپا گیا۔ کمیٹی نے تمام متعلقہ لوگوں سے صلاح مشورے کے بعد مختصر ترین وقت اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ یکم ستمبر 1951ء کو وزیراعظم کی طرف سے جاری ہونے والی ہدایات پر موساد کی ایک واضح شکل اور واضح دائرۂ کار کا تعین کر دیا گیا۔ ایجنسی کو باہر سے انٹیلی جنس رپورٹیں اکٹھی کرنے اور سپیشل آپریشنز انجام دینے کا فرض سونپ دیا گیا۔ روبین سیلوح کو امریکہ سے واپس بلا کر اس کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا جو براہ راست وزیراعظم کے سامنے جوابدہ تھا۔ اس موقع پر جو تاسیسی متن جاری کیا گیا‘ اس میں عہد نامہ عتیق (Old Testament) کی یہ عبارت شامل تھی:

”اور موسیٰ“ نے انہیں ارض کنعان میں جاسوسی کی غرض سے بھیجا...... تاکہ وہ دیکھیں کہ وہ ملک کیسا ہے‘ اور کیسے چل رہا ہے۔ وہاں کے لوگ کیا کرتے ہیں؟ کیا وہ کمزور ہیں یا طاقتور؟ کم ہیں یا زیادہ ہیں......؟“

روبین شیلوح نے موساد کی تنظیم کے لیے زبردست جوش و خروش سے کام کیا۔ اس نے واشنگٹن ایمبیسی میں بطور منسٹر جو تجربہ حاصل کیا تھا‘ اسے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ سی آئی

اے نے جاسوسی کے جو نئے طریقے وضع کیے تھے وہ ان سے دلی طور پر متاثر ہوا تھا۔ اس نے حکومت کو تجویز پیش کی کہ موساد کو امریکی ایجنسی کی طرز پر بالکل خودمختار بنایا جائے۔ تاکہ وہ سربراہ حکومت کے سوا کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو۔ یہ تجویز ایسے موقع پر سامنے آئی کہ جب وزارت خارجہ کے ”سیاسی شعبے“ پر سفارت خانے کے اہلکاروں کے رویے کے حوالے سے کڑی نکتہ چینی ہو رہی تھی‘ اعتراض یہ تھا کہ یہ لوگ بیرونی ممالک میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں اور اتنے بے لگام ہو چکے ہیں کہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ ”سیاسی شعبے“ کے خلاف ان دنوں ایک اور واقعہ کی وجہ سے بھی شدید نفرت پیدا ہو چکی تھی‘ واقعہ یہ تھا کہ سربراہ شعبہ بورس گوریل نے حال ہی میں جو ریکروٹمنٹ کی تھی اس میں اکثریت یورپی یہودی پس منظر رکھنے والے نوجوانوں کی تھی جن کے طور طریقوں سے فلسطینی نژاد یہودی سخت نفرت کرتے تھے۔ حقیقی صورتحال یہ تھی کہ سفارتی انٹیلی جنس کے ڈیپارٹمنٹ کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک ریسرچ ڈیپارٹمنٹ قائم کر دیا گیا تھا۔ جس کا دائرہ کار صرف تحقیق و تشخیص تک محدود تھا اور اس کا اوورسیز انٹیلی جنس رول بالکل ختم کر دیا گیا تھا۔ یہ تبدیلی اس لیے کی گئی تھی کہ حریف تنظیمیں نئی سروس ”موساد“ کے کام میں مداخلت نہ کر سکیں۔

ان انتظامات پر پرانے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے فیلڈ سٹاف نے سخت غم و غصے کا اظہار کیا‘ ان میں سے بہت سوں نے بطور احتجاج استعفے دے دیے۔ دوسری طرف سربراہ شعبہ بورس گوریل جس نے یہ تبدیلیاں محض انٹیلی جنس کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے کی تھیں وہ بھی برہم ہو گیا اور بددل ہو کر گھر جا بیٹھا۔ یہ بہت بڑا نقصان تھا۔ اس کی خواہش اور کوشش دونوں بالکل صحیح تھیں کہ نئی سروسز کو صرف اطلاعات اکٹھی کرنے سے سروکار رکھنا چاہیے۔ ان کی اہمیت کی جانچ پڑتال اور تشخیص کے لیے ایک دوسرا شعبہ ہونا چاہیے۔

چنانچہ ڈیوڈ بن گورین نے انٹیلی جنس سروسز کی مجوزہ شکل کی باضابطہ منظوری دے دی۔ موساد کو انسٹیٹیوٹ کی حیثیت دے کر بیرونی ممالک سے اطلاعات حاصل کرنے اور ضرورت پڑنے پر سپیشل آپریشنز کرنے کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ لیکن نئے احکامات میں بعض نقائص موجود تھے۔ مثلاً ”امن“ کو سپیشل آپریشنز کے ہدف کی نشاندہی کرنا تھی اور آپریشنز کی منصوبہ بندی کرنا بھی اس کی ذمہ داری تھی‘ لیکن اس کی منظوری‘ موساد کے حکام کی صوابدید پر منحصر تھی۔ شین بتھ ہوم سروس بن گئی جسے پکڑ دھکڑ اور نگرانی کے کام کے لیے ”ریشود“ سے مدد لینا تھی۔ ریشود برطانوی پولیس کی سپیشل برانچ کی مماثل تنظیم تھی۔

اس صورتحال سے کوئی بھی دلی طور پر مطمئن نہ تھا۔ موساد شروع میں ایک چھوٹی سی ایجنسی تھی' ایکشن کے سلسلے میں اسے افرادی قوت کی کمی اور ''امن'' کے ساتھ رقابت اور کشمکش درپیش تھی۔ ''امن'' خود بھی عربوں کے ''سلسلہ اطلاعات'' میں سے بعض خبریں ''اچک'' لینے پر قناعت کر رہی تھی' اگر اسے کچھ کام کی خبریں مل جاتیں تو وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر فرانس کی نظر عنایت ہوتی تھیں۔ ہبریو یونیورسٹی آف یروشلم میں انٹرنیشنل ریلیشنز کے لیکچرر ریمنڈ کوہن نے اسرائیلی سٹیٹ آرکائیوز کے عمیق جائزے کے بعد ایک مقالہ لکھا جو 1988ء میں ''انٹیلی جنس اینڈ سپیشل سیکورٹی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں انکشاف کیا گیا کہ کم از کم ایک درجن اہم آپریشنز فرانسیسی ذرائع سے ماخوذ تھے اور ایک غالباً' برطانوی ماخذ سے لیا گیا تھا۔ یہ اس امر کی گواہی ہے کہ جتنے بھی کارنامے انجام پائے ان میں ان ''جرأتمند'' فیلڈ ایجنٹوں کا اپنا ان میں کوئی دخل نہ تھا۔ فرانس کے اس تعاون کے بدلے اسرائیل نے لامحالہ اسے الجزائر کے باغیوں کو ملنے والی مالی امداد کے ذرائع معلوم کرنے میں مدد دی ہوگی۔

پہلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موساد کا اصل کردار صرف سپیشل آپریشنوں کے لیے مالی مدد فراہم کرنا تھا۔ ان میں سے بہت سے آپریشن ملٹری انٹیلی جنس کے ایجنٹوں نے مکمل کیے تھے۔ بعض مواقع پر ''امن'' ایسی سینہ زوری دکھاتی تھی کہ موساد کے تجویز کردہ آپریشنوں کو ویٹو کر دیتی تھی' اور اس انکار کا سبب بتانا بھی ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ یہ صورتحال تبدیلی کی متقاضی تھی۔ وزیراعظم اس پر خاموش نہیں رہ سکتا تھا' چنانچہ اس نے ایک مشترکہ انٹیلی جنس کمیٹی قائم کر کے موساد کے سربراہ کو بلحاظ عہدہ ''امن'' کا چیئرمین بنا دیا۔ ایسر ہیرل' نے 1952ء میں موساد کا چارج سنبھالا اس کے ڈیوڈ بن گورین کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ وہ اس کا نہایت طاقتور سربراہ بن گیا جیسا کہ بعد کے بہت سے چیئرمین رہے ہیں۔ ہیرل ان شخصیات میں سے تھا جن کے' وزیراعظم کے ساتھ براہ راست اور مسلسل رابطے تھے۔ اس پر حریف ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ پریشان ہوگیا اور اس نے چیف آف سٹاف کو اپنے ردعمل سے آگاہ کر دیا۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع شروع میں جنرل سکیورٹی ایجنسی شین بتھ' صنعت کی خوشحال ترین شاخ ہوا کرتی تھی۔ ایسر ہیرل نے اسے بڑی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا تھا تاکہ یہ کمیونسٹوں کو سیاسی پارٹیوں اور سرکاری مشینری میں گھسنے سے روک سکے۔ اس نے بہت سے ایجنٹ بھرتی کیے تھے ان میں سے کئی ایک کو بالآخر ناقابل اعتماد موساد میں گھسیڑ دیا گیا' جس کا مقصد اس کے اور

کو آرڈینیٹر روبن شیلوچ کے درمیان تصادم کرانا تھا' وہ حریف سروس کا سربراہ بھی تھا۔ اس کا نتیجہ موساد کے چیئرمین کے استعفے کی صورت میں نکلا اور اس کی جگہ' 14 ستمبر 1952ء کو ایسر ہیرل نے لے لی۔ اب ہیرل پوری طرح بااختیار تھا اور دونوں سروسز کو کنٹرول کر رہا تھا چنانچہ اس نے موساد کو کافی طاقتور بنا دیا۔

اب تک یہ بطور تنظیم کوئی زیادہ مضبوط تھی۔ نئے سربراہ نے محسوس کیا کہ اس کا ہیڈکوارٹر سٹاف جو تل ابیب کے تین کمروں پر مشتمل آفس میں کام کر رہا ہے' اس میں کام کرنے والے صرف بارہ افراد ہیں اور اس کے پاس فنڈز اتنے ناکافی ہیں کہ کئی ماہ سے اس کے سیکرٹری کو تنخواہ بھی نہیں دی جا سکی' چنانچہ ڈیوڈ بن گورین سے بجٹ میں اضافہ کرا لیا گیا اور شین بتھ سے لائے گئے ریکروٹس کے لیے نئے دفاتر بھی حاصل کر لیے گئے۔ اگلا قدم یہ تھا کہ فیلڈ میں موجود موساد کے ایجنٹوں کی تطہیر کر کے نکمے اور نااہل ملازمین سے جان چھڑا لی گئی۔ صرف مستعد اور باصلاحیت افراد ہی کو پے رول پر رہنے دیا گیا۔ یہ کام کرنے کے بعد نیٹ ورک کی بھی تنظیم نو کر دی گئی۔

ایسر ہیرل اگرچہ بین الاقوامی جاسوسی کے آپریشنوں کا بہت کم تجربہ لے کر میدان میں آیا تھا تاہم اس نے بہت جلد سیکھ لیا۔ اگرچہ وہ تسمے والے جوتے اور کھلے گلے والی شرٹ پہننے والے پرانے فوجیوں میں سے تھا اور روس میں پیدا ہوا تھا' اس نے اپنا پیشہ اسرائیل کی گوریلا آرمی ہگانہ کے سکیورٹی مین کے طور پر سیکھا تھا۔ ہگانہ میں اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ حریف تحریکوں کے انتہاپسندوں اور دیگر خطرناک عناصر کا پتہ چلائے۔ یہ وہ وقت تھا جب یہودی یہودی سے ٹکرا رہا تھا اور ساتھ ہی عربوں اور انگریزوں کے خلاف بھی لڑ رہا تھا۔ اسے 1948ء میں انتہاپسند یہودی گروپ ''ارگن زوی لیومی'' سے مقابلے کے لیے بھرتی کیا گیا تھا جو ہگانہ کے خلاف برسرپیکار تھا۔ اس گروپ نے عرب اسرائیل جنگ کے بعد ہونے والے عارضی صلح نامے کو توڑ دیا تھا۔ دوسری طرف اس کی لڑائی یروشلم میں اقوام متحدہ کے کاؤنٹ برناڈوٹ کو قتل کرنے والے انتہاپسند گروہ سے تھی اور دونوں میں کامیاب رہا تھا۔ اس طرح موساد کا چارج لینے سے بہت پہلے اسے خفیہ دستاویزات سنبھال کر رکھنے اور زیرزمین طریق جنگ کے تجربے حاصل ہو چکے تھے۔

وہ اپنے نام کے بگڑے ہوئے حصے کی وجہ سے ''چھوٹا ایسر'' کہلانے پر ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوتا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے ہم نام اور اپنے ہیشرو .....

"بیری" سے ممیز ہو جاتا تھا۔ حالانکہ اس میں "چھوٹا ووٹا" ہونے والی کوئی علامت نہ تھی بلکہ اس کے برعکس وہ کرخت چہرے والا' بڑے سائز کا آدمی تھا۔ اور خوش مزاجی سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ وہ پراسراریت کا دلدادہ اور ہر کسی کو شبہے کی نگاہ سے دیکھنے کا عادی تھا۔ اپنی فائلوں کو ایک مخصوص بلڈنگ میں محفوظ رکھتا تھا۔ باوجودیکہ وہ قتل کو بھیانک جرم قرار دیا کرتا تھا مگر جہاں ریاستی مصلحت دیکھتا تو سفاکی اور بربریت کے خطرناک ترین آپریشنوں کو بھی جائز ٹھہراتا تھا۔ اس کا سٹاف اسے پسند کرتا اور اس کی تعریفوں کے پل باندھ دیتا تھا' چنانچہ اس نے اپنے عزم و حوصلے اور معتمد سٹاف کے بل بوتے پر دنیا کی ایک انتہائی فرض شناس اور مستعد ترین انٹیلی جنس کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

ہیرل کی اس عہدے پر باقاعدہ تقرری کے بعد اس کے اولین کاموں میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے اپنی کمان کی "شین بتھ برانچ" کو بائیں بازو کے انتہا پسند گروپ یونائیٹڈ ورکرز پارٹی کی جاسوسی کے لیے استعمال کیا' اس پارٹی نے اپنے اندر کمیونسٹوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ اس پارٹی کے بعض ممبر دراصل شین بتھ کے اندر' اس کے ایجنٹ تھے۔ ان کا پتہ چلانے کے لیے ایسر ہیرل نے ایک سپیشل محکمہ قائم کر دیا۔ اس کے اپنے سابقہ ایجنٹوں میں سے ایک نے انکشاف کیا کہ پارٹی کے ہیڈکوارٹر میں جاسوسی آلات نصب تھے۔ اس نے سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے دو ایجنٹوں کو موقع پر پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا اور ایک داخلی پولیٹیکل آپریشن کے ذریعہ شین بتھ کو بے نقاب کر دیا گیا۔

اور آج

"موساد" اور "امن" کے اعلیٰ حکام کا معمول ہے کہ وہ منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے ہفتے میں دو بار ضرور اکٹھے ہوتے ہیں اور اگر کوئی ہنگامی صورتحال درپیش ہو تو اس سے بھی جلدی اجلاس طلب کر لیتے ہیں۔ بظاہر وہ اس معمول کو اپنی "کافی مارننگ" کا نام دیتے ہیں لیکن عملاً یہ اجلاس "کافی" سے کہیں زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ ان میں شین بتھ کا ڈائریکٹر' پولیس کا انسپکٹر جنرل اور وزارت خارجہ کا ایک سینئر افسر مع اپنے "ریسرچ اینڈ پولیٹیکل پلاننگ" کے سربراہ کے' شریک ہوتا ہے جبکہ وزیراعظم کے مشیران خصوصی برائے سیاسی' فوجی اور امور انسداد دہشت گردی کی شرکت بھی لازمی سمجھی جاتی ہے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس سروسز کے ان اعلیٰ ترین حکام کے اجلاسوں کے ذریعہ مرکزی کنٹرول کے شعبوں کی نمائندگی بھی ہو جاتی ہے۔ مرکزی کنٹرول کی باڈی' مختلف شعبوں کے سربراہوں کی کمیٹی ہے۔

اسی طرح ایک اور باڈی جو ملک کے اندر اور باہر کے شعبوں کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرتی ہے' اسے "وحدت رشی ہشریتم" (Va'adat Rashei Hasherutim) یا مختصراً "وحدت" کا نام دیا گیا ہے۔ ان تمام باڈیز کے اجلاس انتہا درجے کی احتیاط اور رازداری کے ماحول میں منعقد ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ڈائریکٹر اپنے شعبے کی کارکردگی کے بارے میں بریفنگ دیتا ہے۔

مائر میت (Meir Amit) جو "موساد" اور "امن" دونوں کا سربراہ رہ چکا ہے' (اس لحاظ سے یہ منفرد اعزاز ہے) اس کا کہنا ہے کہ "ہماری کامیابی کا اصل راز تعاون میں مضمر ہے۔"

ان اجلاسوں کے شرکاء تھیوری کے لحاظ سے مساوی منصب رکھتے ہیں' لیکن "بعض" دوسروں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی "مساوی" ہیں۔ موساد کا آدمی' کرسی صدارت پر بیٹھتا ہے لیکن چونکہ اسے حسب روایت "قبلہ گاہی" (Patriarch) کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اور اس کی "سروس" کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن حالیہ واقعات اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ "امن" کا ڈائریکٹر موساد کے اپنے ہم منصب پر اختیارات اور اہمیت کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے۔

جرمن رسالے "سٹرن" نے ان اجلاسوں کے پُراسرار ماحول کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ "1961ء کے عشرے میں یہ اجلاس عموماً حل ابیب کے غیر معروف آفس بلاک میں منعقد ہوتے تھے۔ اس بلاک میں انشورنس برنس سے متعلقہ افراد اور وکلاء کی آمدورفت رہتی تھی۔ جس جگہ پر اجلاس ہوتے وہاں داخل ہونے کا واحد ذریعہ ایک سپیشل ایلیویٹر تھا جو انڈر گراؤنڈ کار پارک سے سیدھا اوپر چلا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسی حساس سروسز کے لیڈر بہت سی احتیاطیں ملحوظ رکھتے ہیں مثلاً آرمرڈ پلیٹ کاریں استعمال کرنا وغیرہ..... لیکن میرا خیر مقدم کرنے والا شخص رافیل ایتان تھا جو وزیراعظم کا مشیر برائے امور انسداد دہشت گردی تھا۔ اجلاس ایک معمولی سے دفتر میں منعقد ہوا جو وزارت دفاع کے کمپاؤنڈ میں واقع ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسران کے باقاعدہ اجلاسوں کے لیے ایسی ہی جگہوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں احتیاط اور رازداری برتنا یقیناً ایک لازمی امر تھا کیونکہ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ ان کی باہمی گفتگو روسی جاسوس طیاروں کے الیکٹرانک آلات کے ذریعہ سن لی جائے گی۔ یہ طیارے بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے میں مسلسل منڈلاتے رہتے تھے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کے حکام کا خیال تھا کہ روسی ان کی باہمی گفتگو اور صلاح مشوروں سے ان کے منصوبوں تک پہنچ جائیں گے اور عربوں کو ان سے باخبر کر دیں گے۔"

اسرائیلی انٹیلی جنس ظاہری شان و شوکت کے لوازمات سے بے نیاز ہے' یہ سی آئی اے کے 'لینگلے ہیڈ کوارٹرز" کی طرح کی پُرشکوہ اور بلند و بالا عمارتوں کو بھی اپنی ضرورت نہیں سمجھتی' اس کے سربراہ بھی "جنٹلمین کلب" کی طرز کے ماحول میں گپ شپ کرتے کبھی نہیں پائے گئے' سمارٹ کپڑوں میں ملبوس افسروں کی جنس بھی یہاں دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم موساد کے شروع کے دنوں میں جدید سماجی رویے سکھانے کے لیے سپیشل کورسز کا اہتمام کیا گیا تھا تاکہ زرعی معیشت (Kibbutz) کے خوگر نوجوانوں کو جب مغربی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں جانے کا موقع ملے تو وہ عجیب مخلوق نہ دکھائی دیں۔

موساد کے سربراہ کا انتخاب وزیراعظم کرتا ہے اور اس کے عہدے کی قانونی میعاد پانچ سال ہے۔ تاہم بعض سربراہ اس سے زائد عرصہ بھی رہ چکے ہیں اور بعض عرصہ پورا کرنے

سے بہت پہلے فارغ ہوتے رہے ہیں۔ موساد زیادہ دریا دل قسم کی آجر نہیں ہے' جو لوگ اس کی ملازمت میں آتے ہیں ان سے سخت محنت کی توقع کی جاتی ہے' اور مشاہرے کوئی زیادہ نہیں ہیں۔ انہیں ان کے مقررہ گریڈ کے مطابق نارمل سول سروسٹ کے برابر معاوضہ ملتا ہے۔ عمومی پنشن آخری تنخواہ کا ستر فیصد ہوتی ہے۔ ایک متوسط درجے کا جاسوس 52 سال کی عمر میں ریٹائر ہو جاتا ہے۔ البتہ ریٹائرڈ ملازمین کو بحران کے زمانے میں نوجوان جاسوسوں کی مدد کے لیے گھروں سے بلوا لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ موساد کی تقویت کا باعث ہوتے ہیں' جب بھی ضرورت پڑے یہ کام پر خوشی سے واپس آجاتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں زائد پوائنٹس ملتے ہیں' اگر کوئی بہت مشکل معرکہ یا مشن مکمل کریں تو اس پر بھاری انعامات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اگر کوئی ملازم' جلدی فارغ ہونا چاہے تو اسے بخوشی بھیج دیا جاتا ہے۔ موساد کے ایک اعلیٰ افسر کے مطابق — اگر کوئی شخص چلے جانے کے لیے ذہن بنا چکا ہو' اسے روکنا غلطی سمجھا جاتا ہے' خوشی خوشی بھیج دینا آجر اور اجیر دونوں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔

باہر کے افراد اگر موساد کو کوئی خفیہ معلومات فراہم کر دیں تو ان کی ادائیگی کے لیے مختلف شرحیں مقرر ہیں۔ ایک امریکی یہودی جے پولارڈ نے امریکہ کے اندر رہ کر اسرائیل کے لیے جاسوسی کی' اسے 2500 ڈالر ماہانہ تنخواہ ملتی تھی' جب وہ جیل چلا گیا تو یہ دوگنا کر دی گئی۔ جیسا کہ ایجنٹوں کے سلسلے میں موساد کا قاعدہ ہے کہ جب وہ قید ہو گیا تو اسرائیلی حکومت نے اس کے دفاع کے لیے 200,000 ڈالر دیئے اور اس پر یہ ظاہر کیا کہ یہ رقم عوامی چندوں سے اکٹھی کی گئی ہے۔

جاسوس کا انتخاب اور تربیت:

ریکروٹمنٹ کے سلسلے میں متوسط شکل و صورت اور غیر نمایاں مگر باصلاحیت نوجوانوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ صحافیوں کا کہنا ہے کہ سالہا سال موساد کے لوگوں سے ملاقاتوں میں بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ ان میں کوئی بارعب اور نمایاں شخصیت والا کوئی فرد پایا گیا ہو' البتہ وہ سب کے سب انتہائی باصلاحیت اور ذہین لوگ تھے' ان کی قابلیت اور متنوع ذوق اپنے ملاقاتی کو لازماً متاثر کرتا ہے۔ موساد کو سخت جان اور باعمل نوجوانوں کی تلاش رہتی ہے جو پبلک مقامات پر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے رہنا پسند کرتے ہوں اور کسی کو اپنی وہاں موجودگی کا سبب نہ بتائیں' حتیٰ کہ اگر اپنا کوئی قریب ترین دوست مل جائے تو اس پر بھی اپنا مقصد ظاہر نہ

کریں۔ یہ بھی نہ بتائیں کہ یہاں کتنی دیر سے ٹھہرے ہیں اور کب تک ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابتدائی تربیت کے دوران ریکروٹوں کی کمزوریوں کو جاننے کی پوری کوشش کیجاتی ہے اور ان کے پس منظر کی بھی گہری چھان بین کی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ ان کی کسی عرب سے جان پہچان اور دوستی ہے یا نہیں؟ پھر زیر تربیت نوجوانوں میں سے حتمی انتخاب انہی کا ہوتا ہے جو ملٹری سروس کی اہلیت رکھتے ہوں اور خفیہ سروس کے لیے بھی موزوں پائے جائیں۔ کسانوں کے بچوں کو طبعاً اور مزاجاً موساد کے لیے مناسب پایا گیا ہے۔ کبیوتس (Kibbutz) کی تعلیم ان میں ایجنٹ بننے کی اسی طرح صلاحیت ابھارتی ہے جیسے ایک انگریز بچہ اچھے پبلک سکول میں تعلیم پانے کے دوران "M16" میں بھرتی ہونے کا خواب دیکھنے لگتا ہے۔ سکول اور یونیورسٹی کی تعلیم پا کر آئے ہوئے کبیوتس کے نوجوان موساد کے بہت کامیاب ایجنٹ ثابت ہوتے ہیں۔

اس امر کے اشارے مل رہے ہیں کہ موساد کو مستقبل میں عربی دان نوجوانوں کی کمی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شروع کے دنوں میں فلسطین میں پیدا ہونے والے یہودی بچے قدرتی طور پر عربی دان تھے لیکن اسلامی دنیا کے ساتھ ٹکراؤ میں شدت پیدا ہونے کے بعد عبرانی بولنے والے بچے عربی زبان سیکھنے سے کترانے لگے ہیں۔ ایک اعلیٰ انٹیلی جنس افسر کے مطابق ''ہماری لسانی فوقیت آہستہ آہستہ غائب ہو رہی ہے' ہمارے نوجوان لوگ عربی سیکھنے کو دشمن کی ثقافت کو جذب کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں''۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہر سال 30 ہزار بچے جو عربی سیکھنا شروع کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر بددل ہو کر' اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

ہر امیدوار کو نفسیاتی طور پر موزوں ہونے کا ٹیسٹ دینا پڑتا ہے' ٹیسٹ پاس کرنے کے بعد اسے سخت قسم کی تربیت میں سے گزارا جاتا ہے۔ انتخاب میں بے حد احتیاط کے باوجود غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ موساد کے منتخب کردہ نوجوان' ہر لحاظ سے کامل ہوتے ہیں۔ کیس ہسٹریز سے پتہ چلتا ہے کہ اچھی تربیت پانے کے باوجود بعض نئے افسر کسی نہ کسی داخلی کمزوری کے باعث فیلڈ ورک میں ناکارہ ثابت ہوئے۔ ایک ایجنٹ کو ایک خطرناک مہم پر بیروت بھیجا گیا مگر وہاں جا کر وہ اتنا گھبرایا کہ ڈر کے مارے ہوٹل کے کمرے سے باہر ہی نہیں نکل سکتا تھا۔ جس کام کا اس نے بیڑہ اٹھایا تھا' اس کی مشکلات کو سامنے پا کر اس کے قویٰ جواب دے گئے اور ایک صبح اس نے خود کو بالکل مفلوج پایا' چنانچہ اسے بیروت سے بمشکل واپس لایا گیا۔

ریکروٹوں کا ابتدائی تربیتی کورس ایک سال کا ہوتا ہے جس میں انہیں پیشے کی بنیادی چیزیں سکھائی جاتی ہیں' مثلاً کوڈز کی زبان اور عبارتیں' ہینڈ گن کا استعمال' ذاتی دفاع' فیلڈ کرافٹ اور خطرات کا جائزہ لینا وغیرہ۔ غیر ملکی زبانیں جاننا بھی' موساد کے مردوں اور عورتوں کے لیے بہت ضروری خیال کی جاتی ہیں۔ تاکہ وہ اہل زبان ہی کی طرح انہیں بول اور سمجھ سکیں' ریکروٹوں کو بین الاقوامی سماجی کلچر سے بھی اتنا مانوس کر دیا جاتا ہے کہ جب وہ دوسرے ممالک میں جائیں وہاں اجنبی نہ دکھائی دیں۔ مثلاً لباس کیسا پہنیں' گپ شپ کیسے کریں' موسم کا حال کیسے پوچھیں اور اس سے متعلق گفتگو کیسے کریں۔ یہ چیزیں بظاہر تو معمولی ہیں لیکن ان سے ناآشنائی ان کے لیے بڑے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔

ٹریننگ میں سب سے مشکل چیز ''یادداشت ٹیسٹ'' ہوتا ہے۔ ایک سابق موساد ایجنٹ کے کہنے کے مطابق۔۔۔ ''وہ ریکروٹوں کو وڈیو فلم دکھاتے ہیں اور پھر چلتے چلتے اسے اچانک بند کر کے' مطالبہ کرتے ہیں کہ ''ابھی ابھی تم نے جو جو اشیاء دیکھی ہیں ان کی فہرست بناؤ'' اس میں غلطی اور فروگزاشت کا پورا پورا امکان ہوتا ہے۔ اس قسم کی آزمائشوں میں بہت کم نوجوان پاس ہو سکتے ہیں اندازاً تمیں اور پینتالیس فیصد امیدوار یا تو فیل ہو جاتے ہیں یا خود ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ تربیتی مراحل میں سے گزرنے والے نوجوانوں کی مشکلات کا اندازہ کیا جائے تو ان کے ناکام ہونے یا دلبرداشتہ ہو جانے پر کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک ریکروٹ نے بتایا کہ اسے حکام نے اس آزمائش میں ڈالا کہ اسے انگلستان کے شمال کی جانب سفر کرنے کا حکم دیا گیا' اسے کوئی زادِ راہ نہیں دی گئی' صرف یہ کہا گیا کہ تمہیں فلاں شخص فلاں جگہ ملے گا تم نے خرچہ اسی سے لینا ہے۔ وہ جب بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تو وہ شخص وہاں نہ ملنا تھا نہ ملا' چنانچہ اب یہ اس کی ذہانت اور جذبہ پیشقدمی کا امتحان تھا کہ گھر کیسے واپس پہنچنا ہے؟ اس نے یہ کیا کہ سپر مارکیٹ میں نقب زنی کی واردات کر کے اتنی رقم چرا لی کہ ایئر لائن کا ٹکٹ بھی خریدا جا سکتا تھا۔ بعض نوجوانوں کی یہ آزمائش تھی کہ انہیں بیرون ملک پہنچا کر وہاں اغوا کیا گیا اور ان سے سخت تفتیش کی گئی۔ ''اغوا'' کرنے والے اور ''تفتیش'' کرنے والے اپنے محکمے کے سینئرز ہی تھے جنہوں نے عرب بن کر ساری کارروائی کی۔ اس کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ زیر تربیت نوجوان غیر متوقع اور پُر خطر حالات میں اپنے اوسان برقرار رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

پاسنگ آؤٹ کی تقریب کے بعد امیدواروں کی' درجہ بندی ان کی کارکردگی کی بنا پر کی جاتی ہے اسی درجہ بندی سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی [illegible]

تجزیہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب وہ فیلڈ میں جاتا ہے تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون کون
ی انفارمیشن اسے درکار ہے جس پر محنت کی جائے اور کونسی باتیں بے فائدہ ہیں کہ ان کی
تفصیل جاننے میں وقت ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔ درجہ بندی میں جو نوجوان سب سے آگے
رہتے ہیں انہیں مزید اعلیٰ تربیت کے لیے حل ابیب کے شمال میں ہرزیلیہ ٹریننگ سکول بھیج دیا
جاتا ہے۔

ناگزیر برائی:

موساد فخر سے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے کارندے خفیہ خبریں اکٹھی کرتے وقت
بلند ترین اخلاقی معیار پر پورے اترتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے تحت تمام خفیہ سرگرمیاں
اور خفیہ اطلاعات اکٹھی کرنا غیر قانونی کام ہے۔ اس کے باوجود ہر قوم ان سرگرمیوں میں ملوث
ہوتی ہے اس لیے ہر ملک کو ایسے غیر قانونی آپریشنز شروع کرتے وقت ان کی گائیڈ لائنز کا خود
ہی تعین کرنا ہوتا ہے۔ اسرائیل نے اس سلسلے میں ایک منفرد تصوراتی معیار (Idealist
View) مقرر کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ "ہر وہ کام جائز ہے جسے نہ صرف حکومت وقت اور سیاسی
لیڈروں نے درست قرار دیا ہو بلکہ انٹیلی جنس کے سربراہ اور خود انٹیلی جنس کے ایجنٹ بھی جائز
سمجھتے ہوں۔" لیکن اس معیار پر وہ پورا نہیں اتر سکا۔ 1972ء کے اولمپکس میں میونخ میں جو قتل
عام کا واقعہ ہوا تھا' اس پر اس نے "غضب الٰہی ٹیمیں" "Wrath of God hit teams"
بھیجی تھیں تا کہ جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے ان سے انتقام لیا جائے۔ ٹیم کے ہر ممبر کو اس کے
ہدف کے بارے میں تفصیلی اعمال نامہ (Dossier) مہیا کیا گیا اور کہا گیا کہ اس شخص سے فی
الواقعہ جرم سرزد ہوا تھا' اس کے مجرم ہونے میں رتی بھر بھی شبہ نہیں لہٰذا تمہیں اسے ہلاک
کر کے ہی واپس آنا ہے۔ اس طرح کے قطعی احکامات میں انصاف اور اخلاقی اصولوں کا معیار
کہاں ملحوظ رکھا گیا تھا؟

قتل انسان اگرچہ بعض صورتوں اعلیٰ ترین ملکی مصلحتوں کے تحت ناگزیر ہو جاتا ہے
لیکن اس کام پر مامور افراد کا کہنا ہے کہ ان کے اقدامات' میدان جنگ میں مصروف پیکار
سپاہی کے اقدامات جیسے ہی ہوتے ہیں۔ یہودی جو زندگی کے تقدس کی قسمیں کھاتے ہیں اور
قانون کی نزاکتوں کو بھی سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں' جب قتل کی بے تحاشا کارروائیوں میں ملوث
پائے جاتے ہیں تو ان کی قسمیں اور دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اسرائیل کے

اندر بعض اقدامات کے اخلاقی جواز پر بڑی زوردار بحثیں ہو چکی ہیں' ان آپریشنوں کی پلاننگ
کے موقع پر بھی بہت سی ذہنی ورزش' جواز یا عدم جواز کی بحثوں کی نذر ہوئی ہے۔ بالآخر فیصلے
صادر کرنے والوں نے تان اس جملے پر توڑی "ہم جرائم پیشہ افراد کو تو ریکروٹ نہیں کرتے' ہم
عام شہریوں کو بھرتی کرتے ہیں جنہیں یہ یقین دلا کر بھیجا جاتا ہے کہ تمہیں دیا گیا کام اخلاقی
طور پر بالکل جائز ہے۔"

ایک سینئر افسر نے جھنجھلا کر کہا کہ "موساد کسی کو ڈرا دھمکا کر اپنا ایجنٹ نہیں بناتی جو
بھی اس کی صفوں میں شامل ہوتا ہے اپنی مرضی سے آتا ہے اور کام کو سمجھ کر کرتا ہے۔ موساد کی
پالیسی ایک حد تک اخلاق پر ہی مبنی ہوتی ہے اور ایک حد تک اس یقین پر مبنی ہوتی ہے کہ جبر
(بلیک میلنگ) کے تحت بھرتی شدہ ایجنٹ بددلی سے کام کرتا ہے' لہٰذا وہ قابل اعتماد نہیں
رہتا۔" ایک دوسرے افسر نے کہا۔ "موساد میں بھرتی' ترغیب کے ذریعے کی جاتی ہے' ایسا
کرنے سے ایجنٹ اور بھرتی کرنے والے کے درمیان اعتماد اور بھروسہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ
کام کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر پورا کرتا ہے۔ ڈرانے دھمکانے سے یہ جذبہ تباہ ہو جاتا ہے"۔ ذمہ
دار افسروں کے یہ بیانات موساد کے بارے میں بلیک میلنگ وغیرہ کی کہانیوں کی مکمل طور پر تردید
کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں مشہور کی گئی ہیں لیکن ان میں سے
بیشتر بے سروپا ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے عربوں کو کسی
پڑوسی ملک میں ملازمت یا کسی کام سے جانا ہو تو جب وہ باہر جانے کے لیے اجازت نامے
لینے جاتے ہیں ان سے اس ملک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے'
انکار کرنے پر جیل بھیجنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ عربوں پر اس قسم کے دباؤ شین بتھ ڈالتی
ہے۔ لہٰذا یہ الزام غلط نہیں ہے۔

موساد کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی بھی ایجنٹ کو استعفیٰ دینے سے نہیں روکتی۔ اگر ملازم
بددل ہو جائے تو بے پروائی اور تساہل کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے' لہٰذا اسے مستعفی ہونے سے روکنا
اچھی بات نہیں ہوتی۔ کام کے دوران اگر اسے دشمن ملک سے ملازمت کی پیشکش موصول
ہو جائے اور موساد اس کا استعفیٰ قبول نہ کرے تو پھر اسے ڈبل ایجنٹ کے طور پر کام کرنا پڑتا
ہے' یہ صورتحال بدترین ہوتی ہے۔ متلون مزاج اور غیر متوازن افراد کو بھی اس سروس کے لیے
موزوں نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ ایسے لوگ جلد یا بدیر بے نقاب ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی سروس
کی رازداری کا معیار بھی گر جاتا ہے۔ جوناتھن پولارڈ نامی ایک ایجنٹ اسی زمرے میں آتا

تھا۔ وہ امریکی بحریہ کی انٹیلی جنس میں تھا اور اسرائیل کے لیے بھی جاسوسی کرتا تھا۔ وہ بہت جذباتی، غیر محتاط اور تیکھی باز شخص تھا۔ اس وقت کے ایف بی آئی کے سربراہ ولیم ویبسٹر نے جو بعد میں سی آئی اے کا ڈائریکٹر ہوگیا تھا، لکھا کہ بہت سے ماہرین پولارڈ کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا کرتے تھے کیونکہ وہ اسرائیلی انٹیلی جنس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا اس کا بھرتی کرلیا جانا، غیر معمولی واقعہ محسوس ہوتا تھا۔

موساد آجکل اس مخمصے سے دوچار ہے کہ کیا اسے فلسطین کے باہر کے یہودیوں سے جاسوسی کا کام لینا چاہیے یا نہیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باہر کے یہودی (Diaspora) اس شعبے میں بڑے شوق و رغبت سے بھرتی ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے مسئلہ یہ پیدا ہوگا کہ اگر بھرتی ہونے کے بعد وہ جاسوسی کرتے ہوئے پکڑ لیے گئے تو ان ملکوں کے یہودی مقامی آبادی کے انتقام کا نشانہ بننے لگیں گے اور دنیا بھر میں پرانی سام دشمنی (Anti-Semitism) کی تحریک ایک بار پھر چل نکلے گی۔ یہ خطرہ اسرائیلی انٹیلی جنس ورک شروع ہوتے ہی محسوس ہونے لگا تھا۔ 1951ء میں عراق میں موساد کے ایجنٹ سرگرم عمل پائے گئے تو وہاں سے سارے یہودیوں کے اخراج کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس پر موساد کے ایک اعلیٰ افسر شاؤل ایویگور نے وزیراعظم بن گورین سے یہ حکم جاری کرنے کی استدعا کی کہ آئندہ لوکل یہودیوں یا ان کی تنظیموں سے انٹیلی جنس کا کام نہیں لیا جائے گا۔ اس نے بڑے زوردار طریقے سے استدلال پیش کیا کہ اسرائیلی ریاست کو دنیا بھر میں آباد یہودیوں کے لیے امید کی علامت بننا چاہیے نہ کہ باعث اذیت۔ اس نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر مقامی یہودی جاسوسی کرتے پکڑے گئے تو اس ملک کی تمام یہودی آبادی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مختصر یہ کہ موساد حتی الوسع سمندر پار ملکوں کے یہودیوں کی ریکروٹمنٹ کے پھندے میں پھنسنے سے بچنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا مزید ایک سبب یہ تھا کہ جن ملکوں کے جاسوسوں کو اسرائیل میں پکڑا جارہا تھا ان کے حکام اسرائیل کے لیے جاسوسی کرنے والوں کو پکڑ لیتے تو وہ یہودی آبادکاروں کو کھنگالنا شروع کردیتے۔ چنانچہ موساد غیر فلسطینی یہودیوں کو اسی طرح مشتبہ سمجھتی ہے جس طرح روسی ''کے جی بی'' کارڈ کے حامل کمیونسٹ پارٹی کے غیر ملکی افراد کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔

موساد کے بارے میں سی آئی اے کی رپورٹ میں اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا گیا۔ یہ رپورٹ تہران میں امریکی سفارت خانے پر انقلابیوں کے قبضے کے بعد، وہاں کے ریکارڈ میں پائی گئی تھی۔ اس میں بتایا گیا کہ اسرائیل غیر فلسطینی یہودیوں سے جاسوسی کا کام لیتا رہا ہے۔ اس سے دو مقصد حاصل کیے گئے۔ ایک تو ایران کے یہودیوں کو روزگار فراہم کرکے انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا گیا اور دوسرا ان کے ذریعہ انفارمیشن حاصل کرنے کا مقصد بھی پورا ہوگیا۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ:

> ''صیہونیت کی جارحانہ نظریاتی نوعیت، اس امر کی متقاضی ہے کہ تمام یہودی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں لازماً اسرائیل کے دائرے کے اندر ہی جانا ہے۔ تاہم وہ اپنی بعض کمزوریوں کے باعث اپنے انٹیلی جنس آپریشنوں کے لیے ان سے مدد نہیں لے سکتی کیونکہ دنیا بھر کے یہودیوں میں اس کی خاصی مخالفت پائی جاتی ہے۔ اس حقیقت سے آگاہی رکھنے کی وجہ سے انٹیلی جنس کے نمائندے یہودی آبادیوں کے اندر بہت محتاط ہوکر اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، انہیں اپنے اعلیٰ حکام کی طرف سے بھی واضح ہدایت ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مشن کو ہوشیاری سے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اور اسرائیل کے لیے خواہ مخواہ پریشانی کے اسباب پیدا نہ کریں۔ وہ صیہونیت مخالف عناصر کی صفوں کے اندر داخل ہوکر ان کی مزاحمت کو زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی احتیاطوں کے باوجود اسرائیلیوں کو پے در پے ناکامیاں پیش آئی ہیں اور ایسے کئی کیس بھی سامنے آئے ہیں جن میں یہودی عقائد رکھنے والے امریکیوں کی ریکروٹمنٹ کی کوششوں کو ناکام بنایا گیا اور امریکی حکام کو اس کی رپورٹ دے دی گئی ہے۔''

موساد کے مقاصد اور طریق کار کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں اور گمراہ کن تاثرات بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن حقائق یہ ہیں کہ انٹیلی جنس کے کام کی اصل ذمہ دار ''انسٹی ٹیوٹ'' ہے، جس کی خفیہ کارروائیوں میں ڈس انفارمیشن پھیلانا اور دہشت گردی کا انسداد بھی شامل ہے۔ موساد کا اصل کام معاندانہ رویہ رکھنے والی عرب اقوام اور دنیا بھر میں قائم ان کی تنظیموں کے خلاف کارروائیاں کرنا ہے۔ لیکن اس کا خاص مشن مغربی یورپ اور امریکہ میں عرب تنظیموں کا مقابلہ کرنا ہے۔ ایجنسی کے کام کا فوجی پہلو عربوں کی عسکری قوت سے باخبر رہنا اور خاص طور پر ان کی قیادت، ان کے حوصلوں اور ان کے ساز و سامان کے بارے میں

رپورٹیں تیار کرتا ہے۔ یہ ان کی داخلی سیاست اور سفارتی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی رکھتی ہے۔ موساد کے ایجنٹ' عرب لیڈروں کے باہمی تعلقات میں آنے والی تبدیلیوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے تجارتی مذاکرات اور بالخصوص جنگی آلات کی خریداری اور فراہمی کے مسائل کی تحقیق اس کا مستقل موضوع ہے۔ اس کے ماہرین اور تجزیہ کار عربوں کے پروپیگنڈے کا بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ موساد اقوام متحدہ کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھتی رہتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ عموماً اسرائیل کے مفاد کے ساتھ معاندانہ رویہ رکھتی ہے۔ موساد عربوں کے خفیہ راز اکٹھے کرتی رہتی ہے پھر ان رازوں کی مدد سے ان کے مابین ٹکراؤ پیدا کرتی ہے اور شکوک وشبہات کے بیج بوتی رہتی ہے۔

اندرونی ساخت:

1977ء میں اس کے اندر سات شعبے قائم کیے گئے تھے جو اب تک چلے آ رہے ہیں' ان میں ''کولیکشن'' کا شعبہ سب سے بڑا ہے۔ یہ غیر ملکی جاسوسی کے آپریشنوں کا ذمہ دار ہے اور ان سے متعلقہ رپورٹیں بھی اسی کی تحویل میں ہوتی ہیں۔ اس کے چند کارندے فیلڈ ورک پر مامور ہیں انہیں سفارتی تحفظ حاصل رہتا ہے انہیں ''لیگلز'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ بعض شعبے سفارتی تحفظ کے دائرے سے باہر ہیں یہ ''ٹریڈرز'' یا ''بزنس مین'' ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک ''ایکشن اور لیژن'' ڈیپارٹمنٹ ہے جو دوست ملکوں کی انٹیلی جنس سروسز سے تعلقات کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ان ممالک سے روابط رکھتا ہے جن کے ساتھ اسرائیل کے سفارتی تعلقات نہیں ہیں۔ اس کے ماتحت ایک ''سپیشل آپریشنز ڈویژن'' ہے' یہ ایکشن کرنے والے ایجنٹوں پر مشتمل ہے جو عرب دہشت گردوں کے خلاف خفیہ آپریشنز پر مامور ہے اور مطلوبہ نازیوں اور ان کے نئے گروپوں (Neo-Nazis) کے خلاف بھی محترک رہتا ہے۔ یہ اپنی کارروائیاں تین عنوانات سے کرتا ہے..... ''سبوتاژ''، ''پیرا ملٹری ایکٹویٹی'' اور ''سائیکولاجیکل وارفیئر'' ان سب کا ریکارڈ' مذکورہ صدر ''کولیکشن'' کے پاس رہتا ہے۔

موساد کا سربراہ اگرچہ صرف وزیراعظم کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے تاہم بعض شخصیات کی اہمیت کے حوالے سے اس معمول میں ردوبدل کرلیا جاتا ہے۔ وہ وزیر دفاع کو اپنے آپریشنز کی تفصیلات سے باخبر رکھنا ضروری نہیں سمجھتا۔ کوئی بہت بڑا آپریشن کرنا ہو تو اس کا حتمی فیصلہ کابینہ کمیٹی کرتی ہے جو وزیراعظم' موساد کے سربراہ اور متعلقہ معاملے کے وزیر پر

مشتمل ہوتی ہے۔ بن گورین کے زمانے میں جب سابق نازی لیڈر ایشمین کا مسئلہ زیر بحث آیا تو اس میں پہل انٹیلی جنس کے سربراہ کی طرف سے ہی ہوئی تھی' جس کا ہیرل نے بعد میں خود اعتراف کیا' اس نے بتایا۔ ''میں نے بن گورین کو صاف صاف بتا دیا کہ ہمیں کسی دوست ملک کے اندر ہی کوئی غیر قانونی کارروائی کرنا پڑے گی' اس نے صرف اس واحد کیس میں مجھ سے پورا اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار دکھائی نہیں دیتا یعنی ہم سرکاری راستے سے ایشمین تک نہیں پہنچ سکتے۔''

ایک اور موقع پر' ہیرل کے سوانح نگار مائیکل بارزوہر نے یاد دلایا کہ ہیرل نے جنرل موشے دایان کے سامنے ایک انتہائی شرانگیز اور مکارانہ منصوبہ پیش کر دیا جس کے جواب میں اس نے کہا۔ ''اب جب تم نے مجھ سے پوچھ لیا ہے تو میرا جواب نفی میں ہی ہوگا۔ مجھ سے تم پوچھتے ہی کیوں ہو؟ مجھ سے جب بھی پوچھو گے میں نفی میں ہی جواب دوں گا''۔ اس جواب سے صاف ظاہر ہے کہ منظوری کے بغیر کارروائیاں کرنا موساد کے معمولات کے منافی نہیں تھا۔ اس سے سیاسی فیصلے صادر کرنے والے عہدیدار کو یہ فائدہ ہے کہ اگر بعد میں اسے چیلنج کر دیا جائے تو وہ اس آپریشن سے بہ آسانی لاعلمی ظاہر کرسکتا ہے۔ موشے دایان اس کے لیے ایک خاص جملہ۔ ''قابل یقین تردید'' استعمال کیا کرتا تھا۔

60 ہزار یہودیوں کا اخراج:

انٹیلی جنس سروس کا ایک اور ہدف سوویٹ بلاک ہے۔ کیونکہ موساد یہ جاننا چاہتی ہے کہ روس کس حد تک عرب اقوام کی حمایت کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں اسے سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں یہودی اقلیت کے حالات پر بھی گہری تشویش رہتی ہے اور وہاں سے ان کے انخلا کے بارے میں سوچ بچار کرتی رہتی ہے۔ ایک اور کام جو شروع ہی سے موساد کے ذمہ لگا دیا گیا یہ تھا کہ وہ دنیا بھر میں مظلوم یہودی اقلیت سے رابطہ رکھے۔ اس کے لیے اسے ایسے ایجنٹ ہر وقت تیار رکھنا پڑے جو فوراً ضرورت کی جگہ پر پہنچ سکیں چنانچہ ''انسٹی ٹیوٹ'' نے عراق ایران جنوبی یمن اور الجزائر میں ٹیمیں بھیج دیں جنہوں نے خطرے سے دوچار ہزاروں یہودیوں کو وہاں سے خفیہ طریقوں یا کھلے عام نکلوا لیا۔ موساد کا ایک سب سے بڑا آپریشن ایتھوپیا سے 60 ہزار سیاہ فام یہودیوں کو کامیابی کے ساتھ نکلوا لینا تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اسرائیل کے گمشدہ قبیلوں میں سے ایک قبیلے کی اولاد ہیں۔ یہ ایک یادگار

تقریب تھی ان سب لوگوں کو ہمسایہ عرب ریاست سوڈان سے طیاروں کے ذریعہ لایا گیا جس کے اس وقت کے صدر نمیری کو اسرائیلی سفارت کاروں نے اس آپریشن کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے پر آمادہ کر لیا۔ اس تعاون کی قیمت سوڈان کے چیف آف سیکورٹی جنرل عمر محمد الطیب کو عمر قید کی سزا پا کر ادا کرنا پڑی۔ اس پر الزام یہ لگا کہ اس نے طیاروں کو سوڈان میں کیوں اترنے دیا تھا۔

اسرائیل یہودیوں کی اذیتوں بھری طویل تاریخ کی پیداوار ہے' ان اذیتوں اور مصائب سے بچنے کے لیے وہ دنیا بھر میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اس ریاست کی صورت میں انہیں بڑی مشکل سے ایک جائے قرار ملی ہے لہٰذا اس ریاست کی یہ مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہاں رہنے والی آبادی کی بہبود کے ساتھ ساتھ بیرونی ممالک میں آباد یہودیوں کی مدد کی بھی ذمہ داری لے۔ ریاست اپنی سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے یہودیوں کو دنیا میں عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کے قابل بنانے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ انٹیلی جنس سروسز اسرائیل کو ناپسندیدہ ملک بن کر دنیا سے کٹ جانے کے خطرے سے بچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس کے کارندے اپنے ملک کے لیے بہتر تجارت کے مواقع پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلحہ کی خریداری اور اپنی اور اپنے ملک کی فوج کی تربیت کے انتظامات بھی کرتے رہتے ہیں۔ موساد کے شعبہ ''کولیکشن'' (Collection) اور شعبہ پولیٹکل ایکشن نے کئی ممالک میں اپنے سٹیشن قائم کر رکھے ہیں۔ ان میں امریکہ' وسطی اور جنوبی امریکہ' روس' مشرقی یورپ' یورپی منڈی کے ملک' افریقہ' ایشیا اور بحیرہ روم کے ساحلی ممالک شامل ہیں۔ اسرائیل کے لیے سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے ان کاموں پر اپنے وسائل سے بڑھ کر خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔ حالات نے اسے مجبور کر رکھا ہے کہ اپنی منی کار (Mini-Car) کی متحمل نہ ہو سکنے والی معیشت پر رولس رائس انٹیلی جنس کا بوجھ اٹھائے پھرے۔

○○○○

ہائی ٹیکنالوجی اور سینہ زوری

اسرائیلی انٹیلی جنس کی مشینری انتہائی پیچیدہ ہے جسے سمجھنے کے لیے کافی غور و خوض کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ پیچیدہ اور مشکل بات ''موساد'' اور اس کے فوجی بھائی...... ''امن'' کے درمیان بنتے بگڑتے تعلقات کو سمجھ سکنا ہے۔ جب سے موساد کا نام منظر عام پر آیا بیرونی دنیا اسے ایک مہم جو اور خطرناک حد تک پھرتیلی تنظیم کے طور پر جاننے لگی ہے لیکن ''امن'' کو کوئی نمایاں شہرت حاصل نہیں ہوگی' سوائے متعلقہ پیشے کے لوگوں کے اس کا بہت ہی کم لوگوں کو پتہ چل سکا ہے۔ اسے دو بڑی ناکامیاں اگر پیش نہ آئی ہوتیں تو شاید اسے بھی موساد کے ہم پلہ سمجھ لیا گیا ہوتا۔ پہلی ناکامی 1950ء کے عشرے میں مصر میں خفیہ آپریشن تھا جو بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا اور دوسری بار کی ناکامی یہ تھی کہ وہ مصر اور شام کی طرف سے آنے والی خفیہ رپورٹوں سے اس اشارے کو نہ سمجھ سکی کہ 1973ء میں اسرائیل پر ایک زبردست حملہ ہونے والا ہے۔

ناکامیوں کے اس ریکارڈ کو متوازن بنانے کے لیے ملٹری انٹیلی جنس نے بلاشبہ چند شاندار کامیابیاں حاصل کر لیں' اس کی فراہم کردہ خفیہ اطلاعات چھ روزہ جنگ میں بے حد کارآمد ثابت ہوئیں۔ جن کی بنا پر مصر کے جنگی طیاروں کو جنگ شروع ہونے سے چند منٹ قبل ان ہی کی ایئر فیلڈ پر تباہ کر دیا گیا۔ ''امن'' کے فیلڈ ورکروں نے اس کے لیے جان توڑ کر محنت کی تھی۔ انہوں نے عرب افواج کے ہر افسر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لیں' جو نہ صرف فیلڈ کمانڈروں کو بلکہ نچلے رینک کے افسروں کو بھی پہنچا دیں تاکہ وہ دشمن اور اس کے طریق حرب سے پوری طرح باخبر ہو سکیں۔ ''امن' فیلڈ ورکرز نے یہ حقائق ملٹری سیکورٹی کے آزمودہ طریقوں کے استعمال' قیدیوں سے سخت قسم کی پوچھ گچھ اور اخبارات اور ملٹری

گزشتہ کے تراشوں کے گہرے مطالعے سے اکٹھے کیے تھے۔ جس کے نتائج توقع کے مطابق برآمد ہوئے۔

''امن'' مشرق وسطیٰ کی بہترین ریسرچ تنظیم بن گئی تھی' اس کے کارکن اور تجزیہ کار (Analysts) حقائق جمع کرنے کی زبردست صلاحیتیں رکھتے تھے مگر کبھی کبھی' اتنی محنت سے جمع کردہ حقائق سے کماحقہٗ درست نتائج اخذ کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ اس صورتحال کی ذمہ داری ایک حد تک ''امن'' اور ''موساد'' کے درمیان پائی جانے والی چپقلش پر بھی ڈالی جاتی تھی اس کا سبب' جسے اندرہی کے لوگ صحیح طور پر سمجھ سکتے تھے' یہ تھا ان کی ذمہ داریوں کے دائروں کی لکیریں واضح نہیں تھیں۔ کبھی ایک تنظیم کا کارکن دوسری تنظیم کے دائرے میں گھومتا پایا جاتا اور کبھی دوسری تنظیم کا اس کے دائرے میں مصروف پایا جاتا' جبکہ کبھی کبھار دونوں ایک ''کام'' کو اس لیے چھوڑ دیتے کہ وہ اسے ایک دوسری کا کام جانتے تھے۔ ایسے واقعات بھی رونما ہوئے کہ فوج کا خفیہ رابطہ یونٹ خود کو ''امن'' اور ''موساد'' کے مشترکہ آپریشنوں میں پھنسا ہوا پاتا تھا۔ کوئی آپریشن شروع کرنے سے پہلے اس کے لیے موزوں تر فرد کا انتخاب موساد کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ دونوں تنظیموں کے وسائل کو یکجا کرنے کے لیے ایسا کرنا کسی حد تک مفید بھی تھا مگر اس سے کشمکش اور جھگڑے بھی پیدا ہونے لگے تھے۔ کیونکہ ایک تنظیم بعض کاموں کے لیے حریف تنظیم کے کارکنوں کو بھیجنے لگی تھی۔ پھر یہ ہونے لگا کہ ملٹری انٹیلی جنس سپیشل آپریشنوں کا انتخاب کرتی اور پھر ان کے لیے منصوبہ بندی کرنے کا اختیار بھی استعمال کرتی لیکن ان پر عمل درآمد کے لیے اسے موساد سے منظوری لینا پڑتی تھی' اس کا لازمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ موساد' سینئر سروس قرار پا گئی۔

''امن'' نے اپنی زندگی کا آغاز اسرائیلی جنرل سٹاف کی انٹیلی جنس برانچ کے طور پر کیا اور آپریشن برانچ کے اندر کام کرنے لگی لیکن 1953ء میں فوج نے اس کے ڈھانچے کی تنظیم نو کر کے برطانوی ماڈل کی بجائے فرانسیسی ماڈل اختیار کر لیا۔ اس کے بعد ملٹری انٹیلی جنس خود ایک برانچ بن گئی۔ جس کے عبرانی ٹائٹل کے ابتدائی لفظ یکجا کرنے سے اس کا نام ''امن'' پڑ گیا۔ تنظیم نو کے بعد کرنل بنجمن گیلی اس کا سربراہ مقرر ہوا اور لیفٹیننٹ کرنل یہوشفات حرکابی اس کا نائب بن گیا۔

کچھ عرصہ بعد ''امن'' واضح طور پر ملٹری سروس کے طور پر ابھر آئی جس کا اپنا سبز اور سفید فلیگ گل سوئن پر مشتمل بیج اور فوج کے مماثل دیگر نشانات تھے جو اسے سویلین چوغے اور

خنجر کی حامل موساد سے ممیز کرتے تھے۔ اس ڈھانچے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ روایت بن گئی کہ اس کا سربراہ جنرل کے عہدے تک پہنچ جاتا تھا۔

1953ء میں قائم ہونے والے ڈھانچے کا سربراہ کرنل گلعی (جو کہ جنرل نہ بن سکا) فوج کی دونوں انٹیلی جنس کوروں کا سربراہ تھا جو چھ سو افسروں اور جوانوں پر مشتمل تھیں۔ یہ افسر اور جوان تمام فورسز اور جنرل سٹاف کی انٹیلی جنس برانچ میں بھی پھیلے ہوئے تھے' اس برانچ میں افراد کی تعداد دو سو تھی۔ اس کی نمایاں خصوصیت اس کا ایک ''کولیکشن'' ڈیپارٹمنٹ اور ایک ریسرچ ڈیپارٹمنٹ تھا۔ ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں متعدد ''ڈیسک'' تھے اور ہر ڈیسک ایک ایک عرب ملک کے لیے تھا جو اس ملک سے آمدہ اطلاعات کا تجزیہ کرتا رہتا تھا۔ ان میں سے بعض اطلاعات موساد کی وساطت سے موصول ہوتی تھیں جبکہ موساد کی ذمہ داریاں اسرائیل سے باہر کے لیے مخصوص تھیں۔ یہ ڈھانچہ اگرچہ بدلتی ہوئی ضروریات کی خاطر قائم کیا گیا تھا تاہم یہ آج بھی وہی کام کر رہا ہے۔

1980ء کے عشرے میں اسرائیلی ڈیفنس فورسز کی انٹیلی جنس برانچ' مشرق وسطیٰ کے تمام ملکوں کی فوجی' جغرافیائی اور اقتصادی امور سے متعلق معلومات اکٹھی کرتی رہی۔ اس مقصد کے لیے اسے چار شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے' شعبے یہ ہیں (i) پروڈکشن' (ii) فوجی معلومات ''انٹیلی جنس کور'' (iii) غیر ملکی تعلقات اور فیلڈ سکیورٹی اور (iv) ملٹری سنسر شپ۔ اور یہ طے کر دیا گیا کہ اسرائیل کے دفاعی معاملات پر اثر انداز ہونے والی تمام میڈیا رپورٹیں سنسر کے لیے پیش کی جائیں' خواہ امن کا زمانہ کیوں نہ ہو۔

پروڈکشن کے شعبے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ وہ ہر سال ''جنگ کے خطرے'' کے امکانات کا جائزہ لے اور جاسوسی کے سالانہ اخراجات کا بھی گوشوارہ مرتب کرے اور دشمن کو حملہ آور ہونے سے روکنے کے انتظامات کرے۔ یہ شعبہ روزانہ خبرنامہ جاری کرتا ہے جس میں من وعن خبریں بھی ہوتی ہیں اور تجزیاتی رپورٹیں بھی۔ حالیہ اعداد وشمار سے پتہ چلا ہے کہ 1980ء کے عشرے میں ''امن'' کا عملہ سات ہزار مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا جن میں سے چھ سو علاقائی ڈیسکوں پر تھے اور خفیہ خبروں کی فراہمی پر مامور تھے۔ ان کی ریکروٹمنٹ کمانڈنگ افسر کی سفارش پر کی جاتی ہے۔ انٹیلی جنس کور کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ مروجہ اور خفیہ دونوں ذرائع سے فوجی نوعیت کی اطلاعات اکٹھی کرے۔ ایجنٹس برانچ' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فوجی جاسوسی یعنی کہ خفیہ فوجی میٹریل (ساز وسامان) جمع کرتی ہے۔ لیکن اس یونٹ کے

کارکنان ''امن'' فارن ملٹری انٹیلی جنس کے کارندوں کی طرح آزادی سے ''آپریٹ'' نہیں کر سکتے۔ ان کا دائرہ جغرافیائی طور پر محدود ہوتا ہے۔ یہ صرف ہمسایہ ملک کے اندر داخل ہونے کے مجاز ہوتے ہیں جبکہ ان کی مدد اور نگرانی کے لیے طویل المسافت مبصر یونٹ مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو سرحد کے پار دشمن کی نقل و حرکت کو نوٹ کرتے ہیں تا کہ وہ ان کو گزند نہ پہنچا سکے۔ اسے یونٹ نمبر 10 یا ''کتام'' (KATAM) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ دشمن کے قریب کے علاقے میں ایجنٹ بھیجنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ان میں سے بعض یہودی ''عربائزرز'' کہلاتے ہیں۔ یہ عربوں کا سا لباس اور وضع قطع اختیار کر کے دشمن کے علاقے میں دور تک چلے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے ایجنٹ صرف عرب گماشتے (انفارمر) ہوتے ہیں۔ سروس میں ان کے لیے عبرانی زبان کا لفظ ''شتنکرم'' (Shtinkerim) استعمال ہوتا ہے جو انگریزی کے لفظ ''سنٹنکر'' (بدبودار) سے مشتق ہے۔

''امن'' نے دوسرے ملکوں کی فوجی تنظیموں سے رابطوں کے لیے اپنا الگ ''فارن ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ'' بھی قائم کر رکھا ہے جو ان رابطوں کے علاوہ بھی اس کے لیے بہت سے کام انجام دیتا ہے۔ بیرون ملک اس نے دفاعی اتاشی بھی مقرر کیے ہوئے ہیں جو وہاں کے جنگی ساز و سامان کے حصول کے پروگراموں کی خبر رکھتے ہیں۔ ''امن'' اسرائیل میں تعینات غیر ملکی اتاشیوں سے دوستی قائم کر کے ان کی سرگرمیوں کی نگرانی بھی کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے برطانیہ اور امریکہ کے سفارت خانوں کے ملٹری سٹاف کے متعدد اہلکاروں کو اسرائیل کی فوجی تنصیبات کی تصویریں بنانے پر گرفتار کیا ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس اور موساد مروجہ جاسوسی کے لیے اپنے اپنے انداز میں ایک دوسری کے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔ ''امن'' کو اس کی سویلین پارٹنر سے جو چیز حتمی طور پر ممیز کرتی ہے وہ فوجی سرگرمیوں کے دو مخصوص دوائر میں اس کا غلبہ ہے' ایک یہ کہ اس کا آرمی کے سپیشل ٹروپس پر کنٹرول ہے جس کے تحت وہ کسی آپریشن کے لیے جتنی چاہے کمک طلب کر سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ ریڈیو سگنل ورک پر کنٹرول کرتی ہے۔

اسرائیل کی سپیشل فورسز کا پیکر اوّل' 1930ء کے عشرے میں قائم ہونے والے ''شبینہ دستے'' (Night Squads) تھے جنہیں ایک غیر معمولی برطانوی ماہر عسکریت اور تلمود کے سکالر ''آرڈے ونگیٹ'' کی مدد اور رہنمائی حاصل تھی۔ اس نے برما میں مصروف پیکار جاپانیوں کی عقبی لائنوں میں لڑنے والے دستوں کے کمانڈر کے طور پر بہت شہرت پائی تھی۔

ان شبینہ دستوں یا نائٹ سکواڈز کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ یہودی دیہات اور کبوتس پر حملوں کی تیاریوں میں لگے ہوئے عرب گروپوں پر اچانک حملہ آور ہو جاتے تھے۔ اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد جب عربوں کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی تو چیف آف سٹاف نے بریگیڈیئر مائیکل شیحم کی تجویز پر اگست 1953ء میں ایک آرمی یونٹ قائم کیا جس نے بعد میں ''نائٹ سکواڈز'' کی شکل اختیار کر لی اور اسے ''یونٹ 101'' کا نام دے دیا گیا کیونکہ اس نے 'کیمپ 101'' میں تربیت پائی تھی۔ اس کا پہلا کمانڈر میجر ایریل شیرون تھا جسے بعد میں ''یوم کپور کی جنگ'' میں بے پناہ شہرت حاصل ہو گئی (یہ آجکل اسرائیل کا وزیر اعظم ہے)۔ اس نے 40 آزمودہ و تجربہ کار چھاپہ مار بھرتی کیے جو ایک پرائیویٹ آرمی کی شکل اختیار کر گئے۔ انہیں سرحد پار دہشت گردوں کے اڈوں پر حملے کرنے کی تربیت دی گئی۔ یہ سکواڈ حملے کے موقع پر عموماً سفید کپڑوں میں ہوتے ہیں۔ ان کے حملے کا سٹائل انڈین فائٹرز کا ہے جو انہوں نے ''امریکن ویسٹ'' میں اختیار کیا تھا۔

خفیہ سے خفیہ تر:

اس یونٹ نے جب اردن کے قصبہ' قبیہ (Quibya) میں انتقامی کارروائی کر کے 36 دیہاتیوں کو ہلاک کیا تو خطے بھر میں اس پر لعنت و ملامت کی گئی مگر اسرائیلی حکام نے اس کی زیادتیوں کا ثبوت ملنے کے باوجود اس کے خلاف مؤثر تادیبی اقدام نہ کیا' اس سے اس کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔ بعدازاں اسے پیراشوٹ بٹالین میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس نے شیرون ہی کی کمان میں سرحدوں پر عربوں کے خلاف اپنی ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھیں اور 1967ء کی جنگ کے خاتمے کے بعد اس سلسلے کو غزہ میں جاری رکھا۔ یہ یونٹ بالآخر ''سیارۃ المقتل'' کی جدامجد بنی جو انٹیلی جنس سروسز کے طلب کرنے پر سپیشل آپریشنز انجام دیتی ہے۔ یہ عملاً ریگولر آرمی کے کنٹرول سے باہر ہے اس کے دو ہزار سے زائد افراد ملٹری ایئر فیلڈ کے قریب اڈوں پر ہمہ وقت موجود رہتے ہیں اور حرکت میں آنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ خواہ انہیں سیکرٹ سروسز بلائیں یا آرمڈ سروسز طلب کریں۔ اس کے سپاہیوں کو ہر قسم کے اسلحہ کے استعمال کی سخت تربیت دی جاتی ہے' پیراشوٹ ٹریننگ کے علاوہ انہیں زیر آب تیرنے کی تیکنیک میں بھی ماہر بنا دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان کے ٹریننگ مشن دشمن کے علاقے میں مکمل کرائے جاتے ہیں تا کہ انہیں مزید سخت جان بنا دیا جائے۔ ان میں پیش قدمی

کی صلاحیت اور قوت برداشت بڑھانے پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں برطانوی ایس اے ایس یا امریکن ڈیلٹا کمانڈوز کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ رازداری اور سرعت رفتاری ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس کے تشخص کو خفیہ رکھنے کا اس حد تک اہتمام کیا گیا ہے کہ اسے کوئی نام نہیں دیا گیا۔ اسے محض ''دی یونٹ'' کہا جاتا ہے۔ اسرائیل کے اندر' ملٹری سنسر شپ کے حکام نے اس کا تحریری ذکر ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ ''دی یونٹ'' صرف ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ یہ اگرچہ عام نوعیت کے ملٹری آپریشنز بھی کرتی ہے مگر یہ موساد کے آپریشنوں کا حصہ شمار کیے جاتے ہیں۔ اسے اس وقت طلب کیا جاتا ہے جب کسی وجہ سے موساد کو بلانا غیر ضروری دکھائی دیتا ہو۔ اس کے ابتدائی آپریشنوں میں 1968ء میں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ مصر میں کی گئی وہ کارروائی بھی شامل ہے جس میں دریائے نیل پر پلوں اور ایک بجلی گھر کو تباہ کیا گیا تھا۔ اسی سال اس نے بیروت انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر کھڑے 9 طیاروں کو تباہ کر دیا' یہ طیارے مڈل ایسٹ ایئر لائنز کے تھے۔

''سیارۃ المتنقل'' دراصل فلسطینی ''دہشت گردوں'' سے نمٹنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ بعد میں اسے موساد کے ''ہیوی یونٹ'' میں تبدیل کر دیا گیا جو نہ صرف انتقامی کارروائیوں میں فوج کی مدد کے لیے ہر وقت موجود رہنے لگی بلکہ اغوا شدہ طیاروں کے مسافروں کو چھڑوانے کی کارروائیوں میں بھی مدد دیتی رہی۔ موساد نے یورپ میں فلسطینیوں کے خلاف آپریشنز شروع کیے تو ''دی یونٹ'' کے کارندے بھی اس کی مدد کو پہنچنے لگے۔ اس طرح ان کے درمیان تعاون کا دائرہ وسیع تر ہو گیا اور دونوں نے مل کر ''جنگ'' کو دشمن کے علاقے کے اندر پہنچا دیا اور سمندر کی جانب سے حملہ کر کے بیروت میں عرب گوریلوں کے دفاتر تباہ کر دیئے۔ ''ہیوی یونٹ'' کی سب سے بڑی کامیابی ''اینٹبی'' (Entebbe) آپریشن تھا جو انٹیلی جنس کی فراہم کردہ صحیح ترین معلومات کی وجہ سے کامیاب ہوا۔ 1988ء میں بحری دستوں کا وہ آپریشن بھی بے حد اہم تھا جو تیونس میں تنظیم آزادیٔ فلسطین کے ہیڈ کوارٹر (واقع حمام بیچ) پر اچانک حملہ تھا' اس کے نتیجے میں الفتح کا بانی خلیل الوزیر ہلاک ہو گیا تھا۔ مرحوم نے مغربی کنارے پر آباد عربوں کی تحریک احتجاج کو منظم کیا تھا' اس لیے وہ اسرائیل کے خفیہ ایکشن کا ہدف بنا ہوا تھا۔ انٹیلی جنس نے یہاں اس کی موجودگی کی صحیح نشاندہی کر دی تھی۔

کمانڈو آپریشنز' ملٹری انٹیلی جنس کی کارروائیوں کا بڑا نمایاں حصہ تھے۔ لیکن آگے

چل کر ''انسانی انٹیلی جنس'' کی جگہ ریڈیو اور سگنلز نے لے لی۔ اس پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد ''امن'' کی کارکردگی اور حیثیت بڑھ گئی۔ ملٹری کو اپنے سویلین حریفوں پر ایک فوقیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کی انٹیلی جنس کور پوری اسرائیلی ''انٹیلی جنس کمیونٹی'' کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتی ہے۔ چنانچہ موساد کو بھی اپنے سارے انٹیلی جنس سے متعلقہ کاموں کے لیے اس کے فنی تعاون پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

گداگری کی بجائے نقب زنی:

ملٹری ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ''الیکٹرانک وارفیئر'' بھی جنگی حکمت عملیوں پر اثر انداز ہونے لگی۔ اس طرح ''امن'' کے لیے معلومات اکٹھی کرنے کے سلسلے میں سگنلز کا کام بھی اہمیت اختیار کر گیا۔ وہ بڑی طاقتوں کے سیٹلائیٹس کے ذریعہ جاسوسی کے نظام میں ان کی ہمسری تو نہیں کر سکتی تاہم اس نے اسرائیل کی سرحدوں پر ''کنسوئیاں سننے کے آلات'' (Listening Posts) نصب کر لیے۔ مثال کے طور پر سینائی میں دشمن کو ''تھکا تھکا کر مارنے کی جنگ'' (War Of Attrition) جو 1970ء سے 1973ء تک رہی' اس کے دوران اسرائیلی فوج ان آلات کے ذریعہ بیس میل کے فاصلے سے مصر کے فوجی سگنلز سنتی رہی۔ اسی طرح شمالی سرحد کی جانب کوہ ہرمن پر نصب ''سماعتی سٹیشن'' چالیس میل دور دمشق (شام) کے فوجی سگنلز کو اب تک سننے کی پوزیشن میں ہیں۔ ''یونٹ 2'' جو اسرائیلی ماہرین نے الیکٹرانک انٹیلی جنس سگنلز وصول کرنے کے لیے قائم کیا ہے فوجی نقطۂ نگاہ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

یہ بات محسوس کر لیے جانے کے بعد کہ اسرائیل جیسا چھوٹا ملک جو بے شمار اقتصادی مشکلات سے دوچار ہے' اپنے انٹیلی جنس کے شعبہ کو طویل فاصلوں پر موجود دشمنوں کی جاسوسی کے لیے ہائی ٹیک آلات فراہم نہیں کر سکتا' اس کے حکام دوسرے طریقوں سے اطلاعات اکٹھی کرنے لگے جو ایک رئیس (امریکہ) کے ڈنر ٹیبل پر بچے کھچے ٹکڑوں پر گزارہ کرنے کے مترادف تھا' لیکن اسرائیل کے لیے زیادہ دیر تک یہ دریوزہ گری قابل برداشت نہ تھی۔ جب امریکہ نے اپنی تحقیق کے ثمرات کی منتقلی کی ایک حد کھینچ دی تو اسرائیل نے دوسرے ذرائع' یعنی جاسوسی کے ذریعہ خفیہ معلومات چوری کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا' یعنی اس نے گداگری پر نقب زنی کو ترجیح دی۔

✿ ✿ ✿ ✿

حصہ دوم

وسیع سے وسیع تر جال

شرمناک ناکامیاں

''موساد'' اور ''امن'' کے ایجنٹوں کے حیرت انگیز کمالات اور ان کے سپیشل آپریشنوں کی کامیابی کی کہانیاں سن کر جن لوگوں نے ان کے بارے میں ناقابل تسخیر اور بے خطا انسان ہونے کے تصورات باندھ رکھے ہیں' انہیں مصر میں اسرائیلی ملٹری سروس کے قائم کردہ سبوتاژ نیٹ ورک کی کہانی سن کر یقیناً بہت صدمہ پہنچے گا۔ یہ 1954ء کا زمانہ تھا وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین اپنا عہدہ چھوڑ کر جا چکا تھا اور ایک کیبوتس (زرعی قصبہ) میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ اس کی جگہ پر موشے شارت وزیراعظم تھا۔ یہ سیاسی مزاج کا آدمی تھا اور کابینہ کے لیے اس کی شخصیت کوئی خاص متاثر کن نہ تھی' خاص طور پر وزیر دفاع پنہاس لیوون اسے بالکل ہی اہمیت نہ دیتا تھا۔ وہ ٹریڈ یونین کا عہدیدار رہ چکا تھا جس کی وجہ سے صنعتی حربوں سے گہری واقفیت رکھتا تھا لیکن فوجی تزویرات سے بہت کم آگاہی رکھتا تھا۔ وزارت دفاع کے دو طالع آزما عہدیدار' چیف آف سٹاف موشے دایان اور ڈائریکٹر شمعون پیریز اپنے نمبر بنانے کی فکر میں رہتے تھے اور وہ ذرہ ذرہ سی بات پر سابق وزیراعظم سے مشورہ لینے جا پہنچتے تھے اور موجودہ وزیراعظم کو خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔

ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ کرنل جلعی' کے عہدے کی باقی ماندہ میعاد خاصی مایوس کن تھی۔ وزیراعظم موشے شارٹ نے اس کی کارکردگی کے بارے میں اپنی ڈائری میں لکھا:
''کرنل ہٹ دھرم اور ضدی قسم کا آدمی ہے' مشرق وسطیٰ کے حالات سے خطرناک حد تک لاعلمی رکھتا ہے' یکطرفہ رائے قائم کرنے کا عادی ہے۔ اسرائیل کو عرب ممالک کے گوریلوں کے اسرائیل میں آگھسنے کا ہر وقت خطرہ محسوس ہوتا رہتا تھا' اس لیے ''امن'' ملک کو بچانے کے لیے کمربستہ رہتی تھی اور یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہے۔''

اردن کے سرحدی گاؤں قبیہ پر ''یونٹ 101'' کے حملے کے باعث خاصی کشیدگی پیدا ہو چکی تھی' ملٹری انٹیلی جنس نے وزیراعظم کو اپنی رپورٹ میں اردن عرب لیجن کی تحریکوں سے خطرات سے آگاہ کیا۔ عرب لیجن برطانوی فوج نے قائم کی تھی تا کہ اردن کی سلطنت ہاشمی کو بچایا جا سکے۔ حالانکہ اسے اردن کی طرف سے حملے کا کوئی حقیقی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ یہ ایک مصنوعی خوف تھا جو اسرائیل کے ایک عرب ایجنٹ ''احمد'' کی غلط رپورٹ کا نتیجہ تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ یروشلم کے قریب ایک اسرائیلی چوکی پر حملہ ہونے کا زبردست خطرہ ہے۔

پھر دمشق میں حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اس خبر سے ملٹری انٹیلی جنس لڑکھڑا گئی۔ بعدازاں ''امن'' نے یہ رپورٹ دے دی کہ عراق شام پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس پر جلد باز فوجی افسروں نے جنگ کی تیاریاں کرنے کی تجاویز پیش کر دیں جو خوش قسمتی سے مسترد کر دی گئیں۔ ان لوگوں نے اپنی رپورٹوں کے سیاسی نتائج پر غور ہی نہیں کیا۔ تاہم یہ بات سامنے آتی ہے کہ ملٹری انٹیلی جنس نے گمراہ کن رپورٹیں مرتب کر کے سنگین غلطیوں کا ارتکاب کیا۔

اس کے باوجود ''امن'' خود کو انٹیلی جنس برادری کا مربی سمجھتی رہی۔ اسے اپنی حریف سروس' موساد پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی کہ اس کے چیتے بھی سربراہ تھے انہیں حکومت کے اندر غیر معمولی حد تک اثر و رسوخ حاصل رہا۔ شروع میں قاعدہ یہ بنایا گیا تھا کہ دشمن ملک میں جتنے بھی خصوصی آپریشن کیے جائیں گے ان کی منصوبہ بندی میں موساد کے سربراہ کی شرکت لازمی ہوگی اور اس پر عمل درآمد کے لیے بھی اس کی رضامندی حاصل کی جائے گی۔ جب پنہاس لیون وزیر دفاع بنا اس نے یہ قاعدہ ''امن'' کے اثر و رسوخ اور دباؤ میں آ کر تبدیل کر دیا۔ جن دنوں یہ تبدیلی روبہ عمل آئی وہی وقت تھا جب ''امن'' کے ایک خصوصی آپریشن کے تحت بیروت میں بم دھماکہ کر دیا گیا۔ اسی طرح اردن میں بھی ایک پل اڑا دینے کی کوشش کی' یہ بھی کسی خاص فائدے کا حامل اقدام نہ تھا۔ ''امن'' کی نااہلی کا ایک اور ثبوت شام میں جاسوسی کے لیے گئے ہوئے پانچ کمانڈوز کا پکڑا جانا تھا۔ یہ لوگ گولان کی پہاڑیوں پر شامی فوج کے ٹیلی فون کی مانیٹرنگ کے لیے اپنی بیٹریاں تبدیل کرنے کے دوران' عین موقع پر دھر لیے گئے۔ ان میں سے ایک نے اس خیال سے خودکشی کر لی کہ وہ تشدد کی تاب نہ لا کر خفیہ اطلاع اگل بیٹھے گا۔

اسرائیل کے لیے داخلی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ' سرحد پار کے واقعات کی وجہ

سے بھی تشویش بڑھ رہی تھی۔ زیادہ پریشانی مصر کے فوجی انقلاب کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ جسے شروع میں تو اچھا سمجھا گیا لیکن بعد یہ تاثر ختم ہو گیا۔ شاہ فاروق کا تختہ الٹ دیے جانے کے بعد ''فری آفیسرز'' کے لیڈر جمال عبدالناصر نے سامراج دشمن نعرے بلند کرنا شروع کر دیے تو مشرق وسطیٰ اور پورے یورپ پر اس کے اثرات پڑنے لگے۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسے عرب دنیا کا مسلمہ لیڈر تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس کا اولین مقصد نہر سویز پر قبضہ کرنا تھا جس پر اس وقت تک ایک اینگلو فرنچ کمپنی کا کنٹرول تھا۔ اس کا دوسرا مقصد کینال زون میں برطانوی فوج کی موجودگی کا خاتمہ کرنا تھا۔ اسرائیل کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر فی الواقعہ ایسا ہو گیا تو اس سے اسرائیلی فوج بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گی۔ برطانوی ''غیر جانبدار'' (بفر) فورسز کے نکل جانے کے بعد مصر کی فوج صحرائے سینائی کی جانب سے اس پر حملہ آور ہو سکتی ہے اور عرب نئی اسرائیلی ریاست کی ناکہ بندی بھی کر سکتے ہیں۔

اسرائیل کو جس چیز سے خاص طور پر تکلیف پہنچی وہ مصری انقلاب کے بارے میں مغربی قوتوں کا روادارانہ طرز عمل تھا۔ امریکی وزیر خارجہ جان فوسٹر ڈلس' اس بات کا قائل معلوم ہوتا تھا کہ کرنل ناصر مشرق وسطیٰ میں روسی کمیونزم کا پھیلاؤ روکنے میں امریکہ کا حلیف بن سکتا ہے۔ اس امر کے اشارے بھی مل رہے تھے کہ ناصر کو برسر اقتدار لانے میں سی آئی اے نے بھی دست تعاون بڑھایا تھا کیونکہ قاہرہ میں ایک مضبوط اور دوست قسم کی حکومت کا قیام امریکہ کی بھی ضرورت تھی۔ برطانوی حکومت مصر سے اپنی فوج کے مکمل انخلا کے لیے اپنا ذہن تیار کر چکی تھی۔ اس کے وزیراعظم ونسٹن چرچل اور امریکہ کے صدر آئزن ہاور کے درمیان 1954ء کے موسم گرما میں' ناصر کے برسر اقتدار آنے کے دو روز بعد نہر سویز کے فوجی اڈوں کو خالی کرنے کا جو معاہدہ طے پایا تھا'' ''امن'' نے اس کی ساری تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔

اسرائیلی لیڈروں پر جب برطانوی فوجوں کے انخلا کا ارادہ منکشف ہوا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئے۔ ان کا ردعمل یہ تھا کہ '' کچھ نہ کچھ کر دیا جانا چاہیے' ورنہ حالات دگرگوں ہو جائیں گے''۔ انہوں نے مصر کے اندر ایک نیم پخت قسم کی ''سازش'' تیار کی جس کا مقصد ناصر حکومت کو متزلزل کرنا تھا۔ یہ سازش کس نے تیار کی؟ یہ بات پردۂ اخفاء میں ہے لیکن اس کی منظوری اعلیٰ سطح کے حکام نے دی اور اس پر عمل درآمد بھی جلدی شروع ہو گیا۔

اس سازش کی مختصر ترین تفصیل یہ تھی کہ انہوں نے مصر میں ایک اسرائیلی دہشت گرد نیٹ ورک قائم کیا اور اسے عربوں کا نیٹ ورک ظاہر کیا۔ جس نے قاہرہ میں برٹش کونسل

اور امریکی مرکز اطلاعات پر بموں سے حملے کرنا تھا اور برطانیہ اور امریکہ پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ مصریوں کی حرکت ہے جس پر کرنل ناصر نے اپنے پرانے بنیاد پرست دشمنوں اخوان المسلمون پر ٹوٹ پڑنا تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر برطانیہ اور امریکہ، مصر کی نئی حکومت کو نااہل قرار دے کر اس کے بارے میں اپنی رائے پر نظرثانی کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ یہ خام خیالی تھی، جن لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا وہ مصر اور عالم عرب کے مزاج سے حیرت انگیز طور پر لاعلم تھے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ تھی کہ ارباب بست وکشاد میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ اس کی منظوری دے دی گئی اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔

عمل درآمد کا کام ان مصری یہودیوں سے لیا گیا جنہیں چند سال پہلے اس غرض سے تربیت دی گئی تھی کہ اگر اسرائیل اور مصر کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو یہ عقب سے مصری فوج پر حملہ کردیں۔ انہیں ''یونٹ 131'' کا نام دیا گیا (اسے یونٹ 101 سے خلط ملط نہ کیجیے گا) اس نیٹ ورک کی تربیت اور تنظیم کا کام پرانے عرب قصبہ جافہ کے ہیڈکوارٹر سے لیفٹیننٹ کرنل موردیشی بن تسور نے کیا تھا۔ اور اس کا نام ''آپریشن سوزانہ'' رکھا گیا۔ اس میں موساد اور شین بتھ دونوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ موشے دایان نے بعد میں اس کے بارے میں یہ الفاظ لکھے تھے: ''یونٹ نے ایک آپریشن کا آغاز کیا جس کا بعد میں ہمیشہ بطور ''سکیورٹی کا سانحہ'' ذکر آیا۔

نیٹ ورک کے کارندوں کا کنٹرول کرنل ''ایوراہام ڈار'' کے ہاتھ میں تھا جس نے فرضی نام ''جان ڈارلنگ'' اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ خود کو انگریز ظاہر کرتا تھا اور ایک برٹش کمپنی میں ''ملازم'' تھا۔ اس سے پہلی سنگین غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ایک ایسا آدمی بھرتی کیا جو کسی اور کے لیے کام کر رہا تھا اور اس صیہونی تحریک کا مقامی سربراہ تھا جو مصری یہودیوں کو باہر بھیجنے کے انتظامات کر رہی تھی۔ اس کا نام ڈاکٹر وکٹر سعدی تھا اور وہ فوراً خوشدلی سے کام کرنے کو تیار ہو گیا۔ دونوں نے مل کر مقامی یہودیوں کو اکٹھا کیا اور انہیں سبوتاژ کے نیٹ ورک کے ساتھ تعاون پر آمادہ کرلیا۔ اس طریق کار میں خطرہ یہ تھا کہ پکڑ لیے جانے کی صورت میں مصر کی تمام یہودی آبادی بے نقاب ہو جاتی، جس کی وفاداری کو مصری انٹیلی جنس پہلے ہی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ تاہم منصوبہ آگے بڑھتا رہا اور ''جیوش ہاسپٹل'' کے ڈاکٹر موشے مرزوق کو ''قاہرہ سیل'' کا انچارج بنا دیا گیا۔ جبکہ سکندریہ میں اسی طرح کے سیل کا سربراہ ایک نوجوان سکول ماسٹر سموئل آذر تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ٹیم کے لیے ذمہ دار تھا۔

یہ تمام سازشی پُرجوش نوجوان تھے اور آپس میں گہرے دوست تھے، یہ ایک اور خامی تھی کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی مصری پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا تو پوری گینگ کو پکڑ لینا اس کے لیے کوئی مشکل امر نہ تھا۔ یہ لوگ پیشے کے اصل اسرار و رموز سے نابلد تھے۔ یوں ہی کسی پبلک مقام پر اپنا پلاننگ سیشن بلا لیتے یا کسی ایک دوست کے ہاں اکٹھے ہو بیٹھتے تھے۔ ان ریکروٹوں میں ایک بڑی خوبصورت لڑکی وکٹورین نینو تھی اور ایک تیز طرار نوجوان انجینئر وکٹر لیوی تھا۔ آپریشن شروع کرنے سے پہلے کرنل جبلی نے سب کو خفیہ طور پر اسرائیل میں بلا کر انہیں سبوتاژ اور جاسوسی کی تربیت دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ انتظامات تو ہو گئے مگر جب ٹریننگ افسر کی نظر ریکروٹوں پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا کہ ایک دشمن ملک میں جاسوسی جیسے خطرناک کام کے لیے یہ کیسے لوگوں کو بھرتی کرلیا گیا ہے؟ یہ اگرچہ دیکھنے میں بھلے چنگے اور خوبصورت تھے مگر سخت جانی اور گٹھیلا پن جو اس کام کے لیے بنیادی ضرورت ہوتا ہے، وہ ان میں نام کو بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ تربیت دینے والوں کو ایسے غیر موزوں زیر تربیت آنے والوں سے پہلی مرتبہ سابقہ پڑا تھا۔ یہ سر لے سے کر پاؤں تک سویلین قسم کے لوگ تھے جنہیں ریڈیو آپریٹ کرنا تک نہیں آتا تھا، انہیں تیزاب سے بھرے کنڈومز کو بطور آتش گیر ہتھیار استعمال کرنا سکھایا جا رہا تھا اور عینک کے ڈبوں کو دھماکہ خیز کیمیکلز سے بھر کر پھینکنا بھی سکھا دیا گیا، تاہم جیسے تیسے بھی ہوا انہیں بہترین تربیت سے آراستہ کر کے مصر بھیج دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ وہاں پہنچ کر اگلے احکامات کا انتظار کریں۔

1954ء کے موسم گرما میں جب آپریشن ''سوزانہ'' بالکل تیار ہو گیا تو ٹیم کے اصل منتظم ایوراہام ڈار کی جگہ ایک نئے شخص ''پال فرینک'' کا تقرر عمل میں آ گیا۔ (اس کا اصل نام ایوراہام سیڈورگ تھا) جو قاہرہ میں ایک سابق نازی ایس ایس آفیسر کے طور پر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ پال فرینک حقیقی معنوں میں انٹیلی جنس افسر تھا جسے اس کے فوجی کیریئر کے خاتمے کے بعد اس شعبے میں بھرتی کرلیا گیا تھا، فوجی ملازمت سے وہ چوری کے الزام میں کورٹ مارشل ہو جانے کی وجہ سے فارغ ہوا تھا۔ اسرائیلی سیکرٹ سروس نے اپنے خاص طریقے کے تحت اسے اپنی جعلی سٹوری کے مطابق ڈھلنے کے لیے کئی مہینوں کی مہلت دی تھی تاکہ ذہنی اور جسمانی طور پر ان فرضی واقعات کو ''خود بیتے'' واقعات سمجھے اور انہی کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا خوگر ہو جائے، چنانچہ وہ مصر کی جرمن کالونی میں خوب رچ بس جانے کے بعد، عملی زندگی کے لیے تیار ہو گیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ جب سکندریہ کے

''سیل'' میں پیش ہوا تو اس کا ایک ''جاسوس'' کے طور پر پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا جیسا کہ وہ عرصہ سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

جولائی 1954ء میں ''یونٹ 131'' کو یہ عجیب و غریب آرڈر موصول ہوا:—

''برطانیہ اور امریکہ کے معاہدے کو کالعدم یا مؤخر کرانے کے لیے فوری کارروائی شروع کر دو۔ اہداف یہ ہیں۔ نمبر 1: ثقافتی اور اطلاعاتی ادارے نمبر 2: اقتصادی ادارے — نمبر 3: کاریں' برطانیہ کے حکام اور برطانیہ کے شہری— نمبر 4: کوئی ایسا اقدام جو سفارتی تعلقات کو درہم برہم کر سکے۔ ان پر عمل درآمد کر کے ہمیں کینال زون میں مطلع کیا جائے۔ روزانہ سات بجے صبح' ویو بینڈ جی کی نشریات سنا کیجئے۔''

گروپ نے بہت سی مشکلات کے باوجود کارروائی کا آغاز کر دیا۔ پہلے قدم کے طور پر سکندریہ کے مرکزی ڈاک خانے کے لیٹر بکسوں میں دھماکہ خیز فلیتے نصب کر دیئے۔ ان کے پھٹنے سے کچھ نقصان تو ہوا مگر کوئی زیادہ نوٹس نہیں لیا گیا۔ اگلا قدم قدرے زیادہ توجہ کا باعث بن گیا' وہ یہ تھا کہ 14 جولائی کو سکندریہ اور قاہرہ امریکی دفاترِ اطلاعات (USIS) کی لائبریریوں میں عینک کے ایسے ڈبے رکھ دیئے گئے کہ جونہی انہیں کھولا جاتا وہ بھک سے اڑ جاتے۔ اس جزوی کامیابی سے حوصلہ پانے کے بعد ایجنٹوں نے کرنل ناصر کے برسر اقتدار آنے کی سالگرہ کے موقع پر قاہرہ کے سینماؤں اور بڑے ریلوے سٹیشن پر اہم جگہوں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے بم نصب کر دیئے لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پھٹ سکا۔ اس سے وہ بڑے پریشان ہوئے لیکن انہیں اس سے بھی ایک بڑی پریشانی سکندریہ میں پیش آنے والی تھی۔ وہاں ایک انیس سالہ ریکروٹ فلپ ناتھنسن' سینماء کے ٹکٹ گھر کے سامنے لگی قطار میں کھڑا' بم نصب کرنے کے موقع کا انتظار کر رہا تھا کہ بم قبل از وقت اس کی جیب میں ہی پھٹ گیا۔ مصری پولیس کی سپیشل برانچ کے کپتان حسن المنادی نے فوری کارروائی کر کے لڑکے کو مکمل طور پر جلنے سے بچا لیا اور بلاتاخیر اصل سبب تک پہنچ گیا۔ مصری پولیس نے چند گھنٹوں کے اندر پورے اسرائیلی نیٹ ورک کو قابو میں لے لیا' اس کے ممبر چونکہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اس لیے بہت آسانی سے دھر لیے گئے۔ سارا سیل تاش کے پتوں کی طرح بکھر گیا۔

موساد کے لیے اس سے بھی بڑا دھچکا ''میکس بینیٹ'' کا پکڑا جانا تھا۔ یہ شخص حقیقی

پیشہ ور ایجنٹ تھا جو مصر میں' خود مختارانہ حیثیت سے بہت اہم مشن پر تھا' اسے چونکہ ریڈیو ٹرانسمیشن میں کسی خرابی سے دوچار ہونا پڑا تھا اس لیے اس نے ان ناتجربہ کار لوگوں کے نیٹ ورک سے رابطہ قائم کیا' اس طرح وہ بھی پھنس گیا۔ میکس بینیٹ کا پکڑا جانا اسرائیلی انٹیلی جنس کے لیے شدید ترین نقصان تھا۔ کیونکہ اس کے بعد مصر میں اس کا ایک بھی ٹاپ کلاس جاسوس نہیں رہ گیا تھا جبکہ اس کی اشد ضرورت تھی۔ صدر ناصر اور چیکوسلواکیہ کے مابین معاہدے کے تحت مصر کو بھاری مقدار میں اسلحہ سپلائی شروع ہو جانا' اسرائیل کے لیے بہت بڑے صدمے کی بات تھی اور اسی وقت مصر میں اسرائیل کے جاسوسی نظام کا بھٹہ بیٹھ گیا تھا۔ آہنی پردے کے پیچھے کے ملک سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور لڑاکا جیٹ طیاروں کی آمد سے خطے بھر میں تہلکہ مچ چکا تھا۔

اس کے چار روز کے اندر مصری سکیورٹی کے حکام نے نہایت فخر کے ساتھ اعلان کیا کہ انہوں نے جاسوس مردوں اور عورتوں پر مشتمل ایک دس رکنی گینگ گرفتار کر لیا ہے۔ قاہرہ کے اخبارات کے مطابق ''یہ صیہونیوں کا ایک خطرناک گروہ تھا''۔ صدر ناصر کے لیے یہ ایک عظیم فتح تھی' اس مقدمے کی خوب تشہیر ہوئی اور اگلے چند دنوں میں اس کا فیصلہ ہو گیا۔ اسرائیلی خفیہ سیل کے لیڈروں ڈاکٹر مرزوق اور سیموئیل آذر کو سزائے موت سنا کر جنوری 1955ء میں قاہرہ میں پھانسی دے دی گئی۔ اس طرح ایک بیکار آپریشن اور ناپختہ منصوبے کی وجہ سے وہ مصری انٹیلی جنس کی تاریخ میں سرزمین مصر میں سزائے موت پانے والے پہلے جاسوس بنے۔ میکس بینیٹ چونکہ اچھا تربیت یافتہ خفیہ ایجنٹ تھا' اس لیے اس نے ایسے ایجنٹوں کی روایت پر پورا اترتے ہوئے جیل کے اندر ایک زنگ آلود کیل اپنی وریدوں میں گھسیڑ کر خودکشی کر لی۔ دوسرے ایجنٹوں کو لمبی سزائے قید سنا دی گئی۔ وکٹورین نینو جو بم کیس میں براہ راست ملوث تھی اسے پندرہ سال قید کی سزا ملی اور جیل میں عبرتناک اذیتوں سے دوچار ہوئی اور بالآخر ایک ٹوٹی پھوٹی عورت بن کر گھر واپس پہنچی۔ اس کے ساتھ یوں ہوا کہ وہ میکس بینیٹ کے قاہرہ والے اپارٹمنٹ میں بیٹھی تھی جو ریڈیو کے ذریعہ کچھ معلومات تل ابیب پہنچا رہا تھا۔ پولیس کا چھاپہ پڑا اور دونوں ایک ساتھ دھر لیے گئے۔ اس نے جیل میں دو بار خودکشی کی کوشش کی تھی۔ 1968ء میں اسے جنگی قیدیوں کے تبادلے کے تحت رہائی ملی۔ گھر پہنچی تو اس کا قومی ہیروئن کی طرح استقبال ہوا۔ تین سال میں اس کے اوسان بحال ہو گئے۔ 1971ء میں اس نے کرنل ایلی بوگر کے ساتھ شادی کر لی۔ شادی کی تقریب میں وزیراعظم گولڈا مائیر اور

انٹیلی جنس کے ممتاز ترین افسر شریک ہوئے۔

اسرائیلی انٹیلی جنس کے لیے ''آپریشن سوزانہ'' بڑا رسوا کن سانحہ ثابت ہوا۔ جب مصر میں ایجنٹوں کی گرفتاریوں کی خبر حل ابیب پہنچی تو حکومت نے گھبراہٹ کے عالم میں اس کی تردید کردی۔ تاہم تردید واانکار کا سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ حل ابیب کے حکمران اس دوڑ بھاگ میں لگ گئے کہ اس سانحے کا اصل ذمہ دار کون ہے؟ قاہرہ میں جاسوسوں کی پھانسیوں کے بعد وزیر دفاع پنہاس لیون فوراً مستعفی ہوگیا' اس نے حکومت سے علیحدہ ہونے کے لیے عجلت میں وزیراعظم کے نام جو خط لکھا' اسے وقتی طور پر ایک راز کی طرح دبا دیا گیا۔ اس کی علیحدگی سے حکومت میں زلزلہ آ گیا' یہ بحران اس وقت دور ہوا جب ڈیوڈ بن گورین کیبوتس ہی کے لباس میں ملبوس کیسٹ (پارلیمنٹ) میں داخل ہوا اور ایک دفعہ پھر خود کو ملک کی خدمت کے لیے بطور وزیر دفاع پیش کردیا۔

تاہم مسئلہ یہیں ختم نہ ہوا کیونکہ اس میں کئی افراد اور متعدد ایجنسیاں ملوث تھیں' بحران کا اصل نقطہ یہ تھا کہ قاہرہ میں بم دھماکوں کا سلسلہ کس کے حکم پر شروع کیا گیا تھا؟ اس واقعے کے پیچ در پیچ سلسلے کئی سال تک اسرائیلی سیاست میں زہر گھولتے رہے۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی نے حل ابیب کے ایک اپارٹمنٹ میں اس کی خفیہ سماعت شروع کردی۔ کمیٹی سابق چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل یاکوف ڈوری اور سپریم کورٹ کے جج آئزک اولشن پر مشتمل تھی جو اس مہم سے متعلقہ افسروں کے بیانات میں سے جھوٹ سچ تلاش کرتی رہی' کرنل جبلی اور اس کی انٹیلی جنس کے افسروں کا دعویٰ تھا کہ بم دھماکوں کا حکم اس وقت کے وزیر دفاع پنہاس لیون نے دیا تھا۔ جبکہ وزیر دفاع کا کہنا تھا کہ یہ آپریشن ''امن'' نے پیشگی منظوری لیے بغیر ازخود شروع کیے تھے۔ اگر اس کا مؤقف صحیح تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ملٹری انٹیلی جنس نے ایک دوسرے ملک میں دہشت پھیلانے کی سازش کی اور اپنی حکومت سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا جو کہ ایک سنگین ترین جرم بنتا تھا۔

اس سے یہ بات سامنے آئی کہ ''یونٹ 131'' نے یہ کارروائی نہر سویز کے علاقے سے برطانوی فوج کے انخلا کے نتیجے میں اسرائیل پر مرتب ہونے والے اثرات کے خوف کی وجہ سے کی تھی۔ کرنل جبلی کا گمان تھا کہ مصر اور اسرائیل کو ایک دوسرے سے براہ راست متصادم ہونے سے روکنے والی غیر ملکی فوج کا درمیان سے ہٹ جانا اسرائیل کو سخت خطرے سے دوچار کردے گا۔ کرنل جبلی کے سارے کردار کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ وہ مصری فوج کی طاقت

اور صدر ناصر کی اسرائیل پر جنگ مسلط کرنے کی خواہش کی شدت کا ہمیشہ غلط اندازہ لگاتا رہا ہے۔ اس لیے جب کینال زون کے بارے میں برطانیہ اور مصر کے مابین مذاکرات شروع ہونے لگے تو اس نے ان کو ہر قیمت پر ناکام بنانا' اپنا فرض عین سمجھ لیا' قاہرہ اور سکندریہ میں سبوتاژ کے آپریشن اس کے اسی خوف کا نتیجہ تھے۔

کمیٹی ذمہ داری کا واضح تعین نہ کرسکی اور نہ عوام اس کی کارروائی سے مطمئن ہوسکے۔ کمیٹی نے اپنے فیصلے کے آخر میں لکھا: ''ہمیں افسوس ہے کہ وزیراعظم نے ہم سے جو سوال پوچھا تھا کہ ہم اس کا واضح جواب نہیں دے پائے۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم بلا کسی شک و شبہے کے' قائل نہیں ہوسکے کہ سینئر افسر کو وزیر دفاع کی طرف سے کوئی آرڈر موصول نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح ہمیں یہ یقین بھی نہیں کہ وزیر دفاع سے جو آرڈر منسوب کیے گئے ہیں وہ اس نے فی الواقع جاری کیے تھے۔''

اس بات کو یہیں پر چھوڑتے ہوئے حکومت نے ایک نظیر قائم کردی جس پر بعد ہمیشہ عمل ہوتا رہا جب بھی کوئی پریشان کن صورتحال سامنے آئی حکومت کا مؤقف یہ ہوتا تھا کہ چونکہ ریاست کی سکیورٹی کا معاملہ تھا اور سکیورٹی ہر چیز پر فوقیت رکھتی ہے لہٰذا اس کے پیچھے نہ پڑنا ہی بہتر طرز عمل ہوگا۔

ایک اور اضطراب انگیز معاملہ ابھی سامنے آنا باقی تھا۔ وہ یہ کہ متذکرہ بالا واقعہ سے بچ نکلنے والا ایک کردار پال فرینک (ایوراہام سیڈورگ) تھا جو بعد میں یورپ چلا گیا۔ وہ سابق نازی ایس ایس آفیسر کے طور پر قاہرہ میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اس کی کئی بااثر مصریوں سے دوستی ہوگئی تھی۔ چونکہ وہ قاہرہ اور سکندریہ میں اسرائیل بم دھماکوں میں ملوث ہونے کے باوجود بچ نکلا' اسرائیل میں اس کے بارے میں شبہات پیدا ہوگئے کہ مصری سکیورٹی کے چالاک سربراہ کرنل عثمان نے اسے خرید لیا ہے اور اسے 40,000 جرمن مارک ادا کیے گئے ہیں۔ دریں اثنا مصری پولیس نے اسے دیگر اسرائیلی سازشیوں سمیت جیل میں ڈال دیا۔ اس نے اسے ایک خاص وقت تک قید رکھا' تاکہ موساد کو اس کی وفاداری کا یقین دلایا جاسکے' پھر اسے وی آنا چلے جانے کی اجازت دے دی۔

اسرائیل کو جو شبہ تھا' وہ دراصل ایک حقیقت تھی کہ وہ بدستور انٹیلی جنس میں کام کررہا تھا اور اسی ظاہری نام کو استعمال کررہا تھا جس کے تحت اسے عدالت نے ''غیر حاضری'' میں سزائے موت سنائی تھی اور اس امر کی شہادت بھی موجود تھی کہ مصری خفیہ سروس نے اس سے

بدستور رابطے قائم رکھے ہوئے تھے۔ اس کی ان دھمکیوں کے باوجود کہ اگر اسے جبراً اسرائیل پہنچا دیا گیا تو وہ ''لیون'' کے معاملے پر سے پردہ اٹھا دے گا' موساد اسے لے جانے پر بضد تھی تا کہ اس پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ 1959ء میں اس کے خلاف چلائے گئے مقدمے میں پیش کردہ ایک گواہی کی وجہ سے سارے معاملے کی ازسرنو تحقیقات کا فیصلہ کر لیا گیا۔ عدالت نے اسے ''آپریشن سوزانہ'' میں غداری کا مرتکب تو قرار نہ دیا لیکن اسے ملٹری انٹیلی جنس کی دستاویزات اپنے قبضے میں رکھنے' چند تصاویر کھینچنے اور یورپ میں رہتے ہوئے مصری حکام سے غیر قانونی روابط رکھنے کا مجرم قرار دے دیا۔

ان کم درجے کے جرائم پر اسے بارہ سال قید کی سزا سنا دی گئی۔ اس سزا کی سنگینی کا مطلب یہ لیا گیا کہ اگرچہ اس پر اپنے ساتھیوں سے غداری کا الزام ثابت نہیں ہو سکا لیکن عدالت کو اس کے غلط رویئے کا پوری طرح یقین تھا۔ اس طرح اس واقعہ سے ایک تلخ یاد ذہنوں میں برقرار رہی۔ فریک اپنی سزا پوری کرنے کے بعد امریکہ چلا گیا اور پھر وہیں زندگی گزاری۔

✿ ✿ ✿ ✿

غزہ سے سویز تک

1950ء کے عشرہ کے اوائل میں اسرائیل کو اپنی سرحدوں کے بارے میں بے حد تشویش رہتی تھی کیونکہ عرب انتقامی جذبے کے تحت پرانی سیز فائر لائنوں کے پار جا کر اکثر حملے کرتے رہتے تھے۔ ان حملوں میں وہ فلسطینی باشندے پیش پیش تھے جو اسرائیل کی وجہ سے بے گھر ہو چکے تھے اور اب مہاجر کیمپوں کی مشکل ترین زندگی گزار رہے تھے' انہیں نہ دن کو آرام ملتا تھا اور نہ رات کو' کیونکہ وہ جب دیکھتے کہ جہاں وہ صدیوں سے رہتے آئے تھے وہاں اجنبیوں کا قبضہ ہے ان کے جذبات میں آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ اسرائیلی فوج کو یقین تھا کہ ان حملوں کو مصری حکام منظم کر رہے ہیں' جونہی فلسطینی سرحد پار کوئی کارروائی کر کے آتے اسرائیلی فوج جواباً مصر پر حملہ آور ہو جاتی تھی۔ یہ جوابی کارروائیاں چونکہ غلط فہمی پر مبنی تھیں اس لیے حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ اصل صورتحال یہ تھی کہ اسرائیل کے گردوپیش کے ممالک کا شروع میں ان حملوں سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ وہ ان کے فوجی نتائج سے اچھی طرح باخبر تھے۔ مصر' شام' لبنان اور اردن فدائین کی فوجی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لا چکے تھے۔ غزہ میں مصری حکام مشتبہ جنگجوؤں کو مسلسل پکڑ رہے تھے اور اسرائیل میں داخل ہونے کے راستوں کو بند رکھتے تھے۔ لیکن غزہ میں اسرائیل کے کراس بارڈر حملوں کی وجہ سے مصر نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی اور فدائین کی نقل و حرکت کو اپنے زیر کنٹرول لانا شروع کر دیا۔ دوسری جانب اسرائیلی جارحیت پسندوں نے اس خیال سے کہ اپنی سرحدوں کو بچانے کے لیے عربوں پر حملے کرنا ضروری ہے' مزید حملے شروع کر دیئے۔

1955ء کے موسم بہار میں عرب حملہ آوروں کے منتشر گروہ ایک منظم پیشہ ور گوریلا

فورس میں تبدیل ہوگئے۔ صدر ناصر نے غزہ کے تمام عرب لیڈروں کو قاہرہ میں مدعو کر کے یہ اعلان کیا وہ اسرائیل پر حملوں کے لیے نوجوانوں کو فوجی تربیت' فنڈز اور ہتھیار دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ مصری فوج کے افسروں اور نان کمیشنڈ افسروں نے سینائی میں فلسطینی نوجوانوں کو تربیت دینا شروع کردی اور مطلوبہ ہتھیار وغیرہ بھی دے دیئے۔ اس طرح انہوں نے رات کے وقت اسرائیل کی بلڈنگوں اور گاڑیوں کو نشانہ بنانے کا آغاز کردیا۔ اگست میں فلسطینیوں نے اسرائیل کے پانچ فوجیوں اور 17' سویلین افراد کو ہلاک کردیا اور آگے کئی سال کے لیے ''موساد'' اور ''امن'' کو اپنی طرف متوجہ رکھا۔

''امن'' کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اس نے خاص خاص لوگوں کے قتل کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس کا پہلا نشانہ غزہ کی پٹی میں فلسطینیوں کی تحریک مزاحمت کا آرگنائزر مصری کرنل مصطفیٰ حفیظ تھا۔ اس طرح وہ اسرائیلیوں کی جوابی دہشت گردی کا اولین نشانہ بن گیا۔ اسے ایک عرب ڈبل ایجنٹ کے ذریعہ ایک پارسل بم بھیجا گیا تھا' اس نے جونہی پارسل کھولنے کی کوشش کی وہ پھٹ گیا اور اس کے چیتھڑے اڑ گئے۔ دوسرا نشانہ بھی ایک مصری کرنل تھا جو اردن میں فوجی اتاشی تھا اور پراسرار دھماکے میں ہلاک ہوگیا۔ اس کی پوری تفصیل نہیں مل سکی۔

یہ ملٹری انٹیلی جنس کا فرض تھا کہ وہ دخل اندازی کرنے والوں کے سرگرم عمل ہوجانے کے اسباب کا کھوج لگاتی اور ان کے حملوں کو روکنے کی تدابیر سوچتی مگر وہ بھی بے حد مصروف تھی۔ وہ اپنے جواب کے نہ صرف سفارتی اثرات کا جائزہ لے رہی تھی بلکہ مصری طرف سے بھرپور جنگ کی تیاریوں کا بھی اندازہ کررہی تھی۔ صدر ناصر نے غزہ پر اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے حملے کے خلاف ردعمل کے طور پر جنگ کا ایک خوفناک منصوبہ بنایا تھا جس کے لیے وہ روس سے نیا اسلحہ خریدنے کے بارے میں مذاکرات کررہا تھا۔

یہ بے حد نازک موڑ تھا مگر ''امن'' اور ''موساد'' کے پاس مصر اور روس کے مابین تعلقات کی بہت کم تفصیلات تھیں۔ وہ اس کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں کہ ایک دوسرا انکشاف ان پر بجلی بن کر گرا' صدر ناصر نے اچانک اعلان کردیا کہ مصر نے چیکوسلواکیہ سے اسلحے کی خریداری کا معاہدہ کرلیا ہے۔ یہ ستمبر 1955ء تھا' پتہ چلا کہ اس معاہدے کے تحت مصر دوسو مگ 15 لڑاکا طیارے' 50 بمبار طیارے اور توپیں اور ٹینک بھی (جن کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوئی) خاصی تعداد میں حاصل کررہا ہے۔ اسرائیلیوں نے یہ معلوم کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں شروع کردیں کہ اس اسلحہ کی ڈیلیوری کب ہونے والی ہے' اس سے بھی زیادہ اہمیت

کی بات ان کے لیے یہ تھی کہ صدر ناصر اس اسلحہ کو کس انداز میں استعمال کرنا چاہتا ہے؟

ایک خیال' جس پر دونوں ایجنسیاں متفق تھیں' یہ تھا کہ ناصر فدائین کو آلہ کار بنا کر ان کے ذریعہ نجف کے جنوبی بارڈر کے اسرائیلی نوآبادکاروں کو ہراساں کرنا چاہتا ہے اور پھر انہی کی آڑ لے کر اسرائیل پر بھرپور حملہ کردے گا۔ ''امن'' اب یہ معلوم کرنے لگی کہ مصری ''ترتیب جنگ'' کیا ہوگی؟ دوسری طرف اسرائیلی جنگجوؤں مثلاً جنرل موشے دایان وغیرہ نے یہ افواہ پھیلا دی کہ ''حملہ ہوا ہی چاہتا ہے''۔ اس کی مخالفت میں اٹھنے والی آوازوں پر کوئی بھی کان دھرنے کو تیار نہ تھا۔ وزیر خارجہ مسٹر شیرت نے ''امن'' کے فطری جنگجویانہ رجحان پر اظہار تشویش کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ ایسے حقائق ہی جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں جن سے جنگ کا ناگزیر ہونا ثابت ہوجائے۔

یہوسوفات حرکابی نے جب مئی 1955ء میں ''امن'' کے سربراہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اس وقت تک اس ایجنسی کا وقار اور غرور' پچھلی ناکامیوں کی وجہ سے' خاک میں مل چکا تھا۔ وزیر دفاع پنہاس لیبون مصر کے واقعہ کی خفت کے نتیجے میں وزارت سے محروم ہوگیا تھا اور کرنل جبلی اگرچہ برطرف ہوچکا تھا مگر اس کے کئی ساتھی انٹیلی جنس کی صفوں میں اہم عہدوں پر موجود تھے۔ تاہم کرنل حرکابی نے ان کے خلاف کارروائی کرنے یا پچھلے واقعات کی مزید تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ اس سے ایجنسی میں مزید بددلی پھیل جانے کا خطرہ تھا' اس کے باوجود یہ سکینڈل دلوں میں موجود رہا اور اپنے تاثرات مرتب کرتا رہا۔ پھر بھی ''امن'' کو انٹیلی جنس کی غالب برانچ کی حیثیت حاصل رہی' اس کے نئے سربراہ نے اس کی بہت سی خامیوں پر قابو پالیا۔ وہ بڑا جہاندیدہ اور سرد و گرم چشیدہ شخص تھا جس نے 35 سال کی عمر میں ہی بے پناہ صلاحیتیں حاصل کرلی تھیں۔ فلسفہ اور عربی ادب سے اسے خصوصی شغف تھا۔ وہ اس نظریے کا پرچار کیا کرتا تھا کہ دشمن کے منصوبے دریافت کرنے اور اس کے مستقبل کے ارادے معلوم کرنے کے لیے ''اس کی کھال کے اندر گھس جانا اور اس کے تفکر کو اپنانا پڑتا ہے''۔ فلسفے کے سابق طالب علم کے طور پر وہ کہا کرتا تھا کہ فوجی مفہوم میں علم' ذہانت سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ بقول اس کے' دشمن کے ٹینک اور توپیں شمار کرنے کی بہ نسبت دشمن کے ذہن کو سمجھنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس نے عرب ریاستوں کے خلاف نئے سرے سے ممکنہ طور پر چھڑنے والی جنگوں کے ''بدترین حالات'' پر مبنی دو ضخیم کتابیں لکھیں جن میں تمام سیاسی' اقتصادی اور عسکری عوامل کو ملحوظ رکھ کر آنے والے حالات کا تجزیہ کیا گیا تھا' یہ کتابیں آئندہ

تیس سال تک محکمے کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتی رہیں۔

نئے سربراہ کو اپنے ادارے کو فعال ترین بنانے کے کام سے بھی بڑھ کر ایک اور چیلنج کا سامنا تھا' وہ یہ کہ چیف آف سٹاف موشے دایان کو کس طرح مطمئن رکھا جائے جو مصر کی فوجی تیاریوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اطلاعات اکٹھی کرنے کے لیے اسے ہر وقت دباؤ میں رکھتا تھا۔ جبکہ حالات یہ تھے کہ مصر میں ''امن'' کے ایجنٹوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی اور اس کے تجزیہ کار' زیادہ تر یورپی نژاد افسر تھے جو نہ صرف عربی زبان سے نابلد تھے بلکہ قاہرہ میں فوج کے طور طریقوں سے بھی ناآشنا تھے۔ اس لیے اسے انٹیلی جنس کے سگنلز پر ہی انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ جہاں تک حقائق جمع کرنے کا تعلق تھا' ان کے حوالے سے یہ ''امن'' کی تاریخ کا بہترین زمانہ تھا لیکن ان کی ''تعبیر''..... حرکابی کی بہترین مساعی کے باوجود' کافی غیر تسلی بخش اور غیر متاثر کن تھی۔

صدر ناصر نے جولائی 1956ء میں جونہی نہر سویز کو قومیانے کے فیصلے کا اعلان کیا' اسرائیل میں ''وار پارٹی'' سرگرم عمل ہوگئی اور اس نے ''امن'' کی منظوری سے فرانس کے تعاون سے مصر پر حملے میں پہل کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فرانس اس لیے تعاون پر آمادہ ہوا تھا کہ وہ الجزائر کے مسئلے پر ناصر سے بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ ''امن'' اور ''موساد'' نے فرانسیسی انٹیلی جنس سروسز کے ساتھ پہلے ہی گٹھ جوڑ کر رکھا تھا' مصری ڈکٹیٹر کا تختہ الٹنے پر تینوں متحد تھیں۔ چند روز بعد برطانیہ بھی ان کا اتحادی بن گیا۔ جب تیاریاں شروع ہوگئیں تو ''امن'' نے یورپی اتحادیوں کو دشمن کی ''ترتیب جنگ'' سے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کر کے ان سے خوب داد تحسین وصول کی۔

''امن'' نے مصریوں کو اسرائیلی فوج کی تیاریوں کے مقاصد کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کے لیے ڈس انفارمیشن پھیلانے کے طریقے بھی دریافت کر لیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسرائیلی ریڈیو بار بار یہ بات نشر کرتا کہ اسرائیل پرانے استعماریوں برطانیہ اور فرانس کا آلۂ کار بننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ناصر کی انٹیلی جنس سروسز کو یہ یقین بھی دلایا جاتا رہا کہ اسرائیل جارحانہ کارروائیوں میں ہرگز ملوث نہیں ہوگا۔ اس دھوکے کو تقویت دینے کے لیے یہ خبر پھیلائی گئی کہ اسرائیل میں فوجوں کی جو نقل و حرکت دکھائی دے رہی ہے' یہ اردن اور عراق کی طرف سے متوقع حملے کے مقابلے کی تیاریوں کا سلسلہ ہے۔

''موساد'' اور ''امن'' کی حقیقی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے مصر کے خلاف جنگ کے

لیے فرانس اور برطانیہ کی تیاریوں کے ضمن میں اسرائیل کے رابطوں پر پردہ ڈالے رکھا۔ یہ تیاریاں گرمیوں اور خزاں کے موسموں میں خوب زوروں پر تھیں مگر خفیہ ایجنسیوں نے' ان کی کسی غیر کے کان میں بھنک تک نہ پڑنے دی۔ صدر ناصر پر تباہ کن وار کرنے کے منصوبے کو پیرس کے قریب سیور کے مقام پر ایک انتہائی خفیہ اجلاس میں حتمی شکل دی گئی جس میں برطانیہ' فرانس اور اسرائیل کے وزراء شریک ہوئے تھے۔ منصوبے کے مطابق پہلے اسرائیل نے سینائی پر حملہ کرنا تھا پھر فرانس اور برطانیہ نے' دونوں متحارب فوجوں کو نہر سویز کے علاقے سے نکل جانے کا الٹی میٹم دینا تھا' مصر نے چونکہ اپنی فوجیں واپس بلانے سے انکار کر دینا تھا' اس لیے برطانیہ اور فرانس کی فوجوں کو مصر میں داخل ہو کر ''پولیس ایکشن'' کرنے اور نہر کو اپنے قبضے میں لینے کا موقع مل جانا تھا۔ منصوبے کا پہلا حصہ مکمل کر لیا گیا لیکن امریکہ اور روس کی طرف سے جوابی کارروائی کا انتباہ جاری ہو جانے کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس کو پسپا ہو جانا پڑا۔

اسرائیلی انٹیلی جنس ان اجلاسوں کے بارے میں سچ کو چھپانے اور ان اہم فیصلوں کو راز میں رکھنے میں اتنی کامیاب رہی کہ لندن اور پیرس میں اسرائیلی سفیر تک ان سے بے خبر رہے۔ گولڈا میئر کے سوا' جو کہ وزیر تھی وزارت خارجہ کے کسی بھی افسر کو ان کا پتہ نہیں لگنے دیا گیا۔ لیکن یہ انتہا درجے کی رازداری' جو کہ پیشہ ورانہ نقطۂ نظر سے بلاشبہ ایک قابل قدر بات تھی اس سے کچھ برے اثرات بھی پڑے۔ واشنگٹن اور ماسکو میں مقیم اسرائیلی سفیر چونکہ امریکہ اور روس میں اپنے ملک کی نمائندگی کر رہے تھے' اپنی بے خبری کی وجہ سے دو سپر پاورز کے متوقع ردعمل کی رپورٹ حل ابیب کو نہ دے سکے۔ یہ بے حد افسوسناک فروگزاشت تھی' کیونکہ انہی کے ناموافق ردعمل کے نتیجے میں سویز آپریشن ناکامی سے دوچار ہوا اور صدر ناصر کی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

✿ ✿ ✿ ✿

نازی لیڈروں کا شکار

نہر سویز پر قبضے کی مہم کی ناکامی اور برطانیہ اور فرانس کی فوجوں کی شرمناک پسپائی کے بعد اسرائیل پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ اسے یہ دن یورپی حلیفوں کی دھوکہ بازی کی وجہ سے دیکھنا پڑا ہے۔ فوج اس لیے کبیدہ خاطر تھی کہ وہ صدر ناصر کو تباہ کرنے میں بری طرح ناکام رہی جواب اس کے لیے مزید خطرناک دشمن کا روپ دھار چکا تھا۔

سیکرٹ سروس نے اپنے ابتدائی منصوبوں کی ناکامی کے بعد اپنے وجود کی افادیت منوانے کے لیے ایک دوسری مہم شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے ایجنٹوں نے کئی برسوں سے سائمن وزینتھال جیسے نازیوں کے شکاریوں (Hunters) سے رابطے قائم کر رکھے تھے۔ نازی لیڈروں نے جرمنی میں یہودیوں کی ایذا رسانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد انہوں نے فرار کے بعد لاطینی امریکہ میں سیاسی پناہ لے لی تھی اور سائمن وزینتھال جیسے لوگ ان کے شب و روز کے بارے میں اسرائیل کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ ان پر ہاتھ ڈالا جائے۔ اس کے دو مقاصد تھے ایک یہ کہ اس سے اسرائیل میں قومی خود اعتمادی بڑھے گی اور دوسرا یہ کہ دنیا کو نازیوں کی اس بربریت کی یاد دلائی جائے جس کے باعث یہودیوں کا وہاں سے بڑے پیمانے پر اخراج عمل میں آیا اور جس کی وجہ سے اسرائیل کو نئی ریاست کے قیام کی ضرورت پڑی۔

ایسر ہیرل نے اس وقت تک موساد کے سربراہ کے طور پر خود کو منوا لیا تھا' بالخصوص نازی لیڈر ایڈولف ایشمین کے بارے میں اس کا درست معلومات اکٹھی کر لینا اس کی شہرت کا باعث بن گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے لاکھوں یہودیوں کو گیس کے تنوروں میں جلا کر بھسم کر دیا تھا اور ان دنوں ارجنٹائن میں رہ رہا تھا۔ اسے زندہ پکڑ کر لانے کی پیچیدہ اور خطرناک

ترین مہم (آپریشن) دو سال میں سر ہوئی' اس کی نگرانی ایسر ہیرل خود کر رہا تھا۔ اسے مقدمہ چلانے کے لیے یروشلم لانے پر موساد کے بہت سے وسائل خرچ ہو گئے' تاہم اسرائیلی قوم کے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے یہ کوئی بڑی قربانی نہ تھی۔

اس کارنامے نے موساد کو عالمی شہرت دلانے میں قابل قدر کردار ادا کیا یا یوں سمجھ لیجئے کہ یہ اس کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ تھا' جس کے نتیجے میں موساد کو دنیا کی دلیر ترین اور فعال ترین خفیہ سروس تسلیم کر لیا گیا۔ اور وہ کیسے لمحات تھے کہ ایسر ہیرل' جس کا نام بطور سربراہ تنظیم کبھی پرنٹ نہیں ہوا تھا اور نہ کبھی عوامی سطح پر اس کا ذکر ہوا تھا' اسرائیلی پارلیمنٹ میں بیٹھا وزیراعظم بن گورین سے اپنے مشن کی کامیابی پر خراج تحسین وصول کر رہا تھا۔ یہ مئی 1960ء کا ایک دن تھا' بن گورین اٹھا اور اس نے کہا:

''میں آج نیسٹ کو مطلع کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر پہلے نازی جرائم پیشہ افراد میں سے ایک کو اسرائیلی سیکورٹی سروس نے ڈھونڈ نکالا ہے۔ یہ ایڈولف ایشمین ہے جو ان نازی لیڈروں میں سے ہے' جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ وہ سلوک کیا جسے وہ اپنی زبان میں ''یہودیوں کے مسئلے کا آخری حل'' کہا کرتے تھے' یعنی یورپ کے ساٹھ لاکھ یہودیوں کے وجود کو مٹا دینا' ان کے نزدیک مسئلے کا آخری حل تھا۔ ایڈولف ایشمین' اسرائیل میں زیر حراست ہے' اسے عنقریب عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور اس پر ''نازیز اینڈ نازی کولابوریٹرز (پنشمنٹ) لا'' مجریہ 1950ء کے تحت مقدمہ چلے گا۔

مقدمہ چلا تو ایشمین کو سزائے موت سنا کر پھانسی دے دی گئی۔ اس واقعہ سے بہت سے سوالات اٹھے۔ جن پر اسرائیل کے اندر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی' بہت تفصیلی بحث مباحثہ ہوا۔ اور پوچھا گیا کہ کیا ایک معمر شخص کو مبینہ مظالم کے کئی سال بعد اغوا کر کے لے آنا اور اس پر مقدمہ چلانا اخلاقی طور پر درست ہو سکتا ہے؟۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح تھی کہ ارجنٹائن سے خفیہ آپریشن کے ذریعہ' اور وہاں کی حکومت سے اجازت لیے بغیر کاروائی کرنا' بین الاقوامی قانون اور طریق کار کی خلاف ورزی تھی۔ تاہم اس بات کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا کہ موساد نے مشن کے تکمیل میں اور اپنے طرز عمل میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ اس کے ارکان نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص سنگین جرائم کا مرتکب ہوا تھا' ان کی پاداش

میں اسے قتل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسر ہیرل نے اس بات کے سخت احکامات جاری کیے تھے کہ اگر ٹیم ایک شہری کو گرفتار کرتے ہوئے پکڑ لی جائے تو اسے ایشمین کو ہتھکڑی لگی ہوئی صورت میں ارجنٹائن کے کسی سینئر افسر کے سامنے پیش کر کے بتا دیا جائے کہ یہ کون شخص ہے؟ ہیرل نے اپنی کتاب ''دی ہاؤس آف گیری بالڈی سٹریٹ'' میں جو پندرہ سال بعد کابینہ کی اجازت سے شائع ہوئی' اس کامیاب منصوبہ کی تفصیل بتائی ہے۔ بتایا گیا کہ اس مہم کو سر کرنے کے لیے گیارہ مردوں اور ایک عورت کو مامور کیا گیا جنہیں ایک سپیشل یونٹ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس میں ایک گھریلو عورت کا کردار بھی تھا جو ''ڈینارون'' نامی ایک لیڈی ایجنٹ نے ادا کیا۔ تاکہ وہ نصف درجن مکانات جو ارجنٹائن میں کرائے پر حاصل کیے گئے تھے ان کے عام قسم کے گھر ہونے کا تاثر دے سکے۔ وہ کرایہ دار کی گرل فرینڈ کے طور پر ان میں سے ایک مکان میں مقیم تھی۔ دو سپیشلسٹ بھی بھرتی کیے گئے' جن میں سے ایک کا نام ہیرل کی کتاب میں شیلوم ڈانی بتایا گیا وہ جعلی دستاویزات تیار کرنے کا ماہر تھا۔ دوسرا شخص میک اپ کا ماہر تھا۔ یہ بات بڑی اہمیت رکھتی تھی کہ اس اوور سیز یونٹ کے پاس بہت سے شناختی کاغذات ہوں اور شخصیتوں کو فوری طور پر تبدیل کرنے کے انتظامات بھی ہر وقت موجود رہیں۔ کیونکہ سب سے مشکل کام ایشمین کا سراغ لگا کر اس قابو کرنا نہیں تھا' بلکہ یہ تھا کہ ارجنٹائن کے حکام کو پتہ نہ چلنے دیا جائے کہ موساد ان کے ملک میں کسی کام میں لگی ہوئی ہے۔

یہ بات بھی انہونی تھی کہ موساد کے سربراہ نے خود لاطینی امریکہ میں جا کر معاملے کا چارج سنبھالا اور اس نے اپنی شناخت کو خفیہ رکھنے کے لیے بیحد احتیاط کا مظاہرہ کیا اور ٹیم کے دیگر ارکان کو بھی ناقابل شناخت رہنے کی تلقین کرتا رہا' ٹیم کے دیگر ارکان کو بھی ناقابل شناخت رہنے کی تلقین کرتا رہا' یہ ٹیم سیکورٹی سروس کی مختلف شاخوں میں سے خوب دیکھ بھال کر کے منتخب کی گئی تھی' اس لیے ہر شخص اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ہیرل نے اس امر کا خصوصی اختیار حاصل کیا تھا کہ اسرائیل کی قومی ایئر لائن ''ایل آل'' قیدی کو تل ابیب پہنچانے کے لیے اس کے ساتھ پورا تعاون کرے گی۔ اس مقصد کے لیے اس نے برطانیہ کے ایک خصوصی طیارے کو استعمال کیا جو اسرائیلی وزیر خارجہ ابا ایبان کو لینے کے لیے بیونس آیرز گیا تھا تاکہ اسے ارجنٹائن میں آزادی کی تقریبات میں شرکت کے لیے لایا جا سکے۔ ایشمین کو بالآخر امیگریشن حکام کے سامنے سے' اس حالت میں گزارا گیا کہ وہ سخت نشے میں تھا اور اس نے ''ایل آل'' کے عملہ کے رکن کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ موساد نے اس کا اہتمام بھی کر رکھا تھا کہ

اگر آخری لمحات میں سوالات کیے جائیں تو وہ پہلے سے تیار کردہ میڈیکل پیپر پیش کر دیں کہ عملے کا یہ فرد بیمار ہونے کی وجہ سے کوئی جواب دینے سے قاصر ہے۔ موساد نے ہر مرحلے کی چیکنگ کے لیے ایسے بے خطا ثبوت تیار کر لیے تھے کہ اس کا ہر تیر نشانے پر بیٹھتا رہا۔

اس مشن کو شہرت ملنے سے موساد کو اندرونی اور بیرونی طور پر بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اس کے کارکنوں کے حوصلے بلندیوں کو چھونے لگے۔ سیکرٹ سروس کے افسروں کو اپنے شعبے سے خواہ کتنی ہی دلچسپی کیوں نہ ہو' ان کے لیے اخفا کے ماحول میں زیادہ عرصہ کام جاری رکھنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ بعض صورتوں میں مہینوں نہیں بلکہ سالہا سال دوستوں اور رشتہ داروں سے منقطع ہو کر کام کرنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے کنٹرولر سے بھی دور رہتے ہیں۔ لہٰذا انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے بارے میں کیا رائے قائم ہو رہی ہے' مذمت ہو رہی ہے یا تعریف و توصیف کے ڈھول پیٹے جا رہے ہیں۔ البتہ موساد میں یہ روایت تھی کہ جب کوئی بڑا کارنامہ ہو جائے تو صرف سپاہیوں کو بلا کر ان کی کارکردگی کا اعتراف کر دیا جاتا۔ ایشمین کے واقعہ کو شہرت ملنے سے نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد کے دلوں میں اس سروس میں شامل ہونے کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

روسی جاسوس کی گرفتاری:

جاسوس اداروں کے نگرانوں کی زندگی میں آنے والے نشیب و فراز کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی واقعہ رونما نہیں ہو سکتا تھا۔ موساد ایشمین کے معاملے میں اپنی کامیابی کی خوشیاں منا رہی تھی کہ مارچ 1961ء کی ایک شام ہیرل کو گھر سے نکل رہا تھا کہ ایک ٹیلی فون آ گیا' اس نے دوبارہ گھر میں داخل ہو کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اس کا ہم منصب' ہوم سیکورٹی برانچ کا سربراہ بول رہا تھا جو ایک روسی سفارت کار کی نقل و حرکت کی نگرانی سے متعلق اسے رپورٹ دینا چاہتا تھا' رپورٹ یہ تھی کہ اس سفارت کار کو لوگوں نے گلی میں سے گزرتے ہوئے ''ایک شخص'' کو سیاہ رنگ کا بریف کیس تھماتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ شخص ''اسرائیل بیر'' تھا جو ایک ریزروسٹ کرنل تھا اور وزیر اعظم کے دفاعی مشیر کے طور پر فرائض انجام دے رہا تھا۔ ان دنوں وہ جدوجہد آزادی کی سرکاری ہسٹری مرتب کرنے پر مامور تھا' اس کا اپنا دفتر وزارت دفاع کے اندر تھا اس سے بھی بڑی آزمائش یہ تھی کہ وہ ڈیوڈ بن گورین کا انتہائی معتمد اور اس کا ذاتی دوست بھی تھا۔ انٹیلی جنس کے سربراہ کے لیے اس سے زیادہ مشکل اور نازک کام کیا ہو سکتا

ہے کہ وہ وزیراعظم کو رپورٹ پیش کرے کہ آپ کا اتنا گہرا دوست دشمن کا جاسوس ہے۔

موساد اور شین بتھ' کافی عرصے سے ''اسرائیل بیر'' کی مشکوک سرگرمیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں اور اسر ہیرل تو واضح طور پر اس کے بارے میں اظہار نفرت کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں اب تک کی تحقیقات سے' اس کے معمولی تنخواہ میں مسرفانہ زندگی گزارنے کے شواہد بہت پہلے جمع ہو چکے تھے مگر اب شین بتھ کے پاس اس کی سرگرمیوں کا ٹھوس ثبوت بھی موجود تھا۔ ''بیر'' کو روسی ایجنٹ جو بریف کیس گرفتاری کے وقت واپس دے رہا تھا' اس میں کچھ خفیہ کاغذات تھے ان میں بن گورین کی سرکاری ڈائری بھی تھی جس کی فوٹو کاپیاں بنوالی گئی تھیں۔ ''بیر'' نے فوراً اعتراف کر لیا کہ وہ سویز کی جنگ کے زمانے سے روس کے لیے جاسوسی کر رہا تھا۔

وزیراعظم کو جب یہ خبر سنائی گئی تو اس نے غمگین لہجے میں حکم دیا — ''آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیں'' لیکن اس میں کچھ برہمی بھی ظاہر ہو رہی تھی۔ کیونکہ جب شروع میں اس کے سامنے اس کے دوست کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا تھا تو اس نے اس کی نگرانی کرنے کی ممانعت کر دی تھی' اور وہ یہ بات ماننے پر تیار نہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن اب اتفاقاً وہ بالکل موقع پر پکڑا جا چکا تھا لہٰذا وزیراعظم بے بس تھا۔

مقدمہ چلا تو ''بیر'' نے حقائق کی تردید کرنے کی بجائے اپنے اقدامات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ وہ اسرائیل کو مغربی سامراجی قوتوں کا پٹھو بننے سے روکنا چاہتا تھا اور اسے اپنا فرض سمجھ رہا تھا۔ اسرائیل کو روس کا حلیف بننا چاہیے۔ عدالت نے اسے دس سال قید کی سزا سنا دی۔ استغاثہ کی جانب سے اپیل پر' سزا بڑھا کر پندرہ سال کر دی گئی۔ ''بیر'' نے اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے ایک کتاب بھی لکھ ماری۔ اس نے جو اپنے واقعاتِ زندگی بتائے وہ تضادات اور مغالطوں کا شاہکار تھے۔ موساد کے لیے اس کے موقف کو غلط ثابت کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ لیکن وہ اس کی اصلیت سے پوری طرح باخبر نہ تھی۔ یہ بات اگرچہ سامنے آ چکی تھی کہ اصل آسٹریلوی باشندہ جس کا نام ''اسرائیل بیر'' تھا' 1938ء میں غائب ہو گیا تھا اور اسی سال ایک آدمی اسی نام کو استعمال کرتے ہوئے فلسطین آ گیا تھا۔ اس سے اس خیال کو تقویت ملی کہ اسے یورپ سے آنے والی انسانوں کی ایک بڑی کھیپ کے ہمراہ اسرائیل کے اندر داخل کرا دیا گیا تاکہ روس کے کام آ سکے۔ بعد ازاں وہ کسی طریقے سے اسرائیلی حکومت کے اہم لوگوں میں شمار ہونے لگا۔

ڈیوڈ بن گورین اپنے سابق دوست کے بارے میں نئے نئے انکشافات سن کر اتنا پریشان ہوا کہ اس نے ایسر ہیرل کو کبھی معاف نہ کیا' کیونکہ ''بیر'' کے بارے میں اس کے سارے خدشے' ایک ایک کر کے درست ثابت ہو گئے تھے۔ اس واقعے نے وزیراعظم اور موساد کے سربراہ کے درمیان اتنی تلخیاں گھول دیں کہ وہ دوبارہ کبھی خندہ پیشانی سے ایک دوسرے کو نہ مل سکے' اس طرح ایسر ہیرل' ماضی کی سی خود اعتمادی اور ڈیوڈ بن گورین کی زبردست پشت پناہی سے محروم ہو گیا۔ درحقیقت یہ واقعہ ہیرل کے دورِ عظمت کے خاتمے کا آغاز بن گیا تھا۔ وزیراعظم کی یادداشت میں یہ واقعہ تازہ ہی تھا کہ مصر اور جرمنی کے درمیان فنی تعاون کی افادیت کے تعین (Assessment) کے مسئلے پر دونوں کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ جرمن سائنسدان قاہرہ میں بیٹھے مصر کے دفاعی نظام کو موثر بنانے کے لیے کام کر رہے تھے' وزیراعظم نے موساد کے سربراہ سے اس کی ''اسسمنٹ'' مانگی' اسے جو ''جواب'' ملا' وہ اس پر مطمئن نہ تھا' چنانچہ اس کے دل میں چھپی رنجش نے ایسر ہیرل کے زوال کی رفتار تیز تر کر دی۔

✿ ✿ ✿ ✿

جاسوس اداروں کے مابین تصادم

ابتدائی سالوں میں جب مصر اسرائیل کا خوفناک ترین دشمن دکھائی دے رہا تھا' موساد نے وہاں جن جاسوسوں کو بھیجا ان میں سے ایک بیحد نڈر اور ڈھیٹ شخص ''وولف گینگ لوٹز'' تھا' اس نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ اس کا نام ہی کامیابیوں کا عنوان بن گیا' بعدازاں اس نے اپنے کارناموں پر ایک کتاب بھی لکھ دی' جس سے اس کی شہرت دو چند ہو گئی' کتاب کا نام ''شرابی جاسوس'' ("The Champagne Spy") تھا۔

لوٹز ایک یہودی ماں کا بیٹا تھا' جو ایک یہودی ایکٹریس تھی اور اس نے ایک آریائی نسل کے جرمن تھیٹر ڈائریکٹر سے شادی کی تھی وہ 1933ء میں جرمنی سے فرار ہو کر یروشلم پہنچی تھی اور اسرائیل میں آباد ہو گئی۔ اس کا بیٹا جوان ہوا تو مشرق وسطیٰ میں برٹش آرمی میں بھرتی ہو گیا۔ فوجی زندگی اسے بے حد پسند تھی اس لیے وہ خوب مستعدی سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا تھا۔ جرمن زبان خوب روانی سے بولتا تھا' اس پر اسے جلد سینئر نان کمشنڈ افسر (SNCO) کا عہدہ دے کر افریقہ سے لائے گئے جنگی قیدیوں کا تفتیشی افسر مقرر کر دیا گیا۔ بعدازاں اپنے اس فوجی پس منظر کی بنا پر وہ اسرائیل کی زیرزمین آرمی ''ہگانہ'' میں شامل ہو گیا۔ آزادی ملنے کے بعد وہ باقاعدہ اسرائیلی ڈیفنس فورس (IDF) میں بطور میجر بھرتی ہو گیا۔ ملٹری انٹیلی جنس کے حکام نے اس کے آریائی نقوش اور جرمن زبان روانی سے بول سکنے کی صلاحیت سے متاثر ہو کر اسے اپنے لیے بڑے کام کا آدمی سمجھا' اور فوراً اپنی صف میں شامل کر لیا۔ ان دنوں اسرائیلی سابق نازی سائنسدانوں کی سرگرمیوں سے بہت خائف تھے جو صدر جمال عبدالناصر کے لیے کام کر رہے تھے۔ مصری حکام نے بہت سے غیرملکی ایئرکرافٹ انجینئروں اور مزائلوں کے جرمن ماہرین کی خدمات حاصل کی تھیں تاکہ مستقبل میں اسرائیل کے خلاف لڑی جانے

والی جنگوں میں استعمال کے لیے اچھے سے اچھا اسلحہ تیار کیا جا سکے۔ اسرائیل کے گرد خطرے کے بادل تو ویسے بھی منڈلا رہے تھے مگر اپنے پرانے دشمن جرمنوں کو مصر میں مصروف پا کر ان کا خوف مزید بڑھ گیا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سابق نازیوں اور اہل مصر کا یہ اتحاد' جرمنی کی یہود دشمن پالیسی (Anti-Semitism) کا تسلسل ہے اور اب ہمیں ہٹلر کی جگہ ناصر جیسے دشمن سے پالا پڑنے والا ہے۔ نازی فوج کے کئی آفیسر جو بیروزگار ہو چکے تھے مصری فوج میں بطور انسٹرکٹر ملازمت کرنے لگے تھے' پھر ان کے پیچھے پیچھے جرمن سائنسدان وہاں جا پہنچے' انہیں بھی ہاتھوں ہاتھ لے لیا گیا۔ جرمنی کے بہت سے راکٹ انجینئر جو زمانہ جنگ میں مزائل تیار کیا کرتے تھے انہیں روس اور امریکہ نے بھرتی کر لیا تھا مگر جو ان کے ہم پلہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں ملازمت نہ پا سکے تھے' انہیں مصر نے بھرتی کر لیا۔

وولف گینگ لوٹز بطور سابق فوجی افسر' جرمن سائنسدانوں کے گروپ میں گھس جانے کے لیے موزوں ترین شخص تھا۔ اسے قاہرہ میں جاسوس کے طور پر استعمال کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ جنرل رومیل کی 115 ویں ڈویژن کے افسروں کے تفتیشی اہلکار کی حیثیت سے اس یونٹ کے بارے میں اسے خاصا تجربہ حاصل تھا۔ اس کے لیے اس ڈویژن کا سابق اہلکار ہونے کا سوانگ بھرنا آسان تھا۔ عمومی طریق کار کے برعکس اسے ہدایت کی گئی کہ وہ اپنا حقیقی نام ہی استعمال کرے کیونکہ اگر اس کی ماں کا یہودی ہونا چھپا لیا جائے تو اس کا برتھ سرٹیفکیٹ اور دیگر شناختی دستاویزات اس کے جرمن ہونے کی پوری طرح تائید کرتی تھیں۔ اپنی زندگی کی اس سوانگ کہانی کو مزید تقویت دینے کے لیے اس نے ''والڈراٹ نیومین'' سے شادی کر لی جو دیکھنے میں بالکل جرمن لگتی تھی۔ اس سے اس کی ملاقات ''اورینٹ ایکسپریس'' میں اکھٹے سفر کے دوران ہوئی تھی۔

اس شناخت کی مزید عملی ''تصدیق'' اس وقت ہو گئی جب موساد کے سربراہ ایسر ہیرل نے عمان سے ''قاہرہ آپریشن'' کا چارج سنبھالنے کے بعد مغربی جرمنی کی جاسوس تنظیم سے تعاون کا معاہدہ کر لیا۔ یہ تنظیم دوسری عالمی جنگ کے بعد کے برسوں میں جنرل گیہلن نے قائم کی تھی اور چند مشترکہ مقاصد کے تحت یہ تنظیم' قاہرہ میں موجود سابق نازیوں کے سلسلے میں اسرائیل سے تعاون پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ اس معاہدے کے تحت ''لوٹز'' کو باویریہ (مغربی جرمنی) کے ایک خاص ادارے میں جاسوسی کی تربیت دلائی گئی۔ اسے وہاں کے اعلیٰ افسروں سے ملوایا گیا جو تعارفی خطوط اور دستاویزات دی گئیں ان میں اس کی نئی شناخت کی مزید توثیق ہو گئی۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد لوٹز ایک عربی بولنے والے ''جرمن'' کی حیثیت سے قاہرہ پہنچا۔ جہاں وہ کافی ذاتی وسائل رکھنے والے شخص کے طور پر وارد ہوا اور ''ہیلو پولس'' میں ایک حویلی نما مکان لے کر رہنے لگا۔ اس کا اگلا قدم یہ تھا کہ اس نے زمالک ضلع میں عربی نسل کے گھوڑوں کا ''سنڈ فارم'' قائم کر لیا۔ اس کام کے بل بوتے پر اس نے جزیرہ میں کیواری کلب کی ممبر شپ حاصل کر لی اور شہسواری کے شوقین اعلیٰ درجے کے مصریوں سے روابط استوار کر لیے۔ اس طرح بین الاقوامی برادری کا فعال رکن بن گیا۔ وہ اس ''کردار'' کو اپنے مزاج سے بے حد ہم آہنگ پاتا تھا اور اس نے اسی امیر طبقے کا لائف سٹائل بھی اپنا لیا۔ ساتھ ہی اسے تمسخرانہ طمانیت بھی حاصل ہوئی کہ وہ ایک نازی ہونے کے باوجود یہودی انٹیلی جنس افسر کا روپ نباہ رہا ہے۔ اس کا ممتاز و متمول جرمنوں کے گھروں میں پرجوش خیر مقدم کیا جاتا تھا جس کے جواب میں وہ ان کے اعزاز میں پرتکلف پارٹیوں کا اہتمام کرتا اور اپنے افسروں کے فراہم کردہ فنڈز خوب دل کھول کر خرچ کرتا۔ ''سنڈ فارم'' سے اس کی آمدنی محدود تھی۔ وہ اس لیے ٹھیک نہیں چل رہا تھا کہ اسے صرف جاسوسی کے فن میں ہی اچھی مہارت حاصل تھی' فارم کے اکاؤنٹس اس کے بس کی بات نہیں تھے۔ تل ابیب کا باریک بین اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ' اس سے اخراجات کا رسیدوں کی مدد سے ثبوت مانگتا مگر وہ انہیں مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ناؤنوش پر اٹھنے والے اخراجات کو جواباً حاصل ہونے والے انٹیلی جنس مواد کے حوالے سے جائز سمجھتا تھا اور اپنے اعلیٰ حکام کو ان کی توقع سے بڑھ کر خفیہ اطلاعات مہیا کر رہا تھا۔ یہ عجیب ٹریفک چل رہی تھی' اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ اس کی کھٹ پھٹ تھی مگر اس کے جاسوسی کے شعبے کے افسر اس سے بیحد مطمئن تھے۔

لوٹز کو جو کام سونپا گیا تھا اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ گھوڑ سواری کے سکول کے ذریعہ قائم ہونے والے سماجی رابطوں کے بل بوتے پر اعلیٰ افسروں کی سوچ اور ان کے رویوں کے بارے میں گہری واقفیت حاصل کرے۔ اسے خاص طور پر مصری انٹیلی جنس کے سربراہ کرنل عبدالرحمان سے دوستانہ تعلقات کے قیام کی ہدایت کی گئی۔ چھ ماہ بعد جب وہ اپنے آقاؤں سے صلاح مشورے کے لیے یورپ پہنچا تو اس نے انہیں دیگر معاملات کے علاوہ یہ رپورٹ بھی دی کہ مصری پولیس کے سربراہ اور انتہائی موثر شخصیت جنرل یوسف علی غراب کے ساتھ بھی اس کے بہترین روابط قائم ہو چکے ہیں۔ راکٹوں کے اڈوں کے سکیورٹی کے سربراہ جنرل فواد عثمان سے ذاتی مراسم اس حد تک ہو چکے ہیں کہ اس نے اسے' بقول اس کے' بینائی میں

نصب سام میزائلوں کا اڈہ دیکھنے کی بھی دعوت دیدی اور ایک میزائل کے ساتھ کھڑا کر کے اس کی تصویر بھی بنوا دی ہے۔ موساد نے یہ باتیں سن کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور اسے نیا کام یہ سونپا کہ وہ مصر کے راکٹ پروگرام کی تفصیلات اکٹھی کرنے' خفیہ اداروں اور غیر ملکی ٹیکنیشنوں کے نام معلوم کر کے ان کے ذاتی ریکارڈز بھی مہیا کرے۔ لوٹز میں واحد کمزوری یہ تھی کہ وہ اعلیٰ درجے کے کلبوں میں بیٹھ کر گپ شپ کے دوران سنی سنائی اور اڑتی ہوئی تو بہت سی باتیں اکٹھی کر سکتا تھا مگر یہ جاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا کہ اس مواد کی حقیقی قدر و قیمت کیا ہے اور ان باتوں کی تعبیر و تشریح کیا ہو سکتی ہے؟

لوٹز میدان میں ایسے نازک وقت سرگرم ہوا تھا جب پرانے حریفوں ''موساد'' اور ''امن'' کے درمیان تعلقات بیحد کشیدہ تھے۔ اس کے افسر اعلیٰ ایسر ہیرل اور ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ ''مائرامیت'' کے درمیان ان دنوں اختلاف اس وجہ سے تھا کہ جرمن ماہرین مصر میں آجکل جو کام کر رہے ہیں اس سے اسرائیل کے لیے حقیقتاً کتنا خطرہ ہے؟ مصری حکام نے جولائی 1962ء میں چار آزمائشی میزائل داغے تھے دو کا رینج 175 میل اور دوسرے دو کا 350 میل تک تھا اور صدر ناصر نے فخر سے اعلان کیا تھا کہ اس کے میزائل بیروت کے جنوب میں ہر ہدف کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس اعلان سے اسرائیل خوفزدہ ہو گیا تھا وہ خاص طور پر اس لیے بھی ہراساں ہوا کہ موساد کی فائلوں میں ان میزائلوں کی کوئی تفصیلات موجود نہیں تھیں۔

''مائرامیت'' نے نہایت تلخ لہجے میں پوچھا ''ہم انٹیلی جنس پر اتنا بھاری بجٹ کیوں خرچ کر رہے ہیں' اگر ہمیں اطلاع صرف جمال ناصر کی پبلک تقریر ہی سے حاصل کرنی ہے؟ اس کے لیے تو ایک ٹرانزسٹر ریڈیو ہی کافی تھا؟'' — اس سے پہلے وہ متعدد بار یہ بھی کہہ چکا تھا کہ موساد ''ایشمین آپریشن'' کی کامیابی پر ڈھنڈورہ پیٹنے میں اتنی مصروف رہتی ہے کہ اس کے پاس ہمسایہ عرب ریاستوں کے فوجی خطرات کا جائزہ لینے کے لیے وقت ہی نہیں بچتا۔

ہیرل ان طعنوں سے بیحد برافروختہ تھا' اس نے ایک مہینے کے اندر اندر وزیراعظم بن گورین کو مصر کے راکٹ پروگرام کی پوری رپورٹ دیدی' جس کا زیادہ تر حصہ ''لوٹز'' کی دی ہوئی اطلاعات پر مبنی تھا۔ ''لوٹز'' نے نہ صرف میزائل کنٹرول کے نظاموں کے ڈیزائن اور پروجیکٹ نمبر 332 کے تمام بلیو پرنٹس فراہم کر دیئے تھے بلکہ ان جگہوں کا جغرافیائی محل وقوع بھی بتا دیا تھا جہاں راکٹ ''اسمبل'' ہوتے تھے۔ مگر اب رپورٹ کے کلیدی اجزا ایک خط سے

ملے تھے جو ایک جرمن سائنسدان پروفیسر وولف گینگ پلز نے فیکٹری کے مصری ڈائریکٹر کامل اڈاب کو لکھا تھا۔ اور نوسو راکٹوں کی قیمت کے طور پر 35 لاکھ سوئس فرانک طلب کیے تھے۔ اس خط و کتابت اور دیگر معلومات سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ صدر ناصر اسرائیل پر راکٹوں کی بارش کر دینا چاہتا تھا۔ یہ بات شکی مزاج ''مائرامیت'' پر ہی چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ اس سے کیا مطلب لیتا ہے۔ لوٹز کی رپورٹ میں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں کیونکہ دشمن مزائلوں کے لیے گائیڈینس سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان ہے' جب تک اس کے پاس یہ سسٹم نہیں آتا وہ کامیاب حملہ نہیں کر سکے گا۔

انہی دنوں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ آسٹریا کا ایک سائنسدان ٹہلنے کے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا ایک یورپی ملک کے اسرائیلی سفارت خانے میں یہ اطلاع لے کر پہنچا کہ مصر ایک ''غریب آدمی کا بم'' (Poor Man`s Bomb) بنا رہا ہے' جس میں سٹرانشیم (Strontium) اور کوبالٹ کا ایٹمی فضلہ استعمال ہوتا ہے' یہ نہایت کم لاگت سے تیار ہو گا' اگر مصر اسے بنانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اس سے اسرائیل کو تہس نہس کر دے گا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس منصوبے سے اس لیے آگاہ ہوا ہے کہ وہ دو خفیہ پروگراموں کے لیے مواد مہیا کر رہا ہے' ایک پروگرام کا اشاراتی نام ــــ ''کلوپطرہ'' (Cleopatra) اور دوسرے کا نام ''لق لق'' (IBIS) رکھا گیا ہے۔

مصر میں ایٹمی سائنسدانوں کا قتل:

اول الذکر پروگرام کا مقصد ایٹم بم تیار کرنا اور دوسرے کا مقصد ایک تابکار ہتھیار بنانا تھا۔ اس نئی صورتحال نے ایسر ہیرل کو جرمن سائنسدانوں کے خلاف انتہائی سخت کاروائی پر مجبور کر دیا۔ اس کے لیے اس نے ایک خاص قسم کا ''ایمونیشن'' خریدا جس کے استعمال کے طریق کار کو ''آپریشن ڈیموکلیز'' کا نام دیا گیا۔ اس کی باقاعدہ منظوری ستمبر 1962ء میں ملی۔ چنانچہ اسرائیلی انٹیلی جنس نے قتل اور دہشت گردی کے دور کا آغاز کر دیا۔

لوٹز نے قاہرہ سے جو رپورٹیں بھیجنا شروع کیں ان میں سے بعض جاکلک (Joklik) کی سٹوری پر مبنی گپ شپ کا حصہ ہوتی تھیں مگر اس کی اصل سٹوری بڑی اہم تھی۔ اسے ہیڈکوارٹر سے حکم ملا کہ وہ مصر میں کام کرنے والے 50 جرمن سائنسدانوں کو دھمکی آمیز خطوط لکھے۔ خطوط کے بعد ان دھمکیوں پر عمل درآمد کا مرحلہ شروع ہو گیا۔ پہلا قدم یہ تھا کہ

ایک روز میونخ میں ڈاکٹر ہینز کرگ ایک اجنبی کے ہمراہ ایک راکٹ پر چیزنگ کمپنی کے دفتر سے باہر نکلا' لیکن دوبارہ کبھی واپس نہ آ سکا۔ چند دن بعد ایک گمنام ٹیلی فون کال آئی کہ وہ مردہ پایا گیا ہے۔ دوسرا قدم دو ماہ اٹھایا گیا۔ وہ یہ کہ فیکٹری نمبر 333 میں جہاں میزائل اسمبل ہوا کرتے تھے ایک پارسل موصول ہوا اور تھوڑی دیر بعد پھٹ گیا جس سے ایک سیکرٹری بری طرح زخمی ہو گیا۔ اسی قسم کے دو دیگر پارسل بم پھٹنے سے راکٹ پروگراموں سے منسلک ایک فرم کے پانچ افراد ہلاک ہو گئے۔ ایک جرمن ماہر الیکٹرانکس پر کسی نامعلوم شخص نے گولی چلا دی تاہم وہ بال بال بچ گیا۔

جاکلک سے موساد نے کافی اہم کام لیے تھے اب اس سے نیا کام یہ لیا گیا کہ اس کے ذریعہ پروفیسر پال گورکے (Goerke) کو میزائل فیکٹری میں کام ترک کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ جاکلک نے پروفیسر کی بیٹی ہیڈی (Heidi) سے' جو سوئٹزرلینڈ میں رہتی تھی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا' بعدازاں ایک شخص جوزف بینگل نے ان سے ملاقاتیں شروع کر دیں' یہ شخص موساد کا کارندہ تھا' اس نے خود کو اسرائیل کے محکمہ تعلیم کا افسر ظاہر کیا۔ ان دونوں نے ایک روز ہیڈی کو باتوں ہی باتوں میں بتایا کہ تمہارے والد کے لیے تو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے' البتہ وہاں کا سائنسدان ڈاکٹر پلز (Pilz) بہت خطرے میں ہے اور وہ بالکل رحم کا مستحق نہیں ہے۔ ہیڈی یہ بات سن کر خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے ازراہ احتیاط سوئٹزرلینڈ کی پولیس کو اطلاع کر دی۔ پولیس نے اس سے ملاقات کے لیے آنے والوں کی نگرانی شروع کر دی اور پھر موساد کے دو نمائندوں کو گرفتار بھی کر لیا جو زیورچ میں اسرائیلی قونصلیٹ کے قریب ہی سے پکڑے گئے تھے۔ مغربی جرمنی نے فوری طور پر ان دو افراد کی حوالگی کا مطالبہ کر دیا کیونکہ ان پر ''اقدام قتل'' کا الزام تھا۔

اس سے سنگین بحرانوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا جو اسرائیل کے جوشیلے جاسوسوں کی کارستانی تھی۔ ایسر ہیرل ایک باصلاحیت شخص تھا اور بحرانوں سے نمٹنا بھی جانتا تھا مگر طبعاً بڑا غصیلا تھا' برافروختہ ہو جانے کی وجہ سے اس کی دماغی صلاحیتیں جواب دے جاتی تھیں۔ اس نے جرمنی کی طرف سے اس مطالبے کو اسرائیل کے خلاف جرمنوں کی بہت بڑی سازش کا حصہ سمجھ لیا جو مبینہ طور پر سابق نازیوں نے تیار کی تھی چنانچہ وہ حتمی طور پر اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ ان دو یہودی ایجنٹوں کی حوالگی کا مطالبہ نازیوں کی روایتی اسرائیل دشمنی کا حصہ ہے۔

موساد کا سربراہ' واقعات کو اس روشنی میں دیکھنے والا تنہا شخص نہ تھا اسے گولڈا میئر

اور بعض اراکین کابینہ کی سوچ سے بھی مدد ملتی رہتی تھی مگر دوسری طرف وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین نے آئندہ حالات پر نظر رکھی ہوئی تھی اس کی سوچ' ان سے کافی مختلف تھی وہ فرانس اور مغربی جرمنی' دونوں سے اچھے تعلقات کا خواہش مند تھا اور مغربی جرمنی سے خاص طور پر دوستی کا خواہاں تھا کیونکہ یہ ملک نہ صرف بہت بڑی اقتصادی قوت تھا بلکہ بین الاقوامی امور میں بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس لیے وہ مغربی جرمنی کی مدد سے مصر میں جرمن شہریوں کے ساتھ حالت جنگ جیسی سرگرمیوں کو سفارتی ذرائع سے ختم کرنا چاہتا تھا۔

اس پالیسی کی وجہ سے وزیراعظم اور ایسر ہیرل کے درمیان شدید کشمکش شروع ہوگئی مائرامیت وزیراعظم کی حمایت میں تھا۔ دونوں کے درمیان سخت الفاظ کا تبادلہ ہوا۔ ہیرل نے اپنے مخالفین پر جرمنوں سے دوستی کی خاطر ملکی سالمیت کو خطرے میں ڈالنے کا الزام لگایا۔ اسے مصر کی جنگ کی سی تیاریوں کے بارے میں مائرامیت کے سطحی رویئے اور وولف گینگ لوٹز کی رپورٹوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے پر سخت غصہ تھا' خاص طور پر یہ رائے ظاہر کرنے پر تو وہ آگ بگولا ہوگیا تھا کہ ''مصر اتنا سستا ایٹم بم اور اتنا کم قیمت مزائل بنانے میں کامیاب ہوگیا ہے''؟ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ ''اگر لوٹز کی رپورٹیں صحیح ہیں تو پھر مصر پوری دنیا پر قبضہ کرنے والا ہے۔''

جھوٹی خبریں پھیلانے کی مہم:

ہیرل لڑنے مرنے پر تیار نظر آتا تھا' وہ اپنی حدود سے نکل کر اب سیاست بازی پر تل گیا جو ایک جاسوسی تنظیم کے سربراہ کے لیے بہت خطرناک کھیل تھا۔ اس نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ڈس انفارمیشن اور جعلی خبریں پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا' جن میں کہا جا رہا تھا کہ ''جرمن' مصریوں کے لیے بڑا خطرناک اسلحہ تیار کر رہا ہے' وہ صرف راکٹ ہی نہیں بلکہ کیمیکل وار کا مواد بھی بنا رہا ہے' یہ موت کی شعاعیں ہوں گی جس سے اسرائیل صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے گا۔'' تل ابیب کے اخبارات کے ایڈیٹروں کو بھیانک خبریں سنانے کے لیے خطرناک بریفنگ کا اہتمام ہونے لگا۔ موساد نے مغربی جرمنی کے سائنسی اداروں میں اخبارات کے تفتیشی رپورٹروں کی ڈیوٹیاں لگوائیں تاکہ وہ وہاں بننے والے خطرناک ہتھیاروں کی خبریں کریدیں۔ ایسی خبروں سے رائے عامہ پر حسب توقع اثرات پڑنے لگے اس سے بھی زیادہ خوفناک بات یہ ہوئی کہ گولڈا میئر جیسی سیاستدان بھی نیسٹ کے اجلاسوں میں ان جعلی

خبروں کی تائید میں تقریر کرنے لگی۔

ملک میں شدید خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا' انٹیلی جنس سروس بے قابو ہو رہی تھی۔ بن گورین چھٹی سے واپس آچکا تھا اور ایسر ہیرل سے نمٹنے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ چند سوالوں پر ہی اس نے اعتراف کر لیا' کہ اخبارات کی مہم کے پیچھے اسی کا ہاتھ تھا' سخت گرما گرمی کے بعد اس نے استعفیٰ پیش کر دیا' تاہم استعفیٰ منظور نہ ہوا۔ کیونکہ اس سے سیاسی بحران پیدا ہو سکتا تھا جس کے نتیجے میں حکومت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس طرح چال ناکام ہوگئی۔ وزیراعظم نے فوری طور پر موساد کے سربراہ کے نام خط لکھا جس میں اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مصر میں ہتھیار بنائے جانے کے بارے میں اپنی اطلاعات کو ریکارڈ پر لائے اور خاص طور پر یہ بتائے کہ متذکرہ ہتھیاروں کی تیاری میں جرمنوں کا کیا کردار ہے اور آخر میں اس سے اس کی رپورٹ کے مآخذ کا نام بتانے پر بھی اصرار کیا گیا۔

یہ ایسر ہیرل کے غرور کے لیے شدید دھچکا تھا' کیونکہ خط میں اس کے ''قابل اعتماد'' ہونے کے بارے میں سوال اٹھایا گیا اور اس کے ذرائع اطلاعات (Sources) کی صداقت کو مشکوک قرار دیا گیا تھا۔ ہیرل فوراً دفتر سے نکل گیا اور چابیاں حوالے کرتے ہوئے اس نے اعلان کیا — ''اگر وزیراعظم مجھ سے اس حد تک اختلافات رکھتا ہے تو میرا اس عہدے پر رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے''۔ اس طرح اسرائیلی انٹیلی جنس سروس کی تاریخ کا ایک طویل باب ختم ہوگیا۔

ادھر قاہرہ میں وولف لوٹز جو اپنے آقاؤں کو ان کی مرضی کی معلومات کرنے کے لیے جاں توڑ محنت کر رہا تھا' اسے بھی اپنے خلاف کاروائی کا اندیشہ تھا تاہم وہ اپنی سپہ گری میں بدستور مصروف رہا۔ لیکن فیلڈ میں چار سال بعد وہ اپنے ملک کے اندر لڑی جانے والی سیاسی لڑائی کے ''شہسواروں'' کی ضرورتوں کی تشفی کے لیے بھی تندہی سے مصروف رہا۔ اس کے مسلسل ریڈیو ٹرانسمیٹر استعمال کرنے پر مصری حکام کے کان کھڑے ہوگئے' اس کی یہ حرکت اس لیے معلوم ہوگئی کہ روس نے مصر کو نشریات کا پتہ چلانے کے آلات دے دیئے تھے۔ بالآخر انہوں نے نشریات کا ''منبع'' پکڑ لیا۔

اسے جولائی 1965ء میں قاہرہ کی ایک عدالت نے عمر قید کی سزا سنا دی۔ مروجہ قواعد کے مطابق اسرائیلی جاسوسوں کو ملنے والے سزائے موت ہی ملتی مگر وہ مقدمے کی کاروائی کے دوران اپنے ''جرمن'' ہونے کے موقف پر قائم رہا جس پر سخت ترین سزا سے بچ گیا۔ اس

نے بمشکل دو سال قید کاٹی تھی کہ "چھ روزہ جنگ" کے بعد قیدیوں کے تبادلے کے معاہدے کے تحت اسے بیوی سمیت اسرائیل واپس بھیج دیا گیا (بیوی کو بھی سزا سنائی گئی تھی)۔

اپنے ملک واپس جا کر ناؤنوش کی زندگی کی بجائے اسے بدمزہ سی زندگی گزارنا پڑ گئی۔ بیوی جلدی فوت ہوگئی اور اسرائیل میں اس کا قائم کردہ سکول بھی فیل ہوگیا۔ اس نے امریکہ میں بھی اسی قسم کا بزنس شروع کیا تھا مگر اس کا بھی تقریباً یہی انجام ہوا۔ 1978ء میں اسے خدمت کے عوض موساد کی طرف سے صرف ایک ہزار ڈالر معاوضہ ملا۔ بعد میں وہ مغربی جرمنی جا کر میونخ کے ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور میں ملازم ہوگیا۔ جو شخص زبردست شان و شوکت سے زندگی گزارتا رہا' اب اس افسوسناک انجام سے دوچار ہوا اس نے انتہائی بے بسی کے عالم میں شکوہ کیا کہ ریاست نے اسے اتنی خطرناک سروس کے عوض صرف 200 ڈالر ماہانہ دیئے ہیں۔

دمشق

یروشلم اور تل ابیب میں انٹیلی جنس کے اعلیٰ حکام کے مابین اقتدار کی باہمی کشمکش زوروں پر تھی مگر موساد کا ماتحت عملہ خواہ وہ عورتیں تھی یا مرد' پڑوسی عرب ممالک میں خطرناک سے خطرناک مشنوں میں مصروف تھے' ان کا واحد مقصد انٹیلی جنس کے لیے خام مواد کی فراہمی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ملک کی سالمیت کے لیے بالآخر سب کو اسی پر انحصار کرنا تھا۔

سپر پاور کہلانے والے ملکوں میں جاسوسی و سراغ رسانی کوئی مشکل کام نہیں ہوتی' بہت سے ایجنٹوں کو سفارتی مراعات حاصل ہوتی ہیں' انہیں جاسوسی کا لائسنس ملا ہوتا ہے اور جب پکڑے جائیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا ہے کہ انہیں ناپسندیدہ شخصیت قرار دے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ غیر سفارتی عملہ فیلڈ میں کام کرتے ہوئے کبھی کبھی گرفتار کر لیا جاتا ہے اور انہیں طویل سزائیں بھی سنا دی جاتی ہیں لیکن اکثر صورتوں میں انہیں ان کے اپنے ملک میں پکڑے گئے جاسوسوں کے ساتھ تبادلے میں رہائی مل جاتی ہے۔ جہاں تک مشرق وسطیٰ کے ملکوں کا تعلق ہے' ان میں باہمی لڑائیوں کی وجہ سے جاسوسی کا کام بہت کٹھن ہوتا ہے' جاسوس خواہ عرب ہو یا اسرائیلی جب پکڑا جاتا ہے تو سخت ترین سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ سزائے موت ملنا تو عام بات ہے مگر اس سے پہلے اسے شدید اذیتیں دی جاتی ہیں۔ یہی کچھ ایلی کوہن (Eli Cohen) کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ موساد کے ایجنٹوں میں سے فعال ترین کارکن سمجھا جاتا تھا۔ اسے مئی 1965ء میں دمشق کے شہداء چوک میں ہزاروں تماشائیوں کے سامنے پھانسی دی گئی اور ٹی وی کیمروں نے یہ منظر کئی ممالک میں دکھایا۔ وہ شام میں یہودیوں کے پیشوا (ربی) کے سامنے آخری کلمات ادا کر چکا تو جلاد نے جھٹ سے سفید کفن پہنا دیا جس کے اوپر ایک شیٹ پن کی ہوئی تھی' اس پر اس کے جرائم کی تفصیل لکھی تھی اور عدالتی حکم بھی تحریر

تھا۔ مگر جو کچھ تحریر نہیں کیا گیا تھا وہ یہ جملہ ہونا چاہیے تھا کہ ــــ ''اس ہائی گریڈ فوجی جاسوس نے ایسے حقائق تل ابیب میں منتقل کر دیئے جو آئندہ ہونے والی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کی فتح کو یقینی بنا دیں گے۔''

کوہن سکندریہ کے بندرگاہی علاقے کے ایک یہودی خاندان کا فرد تھا' بڑی فصیح عربی بولتا تھا اور عرب ممالک کی تہذیب و تمدن میں رچی بسی شخصیت کا مالک تھا۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں ہی سرگرم صیہونی ہو گیا تھا اور چھپ چھپا کر مصر میں یہودی تنظیموں میں کام کرتا رہتا تھا۔ اسرائیل میں جا آباد ہونے سے پہلے وہ ''آپریشن سوزانا'' میں دھر لیے جانے سے بال بال بچا تھا۔ اسرائیل میں جا کر اس نے جلدی ہی شادی کر لی اور معمولی سی ملازمت اختیار کر لی' تاوقتیکہ موساد والوں کی اس پر نظر ٹھہر گئی' انہوں نے اپنے کام کا آدمی پا کر بھرتی کر لیا۔ اسے مصر بھیجنا ممکن نہ تھا کیونکہ وہاں کی پولیس ریکارڈ میں اس کا نام شامل تھا علاوہ ازیں وہاں وولف گینگ لوٹز کی شکل میں ان کا ایجنٹ پہلے سے موجود تھا۔

اسے شام بھیجنے کا فیصلہ کر لیا گیا مگر اس کے لیے بڑی تیاریوں کی ضرورت تھی۔ وہاں زبان کا مسئلہ بڑا حساس اور نازک تھا' شامی لہجے کی عربی اور نشست و برخاست نہ ہو تو کوئی کام بھی دلجمعی سے انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے وہاں کی جاسوسی مشکل ترین کام سمجھا جاتا تھا۔ شام کے لوگ بے حد شکی اور گروہی عصبیت والا رویہ رکھتے ہیں' اس لیے کوہن کو ہر لحاظ سے کامل بنانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اسے بیونس ایرز (ارجنٹائن) بھیج دیا گیا جہاں اس نے نو ماہ بطور ''کامل امین طابیں'' گزارے۔ جو ایک متمول شامی جلاوطن تھا اور جلد اپنے ''وطن'' واپس جانے والا تھا۔ اپنے مشن کا یہ حصہ پورا کرنے کے لیے کوہن نے کچھ عرصہ سپینش سیکھنے میں گزارا تا کہ اپنے اوپر ڈالے جانے والے پردے کو زیادہ مضبوط بنایا جا سکے۔ موساد اپنے ایجنٹوں کو خطرے اور مشکلات میں ڈالنے سے پہلے تیاریوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔ اس لیے اس نے کہن کو ہر زاویے سے پختہ تر کر دیا۔

لاطینی امریکہ میں قیام کے دوران شامی سفارت خانے میں اس کا جنرل امین الحفیظ سے میل جول بڑھ گیا' وہ کچھ عرصہ بعد اپنے ملک جا کر صدر شام' بن گیا' جس کا مطلب یہ تھا کہ کوہن طابیں کو اس کام کے لیے موزونیت کی جتنی ''اسناد'' درکار تھیں ان کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا تھا۔ پھر بھی اگر کچھ کسر تھی تو وہ اس طرح پوری ہو گئی کہ بیونس ایرز سے شام کے اعلیٰ افسروں کو لے کر جو جہاز بیروت آیا تھا' اس میں یہ بھی تھا' راستے میں ان سے خوب گپ شپ

رہی۔ بیروت سے دمشق تک بھی اکٹھے گاڑی میں سفر کیا جس سے بے تکلفی مزید بڑھ گئی' اس طرح اسے شام کے اعلیٰ ترین حلقوں میں گھل مل جانے کے راستے مل گئے۔ اسے موساد سے اخراجات کے لیے صاف شفاف کرنسی ملنے لگی جس سے اس نے آرمی کے جنرل سٹاف کے ہیڈکوارٹر کے نزدیک ترین' خوب دیکھ بھال کر کے ایک شاندار اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا' جہاں اس کے ہمسایوں میں بہت سے سینئر افسر شامل تھے۔ اس کے مفید ترین دوستوں میں لیفٹیننٹ معاذی ظہیر الدین بھی تھا جو چیف آف سٹاف کا بھتیجا تھا۔ اس جونیئر افسر کے ہمراہ وہ گولان کی پہاڑیوں پر شام کے دفاعی مورچوں کے دورے کر سکتا تھا' ان کی ساخت' مضبوطی اور پوزیشن سے خوب آگاہی ہو سکتی تھی۔ اس ملٹری زون میں جہاں غیر متعلقہ آدمی کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم تھا ظہیر الدین کوہن کو ہر چیز قریب لے جا کر دکھا دیا کرتا تھا۔ ایک بار وہاں اس نے مغربی ڈھلوانوں پر نصب 122' ایم ایم کے 80 مارٹر خود گنے تھے۔ حتیٰ کہ وادیٔ اردن کی جانب کے مارٹروں کی تصویریں بھی بنائیں۔ اس قسم کی صحیح ترین معلومات وصول پا کر مائرامیت کا دل باغ باغ ہو گیا' وہ اب موساد کا سربراہ بن چکا تھا۔ اسرائیلی فوج کے لیے اس سے زیادہ قیمتی اطلاعات کیا ہو سکتی تھیں کہ وہ ان کی مدد سے ان مارٹروں کو ٹھیک ٹھیک نشانہ لگا کر' تباہ کر سکتی تھی۔ کوہن نے وہ گہرے بنکر بھی دیکھے جہاں روس سے نیا حاصل کردہ توپ خانہ نصب کیا گیا تھا۔ آگے چل کر اس نے ''کوئیترا'' کے ترویدی مرکز (Strategic Centre) کے گرد قلعہ بندیوں کے نظام کا بھی مطالعہ کر لیا' بنکروں کی گہرائی اور مضبوطی کا مشاہدہ کیا اور ٹینکوں اور آرمرڈ وہیکلز کے لیے بنائے گئے ''سکرپس'' کے بارے میں بھی مکمل معلومات اکٹھی کر لیں۔

کوہن نے بہت سا انٹیلی جنس مواد فوری طور پر بذریعہ ریڈیو تل ابیب کو منتقل کر دیا لیکن شامی فوج کا تیار کردہ پلان' جس میں اچانک حملہ کر کے اسرائیل کے شمالی سیکٹر کو منقطع کرنے کی چال کی تفصیلات شامل تھیں' بھیجنے کا مرحلہ آیا تو اسے اس کے لیے کوئی ذریعہ ترسیل تلاش کرنا تھا۔ اس نے درآمد و برآمد بزنس قائم کیا جو شام کی برتن سازی کے نمونے' بیرون ملک بھیجا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے انتہائی خفیہ دستاویزات اور تصاویر برتنوں میں ڈال کر یورپ کی ''تھرڈ پارٹیز'' کو بھیج دیں۔ جہاں سے وہ اسرائیل پہنچ گئیں۔ متعدد مواقع پر وہ خود بھی اپنی بیوی بچوں سمیت خفیہ چھٹیوں میں اسرائیل پہنچتا رہا تا کہ چند خاص چیزیں براہ راست پہنچ سکیں۔

اس کے دیگر خفیہ کارناموں میں 200' رشین ٹی -54 ٹینکوں کی آمد کی خبر اور 21 مگ جیٹ فائٹرز کی تصاویر اسرائیل کو پہنچانا شامل تھا۔ اس نے سیاسی حالات کو بھی نظر انداز

نہیں کیا تھا۔ وہ موساد کے حکام کو شام کی حکمران بعث پارٹی کی اندرونی سازشوں اور چالوں سے بھی باقاعدگی سے مطلع کرتا رہا۔ اس نے گلیلی کے علاقے کی آبپاشی کی سکیم کو تباہ کرنے کے ایک منصوبے کا بھی قبل از وقت انکشاف کر دیا' اس سکیم کے بارے میں اسے اس کے ایک دوست کرنل سالم حاتوم نے بتایا تھا' اسرائیل نے دریائے اردن کے پانی کا رخ موڑ کر اس علاقے کو سیراب کیا تھا' شام نے عنقریب اپنے تخریب کار وہاں بھیجنے کا پروگرام بنایا تھا۔ مختصر یہ کہ کوہن نے اسرائیل کے دفاع کے لیے ایسی ایسی نادر معلومات فراہم کر دی تھیں کہ ان کے بغیر اسرائیل 1967ء کی جنگ میں گولان کی پہاڑیوں پر آسانی سے قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔

ایلی کوہن کو بالآخر زوال کا شکار ہونا پڑا' اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ شامی انٹیلی جنس نے دشمن ملک کے اس جاسوس کو بے نقاب کر دیا تھا' اس نے یہ کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش تو کی تھی مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ اس معاملے میں اہم کردار بھارتی سفارت خانے کا تھا۔ یہ سفارت خانہ اس کے اپارٹمنٹ کے قریب کی ایک عمارت میں تھا۔ اس کے ریڈیو آپریٹروں نے حکام کے سامنے اپنی ٹرانسمشنوں میں بکثرت خلل اندازی ہونے کی شکایت پیش کی۔ یہ اب کوئی حیرت کی بات نہیں رہی تھی کہ اسرائیلی ایجنٹ کو اتنا زیادہ مواد بھیجنا پڑ رہا تھا کہ وہ احتیاط کی حدود سے لاپرواہ ہو چکا تھا' بعض اوقات وہ مسلسل گھنٹہ گھنٹہ "آن دی ائر" رہنے لگا۔ یہ شکایات ملنے کے باوجود شامی حکام خلل اندازی کے اصل ماخذ تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن 1965ء میں دارالحکومت دمشق میں روسی افسروں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ کے جی بی' اسرائیلی جاسوس کو پکڑنے کے لیے ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار تھی' وہ اپنے ہمراہ جدید ترین الیکٹرانک ایکوپمنٹ لائی تھی چنانچہ اس نے تھوڑی سی محنت کر کے اس اپارٹمنٹ کی نشاندہی کر دی جہاں سے یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔

چنانچہ شامی سکیورٹی کے آدمیوں نے کوہن کے فلیٹ پر اچانک چھاپہ مار کر اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ وہ ایسے ریڈیو سے پیغامات ارسال کر رہا تھا جسے فوڈ مکسر کے اندر چھپایا گیا تھا۔ اسے اسلحہ کی نوک پر اپنی ٹرانسمیشن جاری رکھنے کا حکم دیا گیا اور ساتھ یہ پیغام بھیجنے کے لیے بھی کہا گیا: "جناب وزیراعظم اسرائیل و سربراہ خفیہ سروس تل ابیب' مطلع رہے کہ مسٹر کامل (کامل امین طابیں) اور اس کے دوست دمشق میں ہمارے مہمان ہیں' آپ ان کے بارے میں جلد اطلاع پا لیں گے۔ فرام کاؤنٹر انٹیلی جنس سروس سیریا۔"

صدر امین الحفیظ کافی عرصہ تک کوہن کو پھانسی پر لٹکانے کے بارے میں متامل رہے'

کیونکہ ان کے مابین گہری شناسائی تھی اور اس نے ایک دفعہ ان کی اہلیہ کو بیش قیمت تحفہ بھی دیا تھا۔ اسرائیل نے اسے پھانسی سے بچانے کے لیے بین الاقوامی مہم بھی چلائی تھی۔ موساد اپنے جاسوسوں کو بچانے کے لیے ہمیشہ ہی ایسی کوششیں کرتی رہتی تھی۔ صدر شام سے رحم کی کئی اپیلیں کی گئیں' شام کے کئی اعلیٰ افسر بھی یہ درخواستیں منظور کرانے کے لیے کوشاں رہے لیکن وہ اگر مان جاتے تو ان کی اپنی سیاسی پوزیشن خراب ہو جاتی۔ بہرحال انہوں نے اس کے پروانۂ موت پر دستخط کر دیئے۔

✿ ✿ ✿ ✿

حصہ سوم

جاسوسی کا عالمی مورچہ

الیکٹرانک وار

موساد سے ایسرل ہیرل کی متنازعہ رخصتی کے باعث ایجنسی کافی حد تک انتشار کا شکار ہوگئی۔ اس کے بہت سے وفادار رفقا کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ جو شخص عشرہ بھر بہت سے کامیاب آپریشنز کی قیادت کرتا رہا ہے' وہ اب رہنمائی کے لیے موجود نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑی خرابی یہ رونما ہوئی کہ اس کی جگہ یہ منصب' عارضی طور پر اس کے پرانے دشمن جنرل مائرامیت نے سنبھال لیا تھا۔ یہ ایک تیز طرار فوجی دانشور تھا جس نے 1948ء کی جنگ میں بطور بریگیڈ کمانڈر شاندار ریکارڈ قائم کیا تھا' اس کا ''انٹیلی جنس'' کا تجربہ بھی کوئی کم اہم نہیں تھا۔ وہ بارہا اس خیال کا اظہار کر چکا تھا کہ پرانی موساد بیرون ملک مہم جوئی اور ایشمین کے اغوا جیسے ظاہری چمک دمک کے آپریشنوں پر وقت اور سرمائے کو بے جا طور پر صرف کرتی رہی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ نازی جنگی مجرم اس دور کا مسئلہ تھے جو بیت چکا ہے۔ اس لکیر کو پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ 1963ء میں اصل اہمیت گھر کے قریب لڑی جانے والی انٹیلی جنس وار کو حاصل ہے۔ ماضی کے بارے میں نئے سربراہ کے خیالات پر کافی بدمزگی پھیل گئی' باہمی الزام تراشیاں ہونے لگیں اور کچھ لوگوں نے استعفے بھی دے دیئے۔ یہ افراتفری ستمبر 1963ء تک جاری رہی تاوقتیکہ مائر امیت کے تقرر کی توثیق ہوگئی۔ ساتھ ہی ملٹری انٹیلی جنس میں اس کا سابق نائب اہارون یاریف' اس سروس میں اس کا جانشین بن گیا۔ دونوں افسروں کے باہمی تعلقات بہت اچھے تھے اور ان کے دوستانہ روابط سے 1967ء کی چھ روزہ جنگ تک کے عرصے میں قائم ہونے والی نئی پارٹنرشپ نے دونوں ایجنسیوں اور ملک کو کافی فوائد پہنچائے۔ اس دوران مدبر حکمران ڈیوڈ بن گورین ایک بار پھر ریٹائر ہوکر اپنے کیبوتس میں چلا گیا' اس دفعہ وہ مستقل طور پر فارغ ہوا تھا۔ اس کی جگہ لیوی اشکول آیا۔ اس نے سروس کی دونوں

برانچوں کے درمیان پرانی رنجشیں ختم کرانے کے لیے یہ راہ نکالی تھی کہ اس نے ایسرل ہیرل کو وزیراعظم کا مشیر برائے انٹیلی جنس اور پولیٹیکل انفارمیشن مقرر کر دیا۔ لیکن آگے چل کر اس سے کوئی فائدہ نہ ہو سکا کیونکہ رابطہ کاری اس کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔

جنرل امیت نے جب سے چارج سنبھالا وہ ادارے کا سٹائل مکمل طور پر تبدیل کر رہا تھا' جس کا آغاز ہیڈ کوارٹر میں آفس فرنیچر کی تبدیلی سے کیا گیا۔ پھر ایک مناسب سلسلۂ کمان قائم کیا گیا اور ہیرل کے چھوڑے ہوئے ڈھیلے ڈھالے انتظامات کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا گیا۔ ایک تبدیلی جس پر پرانے لوگوں نے واضح اظہار ناپسندیدگی کیا' یہ تھی کہ وہ ''امن یونٹ 131'' سے سپیشل آپریشنز فورس اپنے ہمراہ لایا تھا۔ یہ خصوصی طور پر منتخب کردہ سپاہیوں پر مشتمل تھی' اسے لانے کا مقصد تنظیم کو بوقت ضرورت ''فائر پاور'' مہیا کرنا تھا۔ اس طرح موساد جدید خطوط پر استوار ہو گئی اور اسے انتہائی جدید آلات بھی فراہم کر دیئے گئے۔

امیت انٹیلی جنس ورک میں کمپیوٹر کی اہمیت سے باخبر تھا اور میدان جنگ میں بھی کمپیوٹر کے ذریعہ کنٹرول کے فوائد سے آگاہ تھا۔ امریکہ کے دورے کے دوران اس نے ڈائریکٹری آئی اے ڈک ہیمر سے اپنے تعلقات کی تجدید کی' جس سے اس کی پہلی ملاقات اپنی سابق کمان کے دور میں ہوئی تھی۔ وہ سی آئی اے کے زیر استعمال نئے ٹیکنیکل میٹریل سے بے حد متاثر ہوا۔ امیت پر دوسرا بڑا اثر امپیریل کالج لندن کے تعلیم یافتہ پروفیسر ''یوول نیمین'' کا تھا جو ایک سائنس دان سپاہی تھا۔ اس نے موساد کو برقی آلات سماعت سے لیس کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اسرائیل کی سرحدوں پر سپاہیوں اور انسانی جاسوسوں کو تعینات کرنے کا مروجہ طریقہ ترک کرنے کا مشورہ دیا۔ امیت انٹیلی جنس آپریشنز کے سگنلز سسٹم کی اصلاح میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کے آدمیوں نے دشمن کے پیغامات کی ترسیل میں مداخلت کرنے کے لیے اونچی اونچی جگہوں پر بڑے کارگر قسم کے آلات نصب کیے۔ یہ آلات کھمبوں' انٹینوں اور راڈار ڈسکوں کی بدلی ہوئی شکلوں میں تھے۔ دشمن ان کی شناخت نہیں کر سکتا تھا' گولان کی پہاڑیوں پر نصب یہ آلات کوہ برمن سے اب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی مدد سے دمشق تک سے آنے والے ٹیلی فون اور سگنلز سنے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ فاصلہ 43 میل کا ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کا اطلاعات جمع کرنے والا شعبہ کمپیوٹر کی مدد سے مصر' اردن' عراق' شام اور سعودی عرب کی افواج کے ہر آفیسر کے بارے میں خاکے جمع کر کے فیلڈ کمانڈروں کے حوالے کر سکتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ ان کے ہم منصب افسروں کی سوچ کیا ہے؟ اور

ان کے اگلے اقدامات کیا ہو سکتے ہیں؟ امیت نے اس امر کا خصوصی اہتمام کیا کہ یہ اطلاعات پلاٹون اور کمپنی کی سطح تک ہوں تاکہ میدان جنگ کے یونٹ کمانڈر اپنے مدمقابل کے عزائم سے باخبر رہ سکیں۔

1967ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کی کامیابی' ٹیکنالوجی شعبے کے اسی انقلاب کے مرہون منت تھی جس کا آغاز 1960ء کے عشرہ کے اوائل میں ہوا تھا۔ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کی سگنل کور نے اس جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران ''امن'' کی سگنلز برانچ کے تعاون سے اپنی صلاحیتوں کا سکہ منوا لیا۔ یہ اس طرح ممکن ہوا کہ انہوں نے عربوں کی متحدہ فوجوں اور صحرائے سینائی میں ان کے طاقتور ریڈیو ایکوپمنٹ کے خفیہ کوڈ کا توڑ تلاش کر لیا تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس نے ان کے پیغامات کو روک کر اپنی طرف سے غلط پیغامات نشر کرنا شروع کر دیئے' جس سے متحدہ عرب افواج میں افراتفری پھیل گئی۔ اردن کو جنگ میں شامل ہونے پر اکسانے کے لیے سینائی میں مصر کی کامیابیوں کے بے سروپا سگنل دیئے گئے۔ اردن کے فوجیوں کو پیغام دیا گیا کہ وہ مصریوں کے جوابی حملے کو سپورٹ دیں۔ ایک اور جعلی پیغام میں اردن سے کہا گیا کہ آپ کے ایئر فیلڈ پر حملہ آور ہونے والے اسرائیلی جیٹ' دراصل مصری طیارے ہیں۔ اس جنگ میں سگنل کے لوگوں کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے صدر جمال عبدالناصر اور اردن کے شاہ حسین کی ریڈیو کانفرنس سنوا دی' اسی گفتگو کے دوران مصری صدر نے دعویٰ کیا کہ امریکہ اور برطانیہ نے اسرائیل کی مدد کے لیے میدان جنگ میں مداخلت کی ہے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ اس کانفرنس کا متن اسرائیل کی ڈس انفارمیشن مہم کے ایک حصے کے طور پر جاری کیا گیا پھر بھی عرب دنیا نے اسے عمومی طور پر درست مان لیا کہ مغربی طیاروں نے ان کی فوجوں پر حملہ کر دیا ہے اور اسے عربوں کی متحدہ فوج کی شکست کا ایک معقول جواز بنا لیا گیا۔ یہ واقعہ کہ دو دشمن لیڈروں کے مابین اعلیٰ سطح پر منصوبہ بندی کے لیے مذاکرات میں مداخلت کر کے ان کی گفتگو عوام تک پہنچا دی گئی' اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس ''الیکٹرانک دھوکے'' کو اپنے مفاد کے لیے بھی استعمال کر سکتی ہے۔ اردن کو اس موقع پر لڑائی میں ملوث کرنا جب اسرائیل جنگ جیت رہا تھا' اس کا مقصد یہ تھا کہ اسرائیل کو مشرقی یروشلم ''فتح'' کر کے حاصل کرنے کا موقع دیا جائے جو اس وقت اردن کے ہاتھ میں تھا۔

امریکہ یہ بات جاننا چاہتا تھا اور اسے یہ جاننے کا پورا حق بھی حاصل تھا کہ اسرائیلی الیکٹرانکس کی لڑائی کیسے لڑ رہے ہیں؟ اس کا جہاز ''یو ایس لبرٹی'' مشرقی بحیرۂ روم میں ساحل

سے بچ کر دور کھڑا تھا۔ سی آئی اے کا جاسوس جہاز تھا جو وار زون سے آنے والی آوازوں کو سن سکتا تھا اور جنگ کی چالوں کے اندازے لگا رہا تھا۔ اسرائیل اس پر بہت برہم تھا کیونکہ وہ اس جاسوسی کو بلا شرکت غیرے اپنا حق سمجھتا تھا۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ اسے امریکہ کا اس لڑائی میں ٹوہ لگاتے رہنا اور تاک جھانک کرنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ اس صورتحال پر سخت پریشان تھا کہ امریکی محکمہ دفاع (پینٹاگون) اسرائیل کی زمینی فوج اور فضائی فوج کی ہر ''ترتیب جنگ'' (Operation Order) سے باخبر ہے اور ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ جنرل دایان نے اس جہاز کو اس علاقے سے نکل جانے کا سگنل بھی دیا مگر معلوم نہیں ہو سکا کہ ''لبرٹی'' کو سگنل کیوں نہیں پہنچا۔ چنانچہ مزید نوٹس دیے بغیر اسرائیلی میراج'' اور ''مسٹیریز'' طیارے حرکت میں آگئے اور انہوں نے اس کا الیکٹرانک نظام تباہ کر دیا۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ جاسوس جہاز مکمل طور پر تباہ کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی جس کے لیے انہوں نے تین جنگی جہاز بھیجے اور انہیں اسے تارپیڈو کرنے کا حکم دے دیا۔ آخر میں انہوں نے فوجی بردار ہیلی کاپٹر بھیجے تاکہ اس کارروائی سے اسے پہنچنے والے نقصان کا اندازہ کیا جا سکے۔

''یو ایس ایس لبرٹی'' میں عربی اور عبرانی جاننے والوں کی بہت بڑی تعداد تھی جو دونوں فریقوں کے جانی نقصانات کی مانیٹرنگ کر رہے تھے۔ ان حملوں سے جہاز کے 34 افراد ہلاک اور 75 زخمی ہوئے تھے۔ اسرائیلی حکومت نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ ہم غلطی سے اسے مصری جہاز سمجھے تھے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ (حملے کے وقت بھی) اس پر ستاروں اور پٹیوں والا پرچم لہرا رہا تھا اور یہ بات سوچی بھی نہ جا سکتی تھی کہ اسرائیلی انٹیلی جنس کو امریکی جہاز کی وہاں موجودگی اور اس کی قومیت کا پتہ نہ چل سکا ہو۔ اس کارروائی کا مقصد امریکی انتظامیہ کو اسرائیل کی اس وقت تک کی فتوحات سے بے خبر رکھنا اور اسرائیل کے جنگی مقاصد پورے ہونے سے قبل سیز فائر کرانے سے روکنا تھا۔ جس وقت یہ حملہ ہوا امریکہ کا چھٹا بحری بیڑہ مع ''یو ایس ایس امریکہ'' کے صرف چند منٹ کی پرواز کے بقدر وہاں سے دور تھا اس لیے وہ موثر مداخلت نہ کر سکا۔ ''یو ایس ایس لبرٹی'' نے ''خطرے کا سگنل'' دیا تو اسے صرف ایک فینٹم طیارے کی مدد ملی اور وہ بھی چند لمحوں کی تاخیر سے پہنچا اس وقت ''لبرٹی'' اپنے ہلاک شدگان اور زخمیوں کو لیے ہوئے پیچھے ہٹ رہا تھا اور اسرائیل نیم دلانہ معذرتیں پیش کر رہا تھا۔

یہ شبہ بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ امریکیوں کے پاس اس امر کے کافی شواہد موجود

تھے کہ اسرائیل نے جنگ کے اسباب بھی خود پیدا کیے تھے اور اس کا آغاز بھی ایسے انداز میں کیا تھا کہ سارا الزام صدر ناصر کے سر آئے۔ لیکن بعد کے واقعات سے یہ بات کسی سے بھی چھپی نہ رہ سکی کہ اسرائیل نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت جنگ کا دائرہ خود بڑھایا تھا اور 1967ء کی جنگ کا بھی وہی ذمہ دار تھا۔ عام خیال کے برعکس اسرائیلی انٹیلی جنس کا اندازہ تھا کہ اس موسم گرما میں بڑے پیمانے پر جنگ نہیں ہو گی کیونکہ اس کے جمع کردہ شواہد اسے بتا رہے تھے کہ مصری اور شامی فوجیں جنگ کے لیے تیار نہ تھیں' اس تیاری کے لیے انہیں مزید سال دو سال کا عرصہ درکار تھا۔ اس اندازے نے اسرائیلی جنگجوؤں (Hawks) کو فوری کارروائی کرنے' یعنی عربوں پر تیاری سے پہلے ہی ضرب کاری لگانے کی ترغیب دے دی۔

اس دوران دو نئے عوامل سامنے آگئے جنہوں نے دونوں فریقوں کو یکساں طور پر متاثر کیا۔ عرب سربراہ کانفرنس نے اردن اور شام کے دریاؤں کا رخ بدلنے کی سکیم شروع کر دی جس سے اسرائیل بہت مشتعل ہوا۔ پھر تنظیم آزادی فلسطین (PLO) کی الفتح فورس نے (جس نے پہلا حملہ جنوری 1965ء میں کیا تھا) چھاپہ مار کارروائیاں شروع کر دیں۔ ادھر جب شامیوں نے دریائے اردن کی سکیم کا آغاز کیا تو اسرائیل نے حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا' پہلے انہوں نے دمشق کو انتباہ جاری کیا' اس کے بعد سرحد پار مبینہ دہشت گردی کے اڈوں پر حملوں کا آغاز کر دیا۔ عرب انٹیلی جنس اور غالباً روسی انٹیلی جنس کا بھی یہی خیال تھا کہ اسرائیل کی یہ کارروائیاں اسی حد تک نہیں رہیں گی بلکہ وہ بڑے پیمانے پر جنگ کرنا چاہتا ہے' ہو سکتا ہے کہ موسم بہار تک معاملہ کافی آگے نکل جائے۔

اس کے بعد منظر نامے میں ایسے تغیرات آنے لگے جن کا کسی بھی متعلقہ انٹیلی جنس ایجنسی کو اندازہ نہ تھا۔ جب دونوں جانب کی افواج بارڈرز پر جمع ہو گئیں تو مصر نے الٹی میٹم دیا کہ سینائی میں اقوام متحدہ کی مصر فوج فوراً ہٹالی جائے۔ پھر جب وہ ہٹالی گئی تو صدر ناصر نے شرم الشیخ پر قبضہ کرنے کے لیے اقدامات شروع کر دیے اور ایلات کی اسرائیلی بحری بندرگاہ کی ناکہ بندی کی دھمکی بھی دے دی۔ اس طرح جنگ ناگزیر ہو گئی۔

چنانچہ یہی موقع تھا کہ جب عربوں کی افواج کی جنگی تیاریوں اور جنگ کے متوقع نقشے کے بارے میں جنرل امیت اور جنرل یاریف' کی نو ماڈل انٹیلی جنس سروسز کی جمع کردہ تفصیلی اطلاعات اسرائیل کے میدان جنگ میں کودنے کے لیے اہم عنصر بن گئیں۔ حکومت جانتی تھی کہ عربوں کی بری اور فضائی فوجیں جنگی تیاریوں کے سلسلے میں کتنی ابتری کا شکار ہیں

اور صدر ناصر شرم الشیخ اور سینائی میں اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر کے خود کو کسی مصیبت میں ڈال چکا ہے؟ اور یہ صورتحال اچانک فضائی حملوں اور زمینی کاروائیوں کے لیے کتنی موزوں ہے وزیراعظم لیوی اشکول نے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرنے کے باوجود بالآخر فیصلہ کر لیا کہ موقع بے حد مناسب ہے اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے۔ ادھر جنرل یاریف بھی مصر اور شام کی ''جنگی مشینوں'' کی حالت گہرے مشاہدے اور انتہائی درست معلومات کے حوالے سے اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا کہ اسرائیل کو شکست نہیں ہو گی۔

✿ ✿ ✿ ✿

لرزہ خیز جنگ

چھ روزہ جنگ' اسرائیل کے لیے مکمل اور شاندار فتح پر منتج ہوئی جس سے یہودیوں کو اپنی پریشانیوں کا دور ختم ہوتا دکھائی دیا' اب یروشلم ایک ''متحدہ شہر'' بن گیا اور دریائے اردن پر محفوظ سرحد قائم ہو گئی۔ لیکن اپنی کامیابی پر خوشیاں مناتے ہوئے اسرائیل کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ایسی واضح شکست سے دوچار ہونے کے بعد عرب افواج خاموش ہو کر تو نہیں بیٹھ جائیں گی۔ ان کے لیے دوبارہ متحرک ہوئے بغیر تو کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ چنانچہ چند روزہ توقف کے بعد فلسطینیوں پر طاری افسردگی ایک نئے عزم میں ڈھل گئی انہوں نے اپنے بکھرے ہوئے فوجیوں کو یکجا کیا اور اسرائیل کے خلاف گوریلا طرز جنگ کے لیے حکمت عملی طے کر لی۔ اسرائیل کو اس وقت احساس ہوا کہ اس کی پریشانیوں کے دن اتنی جلدی ختم ہونے والے نہیں' بپھرے ہوئے فلسطینی اسے یہ علاقے آسانی سے ہضم نہیں ہونے دیں گے اور وہ ان پر اپنی فعال ترین انٹیلی جنس سروس کے باوجود بھی قابو نہیں پا سکے گا۔

مستقبل کی تباہ کاریوں کی بدشگونی کی ابتدائی علامات اس نے 1967ء کی جنگ سے پہلے ہی دیکھ لی تھیں۔ 1965ء میں سردیوں کی ایک صبح ایک واٹر انجینئر نے شمالی اسرائیل کی وادیٔ نفوطہ سے گزرنے والی نہر میں تیرتی ہوئی ایک بوری دیکھی۔ اسے کنارے پر پہنچانے کے بعد کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سے کافی مقدار میں دھماکہ خیز مواد اور ایک بھڑکانے والا آلہ ''ڈیٹونیٹر'' برآمد ہوا۔ اسرائیل کی تاریخ میں یہ کوئی بڑا واقعہ نہ تھا لیکن یہ اس امر کی علامت تھی کہ یہ تیرنے والا بم تھا' جو اگرچہ پھٹ نہیں سکا' لیکن پانی کے نظام میں تباہی مچا سکتا تھا اور یہ ''الفتح'' کا کام تھا جو فلسطینی تحریک مزاحمت کا فوجی بازو تھا۔ تیرنے والے بم نے دہشت گردی کی ایک طویل مہم شروع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس روز'

یعنی 3 جنوری 1965ء کو اسرائیل پر تابڑ توڑ حملوں (War of Attrition) کا نقطۂ آغاز تسلیم کرلیا گیا۔

اسرائیل پر ہمسایہ عرب ممالک کی جانب سے سرحد پار حملے پہلے سے ایک معمول بنے ہوئے تھے۔ لیکن اب پرانی فائر بندی لائن پر قائم فلسطینی کیمپوں کے مسلح مکینوں نے شدید ترین حملے شروع کر دیئے۔ یہ اگرچہ چھوٹے پیمانے کے حملے تھے مگر ان کے پیچھے مصری یونیورسٹیوں سے جنم لینے والی ''الفتح'' تھی جس کا سربراہ یاسر عرفات تھا۔ اس کا سیاسی مظہر تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) تھی۔ یہ 1963ء میں قائم ہوئی' شروع میں اسے صدر ناصر کی سرپرستی حاصل تھی اور اس کا مقصد اسرائیلی ریاست کو تباہ کر کے فلسطینی عوام سے چھینا ہوا علاقہ انہیں واپس دلانا تھا' وہ اسے ریاست نہیں بلکہ حقارت سے ''صیہونی بستی'' (Zionist Entity) کہتے تھے۔ مصر اور شام کی فوجیں' دو جنگیں لڑ کر بھی جو کچھ نہیں دلا سکی تھیں' یہ پرتشدد عزائم رکھنے والے قوم پرست نوجوان اسے اپنے زورِ بازو سے واپس لینے کے لیے باہر نکل آئے تھے۔ انہیں فرانس سے لڑ کر آزادی حاصل کرنے والے الجزائریوں سے حوصلہ ملا تھا۔ گوریلا طریقِ جنگ اور سیاسی دباؤ الجزائریوں کے دو آزمودہ حربے تھے چنانچہ الفتح نے بھی خفیہ فوجوں کی مدد سے' اپنی لڑائی آپ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔

چھ روزہ جنگ میں عربوں کی شکست پر الفتح اور تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کو شروع میں بے پناہ صدمہ ہوا تھا' وہ سوچنے لگے تھے کہ عرب دنیا کے بڑے بڑے چیمپئن جب اس ''لعنتی بستی'' کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو ہم کون سا تیر مار لیں گے؟۔ قبل اس کے کہ یہ مایوسی کی باتیں ان کے قویٰ کو مضمحل کر دیتیں' قیادت کے جی دار عناصر نے ان کے سامنے انقلابی طریق جنگ کے کئی منصوبے پیش کر دیئے۔ انہیں امید دلائی گئی کہ ہمارے نوجوان جب پوری طرح تربیت پا کر مسلح ہو جائیں گے تو وہ اس ''لعنتی بستی'' کے اندر اسرائیلیوں کی ناک میں دم کر دیں گے اور بیرونی ممالک میں بھی ان کا پیچھا کریں گے' جس پر انہیں اس علاقے سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑے گا۔ یاسر عرفات نے اس گوریلا جنگ کی خوب تبلیغ کی' اس سے کہیں زیادہ شدت سے مارکسسٹ عیسائی فزیشن ڈاکٹر جارج حباش اس کا پرچارک تھا۔ بائیں بازو کے اس متشدد لیڈر نے آگے چل کر اپنی تنظیم ___ پاپولر فرنٹ فار لبریشن آف پیلسٹائن ___ (PFLP) بنالیا۔ اسی گروپ کے اندر' مگر اس کے پُرتشدد طریقوں سے متنفر ایک شخصیت..... ودیع حداد تھا جو صرف قومی پرستی کی حد تک اس کا ہمنوا تھا۔

پھر فلسطینی تحریک کے اندر انتشار اور گروہ بندیوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا اور شخصیتیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ اختلافات رکھنے والے گروہ یکے بعد دیگرے' تنظیم سے الگ ہوتے رہے تاکہ اسرائیل کے خلاف سوچے ہوئے اپنے اپنے حربوں کو آزادی سے آزما سکیں۔ اس طرح کوئی گروہ شام یا عراق کے زیرِ اثر آ گیا اور کوئی گروہ بعد میں انقلابی ایران کے زیرِ اثر آ کر جدوجہد کرنے لگا۔ فلسطین کو آزاد کرانا چونکہ سب کا مشترکہ مشن تھا' اس لیے نوجوان نسل جلدی جلدی شادیاں بھی کرنے لگی تاکہ اپنی آبادی میں تیزی سے اضافہ کر سکیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں فلسطینیوں کی شرحِ پیدائش دنیا بھر سے بڑھ گئی' بچے ہر وقت اسلحہ اور اس کا استعمال دیکھتے رہتے۔ اور جوان ہونے سے بھی پہلے ہتھیار استعمال کرنے کے خوگر ہو گئے۔ ان میں اپنا وطن حاصل کرنے کا وہی جذبہ موجزن ہو گیا جو چند سال پہلے اسرائیلیوں میں دکھائی دے رہا تھا۔ ایک مشہور رزمی گیت کے مصرعہ کے مطابق..... ''مرد بھی بہت تھے اور ہتھیاروں کی بھی بہتات تھی''..... فلسطینیوں کو روس سے ڈھیروں اسلحہ ملنے لگا اور ریل' ریال' درہم اور ڈالروں کی بھی بھرمار ہو گئی۔ یہ فنڈز سعودی عرب سے بھی مل رہے تھے اور دوسرے ممالک سے بھی آ رہے تھے۔ تیل کی دولت سے مالا مال ممالک کے لیڈر انہیں بھتہ دے کر انقلاب کی زد میں آنے سے تحفظ حاصل کرنے لگے' فلسطینیوں نے اپنے عوام پر بھی نقد ٹیکس عائد کر دیئے اور مڈل ایسٹ ڈرگ پروڈکشن انڈسٹری سے بھی مختلف طریقوں سے رقوم بٹورنا شروع کر دیں۔

ادھر اسرائیل میں موساد اور ملٹری انٹیلی جنس نے 1960ء کے عشرہ اور اس کے بعد کے دو عشرے فلسطینیوں کے تخریبی طریق جنگ سے نمٹنے میں صرف کر دیئے۔ انہوں نے مزید افراد بھرتی کیے اور اپنی افرادی قوت تقریباً دوگنا کر دی۔ دنیا بھر میں اپنے سفارت خانوں سے کہا کہ وہ انہیں ''انفارمیشن'' کے حصول اور ''ڈس انفارمیشن'' کے پھیلاؤ کے لیے زیادہ سے زیادہ امداد فراہم کریں۔ سفارت خانوں کے عملہ کو فلسطینیوں کی ہر حرکت اور ہر مہم کے آغاز اور انجام سے باخبر رکھا جا رہا تھا' ہر اطلاع کا تجزیہ کر کے اس دستاویزی ریکارڈ میں محفوظ کر دیا گیا تھا اور سب کو واضح طور پر ہدایت کر دی گئی تھی کہ دہشت گردوں کا پوری شدت سے مقابلہ کیا جائے اور ان کی بلیک میلنگ کے سامنے کبھی ہتھیار نہ ڈالے جائیں۔

اسرائیلی ڈیفنس فورسز (IDF)' ہوم سیکورٹی سروس شین بتھ کی مدد سے ملک کے اندر گوریلوں کے براہ راست حملوں سے اسی طرح نمٹ رہی تھیں جس طرح ہمسایہ عرب ممالک کی طرف سے خطرات کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ لیکن جب فلسطینیوں کی یہ کوششیں ناکام بنا دی

گئیں تو وہ اپنی جنگ کو بیرون ملک لے گئے جہاں نہوں نے بین الاقوامی دہشت گردوں کے تعاون سے نئے نئے حربے بروئے کار لانا شروع کر دیے۔ مغربی دنیا میں اسرائیل کو فوجی اثرورسوخ حاصل تھا۔ وہ انہیں اپنے ہموا بنانے کے لیے کہتا کہ ''ہمارے دوستوں اور اتحادیوں کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ہماری طرح کل کے دن تم بھی فلسطینیوں کے غیظ و غضب کا نشان بن سکتے ہو''۔ یہ انداز یاسر عرفات اور اس کے حامیوں اور مخالفین نے مل بیٹھ کر اختیار کیا تھا کہ اسرائیل کو نشانہ بنانے کی بجائے اس کے مغربی مفادات پر حملے کیے جانے چاہئیں۔ چنانچہ فلسطینیوں نے طیاروں اور گاڑیوں کو اغوا کر کے مسافروں کو یرغمال بنانے کے نئے نئے طریقے وضع کر لیے۔ کیونکہ اس طرح ان کے مقاصد کو زیادہ سے زیادہ پبلسٹی مل سکتی تھی۔ اس لیے وہ مشہور و معروف لوگوں مثلاً تھیٹروں کے کارکنوں اور ایکٹروں کو ڈرامائی انداز میں اغوا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ جس کی پہلی مثال 1968ء میں روم سے تل ابیب کے لیے روانہ ہونے والا ''ایل آل'' بوئنگ طیارہ تھا جسے اغوا کر کے الجزیرہ پہنچا دیا گیا۔ اس شہر کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ الجزائر نے اپنی جدوجہد آزادی کے دوران طیاروں کے اغوا کی جو مثال قائم کی تھی اسے خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔ وہاں اسرائیلی مسافروں کو دو ماہ بعد اس وقت رہا کیا گیا جب ان کے بدلے تل ابیب میں قید عربوں کو چھڑوا لیا گیا۔ فضائی قزاقی کے بہت سے دوسرے اقدامات بھی ہوئے جن کے ذریعے دنیا کو فلسطینیوں سے کی گئی ناانصافیوں اور مظالم کی طرف بھرپور توجہ دلائی گئی۔ ان سے یہ مقصد بھی حاصل کر لیا گیا کہ غیر ملکی لوگ اسرائیل میں آمدورفت ترک کر دیں' اسرائیلی فضائی کمپنی کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیں اور عربوں کی افواج کا مقابلہ کرنے والی اسرائیلی فوج سے ہمدردی نہ کریں کیونکہ اسرائیلی' ان کے نزدیک کوئی مظلوم قوم نہیں' بلکہ غاصب اور ظالم قوم کے افراد تھے۔ جب احتیاطی تدابیر کی وجہ سے طیاروں کا اغوا مشکل ہو گیا تو تنظیم آزادیٔ فلسطین اور اس کے حلیفوں نے دورانِ پرواز طیاروں کو بموں سے اڑا دینے اور کھلے سمندروں میں چلتے ہوئے جہازوں کو پکڑنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس پر شین بتھ نے پرواز سے قبل مسافروں کی تلاشی اور پوچھ گچھ کر کے ائیر لائن کی سیکورٹی کو مضبوط بنا لیا۔ تل ابیب کی بن گورین ائیر پورٹ' مثالی حیثیت اختیار کر گئی کیونکہ وہاں تعینات عملہ انتہائی شائستگی اور احتیاط کے ساتھ مسافروں کی جانچ پڑتال کرتا تھا اور کسی شخص پر گھبراہٹ یا ہچکچاہٹ کا ہلکا سا شبہ ہوتا تو اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ خواہ وہ شخص کتنے بھی مضبوط اعصاب کا مالک کیوں نہ ہو تفتیش کاروں کو دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ تمام طیاروں

میں شین بتھ سے سخت تربیت پانے والے مسلح گارڈ موجود ہوتے' انہیں بریٹا پوائنٹ 22 ہینڈ گن دی گئی تھیں' ہائی جیکر خواہ کتنا بھی دلیر ہوتا' ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

موساد کو دہشت گردوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والے خطرات کا شروع سے ہی احساس تھا جس کے پیش نظر' آزادی سے قبل کے زمانے کے ملازمین کو بدستور موساد کی ملازمت میں رکھا گیا تھا کیونکہ وہ کبوتس پر حملے کرنے والے عربوں اور ان کے طریق واردات سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی مدد سے دشمن کے آئندہ حملوں کے منصوبوں کا قبل از وقت پتہ چل جاتا تھا۔ شین بتھ پہلے سے یہی کام کر رہی تھی' اس کے ایجنٹ نئے مقبوضہ علاقوں کی ناراض عرب آبادی پر کڑی نگرانی کر رہے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے طریقہ یہ اپنایا تھا کہ وہ راہ چلتے کسی بھی آدمی کو روک کر یہ استفسار کرنے لگتے کہ مغربی کنارے کے عرب' اسرائیل کے دور حکومت میں کتنے خوشحال ہیں یا کتنے مطمئن دکھائی دیتے ہیں؟ ایسے سوالات کا مقصد اس شخص کے ذاتی تاثرات معلوم کرنا ہوتا تھا۔ موساد نے اپنے ایجنٹوں سے فلسطینیوں کے تربیتی کیمپوں میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں رپورٹیں اکٹھی کرنا شروع کر دیں۔ اس کے بعض ایجنٹ ان کیمپوں میں پُرجوش فلسطینی بن کر ان کے ہمراہ تربیت پانے لگے تھے۔ ایک کیس ایسا بھی تھا کہ ایک ایجنٹ شامی فوج کا افسر بن کر کیمپ میں موجود رہتا' جب وہ جاسوسی نہ کر رہا ہوتا تو فلسطینی چھاپہ ماروں کو چھوٹے ہتھیاروں اور بموں کے استعمال کی تربیت دینے میں مشغول رہتا تھا۔ اس لیے اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

نگرانی کا سلسلہ سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ جب تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) نے اردن میں اپنے جنگی دستے متعین کیے اور ان کے اسلحہ لے کر گھومنے اور دیگر قابل اعتراض سرگرمیوں کو سلطنت تشویش کی نگاہ سے دیکھنے لگی تو اس وقت تک موساد کے کارکن بھی ان میں گھل مل چکے تھے' انہوں نے ان کی سرگرمیوں کی اطلاعات خفیہ طور پر شاہ حسین کو پہنچانا شروع کر دیں۔ اور ایسی ایسی خبریں بھی پہنچا دیں کہ اردن کی فعال ترین خفیہ ایجنسی تک کو ان کا پتہ نہ تھا۔ دوسری طرف حال یہ تھا کہ اردن کے خفیہ ایجنٹوں میں کچھ تو اسرائیل کے جاسوس تھے جو پی ایل او کے جنگی دستوں کی نگرانی کرتے ہوئے ان کے بارے میں اطلاعات حکومت کو دیتے تھے اور کچھ وہ تھے جو اردن کی جانب سے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے سفارتی خلاء کو پُر کرنے کی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ انہوں نے شاہ حسین اور اسرائیلی لیڈروں کے درمیان خفیہ ملاقاتیں بھی کرا دیں۔ اور جب پی ایل او کے دستوں نے اردن کی

سلامتی کو خطرے سے دوچار کر دیا تو موساد نے شاہ حسین کو یقین دلا دیا کہ اگر پی ایل او کے شامی حلیفوں نے اردن پر حملہ کیا تو اسرائیل' شامی فوج پر حملہ کر دے گا۔

موساد نے اپنی ہٹ ٹیموں (ضرب کار) پر بہت توجہ دی تھی' انہیں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ ہنٹر (شکاری) بھی تھے' یعنی دشمن کے ایجنٹوں کی جاسوسی کرتے تھے' کسی وقت انہیں گولی مار دیتے یا بم سے اڑا دیتے لیکن اگر بھاری آپریشن درکار ہوتا تو وہ سپیشل فورسز مثلاً ''یونٹ 131'' کو بلوا کر' سرحد پار گوریلوں کے ٹھکانوں کو ملیامیٹ کرا دیتے تھے۔ اس مقصد کے لیے 200 فوجیوں کو ہر دم تیار رکھا گیا تھا کہ جب بھی انٹیلی جنس سروسز چاہیں انہیں منٹوں کے نوٹس پر بلوا لیں۔ اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے ایئر فورس بھی بلوائی۔ اس کے لیے مخصوص فقرے وضع کیے گئے تھے۔ انہیں ''کلینیکل'' یا ''سرجیکل'' سٹرائیکس کہا جاتا تھا۔ انہیں سرجن کے چاقو سے اس لیے تشبیہہ دی گئی تھی کہ بعض اعضا اتنے کینسر زدہ ہو چکے ہوتے ہیں' انہیں چاقو سے نکال دینا ہی بہتر ہوتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انتہائی ماہر سرجن کا چاقو بھی بعض اوقات پھسل جاتا ہے اور بعض اوقات صحت مند عضو کو نکال پھینکتا ہے۔ اردن میں قائم کئی فلسطینیوں کے اڈوں پر ''کینیکل'' حملے ہوئے اور متعدد اڈوں کو سرجری کر کے ختم کر دینا پڑا۔

لیکن سیکرٹ سروس کا اصل کام ''گمنام'' فیلڈ ورکروں کو بعض اوقات خود بھی کرنا پڑا ہے۔ ان میں مرد اور عورتیں' دونوں شامل تھے۔ یہ لوگ' آئندہ سرگرمیوں کی پیشگی آگاہی حاصل کرنے کے لیے فلسطینی گروپوں میں جا شامل ہوئے اور مشن کی خاطر اپنی جانیں خطرے میں ڈال دیں اور اپنے پیشے سے محبت اور جذبۂ قربانی کی عظیم مثالیں قائم کر دکھائیں بی ایل او کی جانب سے اپنی صفوں میں غداروں کی موجودگی پر جو اظہار تشویش ہوتا رہا تھا اس میں وہ حق بجانب تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا دشمن ان کے اندر سرگرم عمل رہتا مگر انہیں اس کا کبھی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

عورتوں کی بھرتی:

جب تک ایسر ہیرل' موساد کا سربراہ تھا' یہ تنظیم عورتوں کو بطور ایجنٹ بھرتی کرنے سے گریزاں رہی۔ اس معاملے میں ایسر پرانے خیالات کا آدمی تھا۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ عورت بھرتی کر لی جائے تو اسے اپنی کارکردگی کے بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے کبھی نہ کبھی

اپنی جنسی کشش ضرور استعمال کرنا پڑے گی۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا تھا۔ تاہم جب انہیں حسب ضرورت بھرتی کر لیا گیا تو ان کی کارکردگی بعض صورتوں میں مردوں سے بہتر پائی گئی۔ لبنان میں جو دہشت گردوں کی پناہ گاہ بنا ہوا تھا' موساد کی کامیابی زیادہ تر عورتوں کی سرگرمیوں ہی کی مرہون منت تھی۔ بیروت ان دنوں مشرقی وسطیٰ میں جاسوسی کا مسلمہ مرکز تھا۔ وہاں کئی ملکوں اور تنظیموں کے جاسوس موجود ہوتے تھے اور انہیں پکڑنے کے لیے بھی ہر طرف جال پھیلے ہوئے تھے' موساد کی ایجنٹ عورتیں' لبنان اور شام کے شعبہ انسداد جاسوسی (Counter Intelligence) کے افسروں کی تیز نگاہوں سے بچ نکلتی تھیں۔

عورتوں کو بھرتی کرنے کے لیے اسرائیل انٹیلی جنس نے جو جسمانی اور ذہنی معیار مقرر کیا وہ کافی سخت تھا۔ بیروت میں رہنے والی ''شولامیت کیشک کوہن'' سات بچوں کی ماں ہونے کے باوجود جاسوسی کے لیے موزوں قرار پائی۔ اس کے انتخاب کو انتہائی غیر معمولی انتخاب قرار دیا گیا۔ اس نے کچھ عرصہ وہاں اسرائیلی جاسوسوں کی ٹیم کی سربراہی بھی کی۔ تاہم بالآخر پکڑی گئی اور ہتھکڑیوں سمیت عدالت میں پیش ہوئی تو پراسیکوٹر نے اسے ''مشرق وسطیٰ کی ماتا ہری'' کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ اگرچہ کافی حسین اور طرح دار عورت تھی' اس کو اگر ''جاسوسوں کی یہودی ماں'' کا خطاب دیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ اسے بہت ہی اوائل عمری میں بیروت میں ایک معمر یہودی سے شادی کر لینا پڑی تھی۔ وہ یروشلم میں پیدا ہوئی تھی اس کا خاندان ایک پُرامن عرب مسیحی گاؤں میں آباد تھا' یہ 1940ء کا عشرہ تھا اور اسرائیل ایک نئی ریاست کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اس نے جب پہلی بار ایک نامعلوم یہودی تارک وطن کو ساحل سے غیر قانونی طور پر اسرائیل میں داخل ہونے میں مدد دی تو اس کا تاجر شوہر بہت خوفزدہ ہوا تھا' پھر اسے باقاعدہ ایجنٹ کے طور پر بھی اسی نوعیت کا کام کرنا پڑا مگر یہ بڑے پیمانے پر تھا اور وہ عرب ممالک سے آنے والے یہودی تارکین وطن کو اسرائیل پہنچانے پر مامور ہو گئی۔

مسز شولامیت کیشک کوہن نے تارکین وطن کی سمگلنگ کا کام اسی نہج پر شروع کیا جیسے امریکن خواتین رضا کارانہ طور پر سماجی کام کیا کرتی ہیں۔ ساتھ ہی اپنے بڑے خاندان کی دیکھ بھال کے فرائض بھی انجام دیتی رہی۔ بچوں کی سالگرہ' ان کا سکول جانا' واپس آنا' ان کے ہوم ورک وغیرہ کی نگرانی اور مذہبی عبادت غرضیکہ وہ اپنے کسی بھی فرض سے غافل نہیں رہی۔ تارکین وطن کو منزل مقصود پر پہنچانا اور اس سے متعلقہ کاموں' مثلاً دستاویزات وغیرہ کی

تیاری کے بعد وہ فوراً انٹیلی جنس کے کاموں میں مصروف ہو جاتی۔ لبنان اور شام سے آنے والوں سے اسے جو سیاسی اطلاعات ملتیں وہ متعلقہ افسروں کو پہنچا دیتی۔ اس کے علاوہ بیروت کے اونچے، متوسط اور نچلے طبقوں سے سماجی روابط رکھنے سے بھی اسے لوگوں کی وفاداریوں کا پتہ چلتا رہتا، کہیں راز جاننے کے لیے "قیمت" بھی ادا کرنا پڑتی تو وہ بخوشی "ادا" کر دیتی۔

اب وہ اپنے نام کے پہلے حصہ "شولامیت" سے "شولا" کہلانے لگی تھی کیونکہ لوگ جوں جوں معروف ہوتے رہتے ہیں، ان کے نام مختصر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے مخبروں اور محافظوں (پولیس سے تحفظ دلانے والوں) کا دائرہ وسیع کرنے پر سخت محنت کر رہی تھی۔ اسے راز خریدنے کے لیے جتنی بھی رقم ادا کرنا پڑتی، موساد اسے مہیا کر دیتی تھی۔ ایک ایسی سٹیج بھی آئی کہ اس کے حلیب کے "سپائی ماسٹروں" نے بیروت میں ایک "سٹار نائٹ کلب" کھولنے کے لیے اسے بھاری فنڈز فراہم کر دیئے جو میل جول بڑھانے کے لیے بہت عمدہ جگہ تھی۔

اب پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت اس کا "کوڈ نیم" — "پرل" تھا۔ اس نے اسرائیل کے متعدد پھیرے لگائے جن میں اسے فن جاسوسی کے کئی اسباق پڑھائے گئے۔ لبنانی سرحد پر سیکورٹی کے انتظامات سخت کیے گئے تو اس کے لیے سرحد پار کرنا بہت مشکل ہو گیا جس پر وہ کئی پاسپورٹوں کو استعمال کرتی ہوئی استنبول کے راستے سے اسرائیل میں داخل ہو جاتی۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ چلا لیکن ہوتے ہوتے ایک حوصلہ مند نوجوان آفیسر پرل کے "تحفظاتی دائرے" کے اندر داخل ہو گیا، یہ لبنان کی "کاؤنٹر انٹیلی جنس" سروس کا آدمی تھا جس نے "شولا" کو پکڑ لیا، عدالت نے اسے جاسوسی کے الزام میں سزائے موت سنا دی لیکن بعد میں سزا میں تخفیف کر کے سات سال قید بامشقت کر دی گئی۔ 1967ء کی جنگ کے بعد لڑائی میں پکڑے گئے ایک لبنانی کے عوض اس کا تبادلہ کر دیا گیا اور بیروت میں اس کے خاندان کو اسرائیل جانے کی اجازت مل گئی۔ وہاں شولا نے یروشلم میں کنگ ڈیوڈ ہوٹل کے قریب ایک فلاور شاپ کھول لی، اس طرح اس کی جاسوسی کی زندگی اختتام کو پہنچ گئی۔

موساد کو اپنے مشکل اوقات اور مقامات پر ایک اور جاسوس عورت بھی بہت کام آئی۔ اسے، پکڑے جانے کے بعد شولا سے کہیں زیادہ سختیاں جھیلنا پڑیں۔ اس کا پتہ اس وقت چلا جب لبنان تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) کا صدر مقام بن چکا تھا، یہ 1980ء کا زمانہ تھا کہ "صوت الفلسطین" سے ایک مختصر خبر نشر ہوئی:

"دو فلسطینی مجاہدین آزادی ولیم ناصر اور محمد مہدی بوسایو صیہونیوں کی

جیل سے رہا ہو کر کل رات بیروت پہنچے ہیں، ان کی رہائی ایک صیہونی جاسوسہ "دینا الاحسن" کے عوض عمل میں آئی۔ قیدیوں کا تبادلہ "لرناکا" میں ہوا جہاں ابو عمار (یاسر عرفات) کا نمائندہ اور انقلاب فلسطین کے متعدد کارکنوں نے مجاہدین آزادی کا والہانہ خیر مقدم کیا۔"

"دینا" — صاف ظاہر ہے کہ اس کا فرضی نام تھا، وہ اسرائیل کی نہایت اہم اور غیر معمولی جاسوسہ تھی اور لبنان میں فلسطینی لبادہ اوڑھ کر کام کر رہی تھی۔ اس نے پی ایل او (تنظیم آزادیٔ فلسطین) کی فوجی تنصیبات کا محل وقوع معلوم کرنے میں اسرائیل کی بڑی مدد کی تھی اور اسی کی مہیا کردہ معلومات کی بنیاد پر موساد نے موثر جوابی کاروائیاں کیں اور اسرائیلی فضائیہ نے ان ریفیوجی کیمپوں کو ہدف بنایا جن میں فلسطینی چھاپہ مار عموماً بسیرا کیا کرتے تھے۔ سرزمین عرب میں موساد کے زیادہ تر کارندے یہودی النسل ہیں لیکن وہیں کی پیدائش اور ماحول و تعلیم کی وجہ سے، انہیں عربوں سے الگ نہیں پہچانا جا سکتا۔ دینا کا معاملہ یہ تھا کہ وہ سرکیشیا (Circassia) کی ایک مسلمان تھی جس کی پیدائش اور پرورش اردن میں ہوئی، یہ ان لوگوں کی نسل سے تھی جو کوہ قاف (قفقاز) کے پہاڑوں سے، جو اب سوویٹ یونین کا حصہ ہے، فرار ہو کر آئے تھے۔ 1970ء میں جب شاہ حسین نے سلطنت ہاشمی کے اندر موجود فلسطینی گوریلوں کے خلاف کاروائی شروع کی تو اس کی فوج میں سرکیشیائی لوگوں کو خاصی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس کے نتیجے میں فلسطینی انہیں اپنے دشمن قرار دیتے اور انہیں خوفزدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

دینا 1935ء میں بادشاہ کے ایک وفادار خاندان میں پیدا ہوئی۔ سکول سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ڈاکٹری کرنا شروع کر دی، حالانکہ اس نے مطلوبہ کوالیفیکیشن حاصل نہیں کی تھی، بطور عطائی ہی اس کی پریکٹس چل نکلی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے ایک فلسطینی سے شادی کر لی۔ اس پر اس کے جعلی ڈاکٹر ہونے کا راز کھلا تو وہ اس کی پٹائی کرنے لگا۔ لہٰذا شادی ناکام ہو گئی۔ موساد والوں نے اسے کیسے بھرتی کیا، یہ بات واضح نہیں ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ سرکیشائی باشندوں پر فلسطینیوں کے حملوں نے اس کے رویے کو متاثر کیا ہو اور اس نے انتقاماً یہ فیصلہ کیا ہو۔

موساد کے ذرائع کے مطابق وہ 1972ء میں اپنی بہن سے ملاقات کے لیے روم گئی تھی اور بعد ازاں اپنی طبی تعلیم کے سلسلے میں ایک سالہ تربیت کے لیے وی آنا (آسٹریا) چلی

گئی۔ وہاں اس نے اپنا نام ڈیانا شوارٹز (Diana Schwartz) ظاہر کیا۔ اور وہیں دورانِ تربیت اسے ایک اسرائیلی پائلٹ سے محبت ہوگئی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ جس انسٹیٹیوٹ میں تربیت پا رہی تھی وہ بھی اسی سے کسی طور پر منسلک تھا' یا اسے موساد میں بھرتی کرنے کی سازش کے تحت اس انسٹیٹیوٹ سے وابستہ کردیا گیا تھا یا کسی ایجنٹ نے اس کو دینا سے دوستی کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ جب "دوستی" پکی ہوگئی تو ایجنسی نے دینا کو پیشکش کی کہ اسے بیروت میں ایک کلینک کھول دیا جائے گا تاکہ وہ اس کی آڑ میں موساد کی مدد اور رہنمائی کرتی رہے۔ چنانچہ جب وہ راضی ہوگئی تو اسے لبنان جانے سے پہلے موساد کے ایک سکول میں ایک کورس کرایا گیا جس میں اس نے خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر کا استعمال' کوڈنگ اور فوٹو گرافک ٹیکنیکس سیکھ لیں۔ یوں وہ پوری تیاری کے ساتھ 1973ء کے اوائل میں بیروت پہنچ گئی۔

اس کے کلینک میں بیمار اور زخمی لبنانی فلسطینیوں کا علاج کیا جاتا اور وہ جنوب میں سیدون اور طائر کے ریفیوجی کیمپوں کے دورے بھی کرتی تھی جہاں پیچش' یرقان اور لاغرپن کے امراض پھیلے ہوئے تھے۔ اس طرح اسے ہلال احمر کے سٹورز چیک کرنے کا بھی موقع ملتا جنہیں یاسر عرفات کا بھائی چلا رہا تھا۔ ان سٹوروں میں اکثر راکٹ لانچر اور چھوٹے ہتھیاروں سے بھرے کریٹ موصول ہوتے جن پر "میڈیسن" کے لیبل لگے ہوتے تھے۔ دینا نے اسلحہ کی ان کھیپوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرلیں اور ہیڈکوارٹر بلڈنگیں بھی نوٹ کرلیں جہاں یہ ہتھیار بالآخر جا پہنچتے تھے۔ موساد کے پاس اتنی کارآمد اطلاعات پہنچنے کے بعد یہ سٹور اور ہیڈکوارٹر بلڈنگیں اسرائیلی فضائیہ کا ہدف بننے سے کیسے بچ سکتی تھیں؟ فلسطینی اپنے میڈیکل سنٹروں کو عموماً فوجی مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے اور زخمیوں کو دشمن کے ایکشن کے لیے ڈھال بناتے تھے۔ اگر اسرائیلی ایسی جگہوں پر حملے کرتے تو ان سے پہنچنے والے نقصانات اور بے گناہ مارے جانے والوں کی تصاویر پروپیگنڈے کے لیے اچھا مواد بن جاتی تھیں۔

دینا' ان کیمپوں کے اندر کی اطلاعات پہنچانے کے لیے بالکل صحیح پوزیشن میں تھی لیکن وہ یہ بات نوٹ کیے بغیر نہ رہ سکی جب اسرائیلی حملہ آور ہوتے تو وہ بعض اوقات اس کے مریضوں کو بھی ہلاک یا زخمی کردیتے تھے۔ اس وقت کوئی پندرہ مہاجر کیمپ تھے جن میں دو لاکھ کے قریب فلسطینی رہتے تھے۔ دینا نے بچوں کی معالج خصوصی کے طور پر کام شروع کردیا جہاں اسے عرب دائیوں کے ساتھ بھی گپ شپ کے مواقع ملنے لگے۔ وہ جس کلینک میں کام کرتی تھی اس کی رہائش بھی اسی میں تھی۔ اس طرح اس کا کلینک فلسطینیوں کے لیے کمیونٹی سنٹر بن گیا۔

دینا کے کلینک اور اس کمیونٹی کے جملہ اخراجات اسرائیل سے آرہے تھے۔ اس کی ظاہری سٹوری یہ تھی کہ وہ اپنی کلینک کی بیشتر آمدنی جنیوا کے بینکوں میں رکھتی تھی۔ موساد نے اس کے لیے یہ کہانی گھڑی تھی کہ وہ ابھی بچی ہی تھی کہ اس کا خاندان جو عرب تھا یورپ چلا گیا' اس نے اپنی زیادہ تر زندگی سوئٹزرلینڈ میں گزاری' اس کے بہت سے رشتہ دار اور دوست یورپ میں رہتے ہیں۔ لیکن وہ محض فلسطینی کاز کی حمایت اور ہمدردی کے جذبے کے تحت مشرق وسطیٰ میں آبسی ہے۔ اسرائیلی سروس چونکہ ہر واقعہ کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات تک پہنچنے کی عادی ہے' اس نے اپنی گھڑی ہوئی کہانی کو بھی اسی انداز میں "حقیقی" بنانے کا اہتمام کیا تھا۔ اس نے اسے متذکرہ بینکوں کے نام' پتے اور اکاؤنٹ نمبر وغیرہ سب کچھ سکھا پڑھا دیئے تاکہ اگر کبھی شک پڑ جائے اور فلسطینی سکیورٹی کے آدمی چیکنگ کرنے لگیں تو ہر چیز کی ٹھیک ٹھیک تصدیق ہو سکے۔

دینا کی سٹوری کا ایک پہلو کافی عجیب تھا کہ وہ اگرچہ فلسطینی چھاپہ ماروں کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات پہنچا کر ان کی جنگی تیاریوں کو سبوتاژ کر رہی تھی لیکن اسے فلسطینیوں سے دلی ہمدردی تھی جو ناقابل برداشت سختیاں سہہ رہے تھے۔ ان کے کیمپوں کی حالت اتنی خراب تھی کہ ان کے پاس پھٹکنا بھی مشکل تھا چہ جائیکہ وہیں رہنا شروع کردیا جائے۔ وہاں رہنے کے بغیر ان کے دکھوں کو جاننا بھی تو ممکن نہ تھا مگر دینا بڑے حوصلے سے وہاں رہ رہی تھی۔ وہ ان کے حصولِ وطن کے عزمِ صمیم سے بھی اچھی طرح آگاہ تھی۔ اس کا ان کے دکھوں پر آنسو بہانا اور ان کے جذبۂ وطن کو سراہنا' انہیں اس کے قریب تر لے آیا اور اس طرح ان کے مابین ایسے اعتماد کی فضا قائم ہوگئی کہ اس سے ان کی کوئی بات چھپی نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے اس کے لیے جاسوسی کرنا آساں تر ہوگیا۔ دوسری طرف وہ اس نازک ترین بات کو بھی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اگر اس نے صیہونیت کے خلاف بہت زیادہ نفرت کا اظہار شروع کردیا تو اس سے بھی فلسطینیوں کو اس پر شک گزر سکتا ہے۔ اس لیے وہ قریب قریب معتدل مزاجی کا مظاہرہ کرتی اور کبھی کبھار ایک آدھ جملہ ان کے "حق وطن" سے متعلق بھی کہہ دیتی تھی۔

1973ء کے موسم گرما کے ایک دن اس نے اپنے آقاؤں کو پی ایف ایل پی (پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف پیلسٹائن) کے لیڈر جارج حباش کے بارے میں تفصیلی اطلاع دی کہ وہ مڈل ایسٹ ایئرلائنز کراویل کی پرواز نمبر 006 کے ذریعہ بیروت سے بغداد پہنچنے والا ہے' اس طیارے میں اس سمیت 74 افراد سوار ہوں گے۔ موساد کو عرصہ سے اس کی تلاش تھی۔

کیونکہ اس نے 1960ء سے طیاروں کے اغوا کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا' اس کے آدمی اس فن میں زبردست مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اسرائیل کی ایئر لائنز ''ال آل'' کی جس پرواز کو اغوا کر کے الجزیرہ پہنچایا گیا تھا' وہ بھی اسی کے آدمیوں کے فن کا مظاہرہ تھا۔ اس کے اگلے سال ایتھنز میں ''ال آل'' پر زمین پر کھڑے کھڑے بھی انہوں نے ہی قبضہ کیا تھا۔ 1970ء میں اسی گروپ نے فضا میں کارروائی کر کے پانچ انٹرنیشنل ایئر لائنز میں سے چار کو اردن کی ایک صحرائی ایئر سٹرپ ''ڈاسنز فیلڈ'' پر اتار لیا اور پھر انہیں دھماکہ کر کے اڑا دیا تھا۔ اتنے سارے واقعات کے ذمہ دار شخص سے بدلہ لینے کے لیے اسرائیلی بے چین ہو رہے تھے اور پھر کمال یہ کہ ایسی زبردست اطلاع دینے والی بھی دینا تھی۔ وزیراعظم اسرائیل گولڈا میئر نے وزیر دفاع موشے دایان کو حکم دیا کہ اس موقعے سے ضرور فائدہ اٹھایا جانا چاہیے اور اس طیارے کو اغوا کر کے اسرائیل پہنچا دیا جائے تاکہ اتنے فعال دہشت گرد کو ہمیشہ کے لیے قابو کر لیا جائے۔

بیروت سے فضا میں بلند ہوتے ہی ''کراویل'' کے کپتان مٹہ نے جو مڈل ایسٹ ایئر لائنز کا سینئر پائلٹ تھا' سگنل دیا کہ ''چند بے نشان میراج فائٹر طیارے ہمارے قریب آ رہے ہیں۔'' اتنے میں اسرائیلی سکوڈرن کمانڈر نے ریڈیو پیغام میں دھمکی دی کہ ''وہ فائر کا حکم دینے والا ہے' اگر خیریت مطلوب ہے تو کراویل کو جنوب کی طرف لے جاؤ'' چنانچہ اسے بن گورین ایئرپورٹ تل ابیب پہنچا دیا گیا۔ مسافروں نے سمجھا کہ وہ بغداد پہنچ چکے ہیں اور جب دروازے کھلے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اسرائیلی سپاہی اندر پھلانگ آئے اور عربی میں حکم دیا ''ہاتھ اٹھا لو''۔ مرد مسافروں کو شناخت کے لیے ایک طرف لے جایا گیا۔ شناخت کرائی گئی تو اب حیران ہونے کی باری اسرائیلیوں کی تھی' ان میں جارج حباش نہیں تھا۔ چنانچہ طیارے کو بیروت واپس جانے کا حکم دے دیا گیا۔ مڈل ایسٹ ایئر لائنز نے بعد میں رپورٹ دی کہ اسے اسرائیلی حکام کی طرف سے ایندھن اور ایئرپورٹ سروسز کا بل موصول ہوا ہے۔

☆☆☆

''پاپولر فرنٹ'' کے لیڈر کو واقعی اسی (کراویل) فلائیٹ پر سفر کرنا تھا کیونکہ یہ مڈل ایسٹ ایئر لائنز کی دی آنا سے آنے والی ''توسیعی سروس'' تھی' یورپ سے اس کی آمد میں تاخیر ہو گئی۔ اس دوران جارج حباش بیروت ایئرپورٹ پر اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا' وہ دل کا مریض تو پہلے ہی تھا' اس لیے اس کی طبیعت بگڑ گئی' اس نے بغداد تک ڈیڑھ سو منٹ کی پرواز سے فائدہ نہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنا پروگرام ترک کر دیا۔ یہ وضاحت تو

بہت بعد میں سامنے آئی لیکن اس وقت موساد کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ بیروت میں اس کی ایجنٹ کسی گڑبڑ سے دوچار ہو گئی ہے۔ اسے یہ شبہ ہوا کہ فلسطینیوں نے اسے پھانسنے کے لیے کوئی اور چال چلی ہے۔ ادھر جارج حباش نے بھی اپنے اغوا کی ناکام کوشش سے پورا فائدہ اٹھایا' اس عظیم دہشت گرد لیڈر کو یہ بیان جاری کرنے کا حوصلہ مل گیا۔۔۔ ''یہ دہشت گردی کی انتہا ہے' عالمی رائے عامہ کو اب معلوم ہو جانا چاہیے کہ اصل دہشت گرد کون لوگ ہیں''۔

اس واقعہ کے فوراً بعد ایک انتہائی باخبر برطانوی صحافی نے اپنی کتاب ''بلیک ستمبر'' میں لکھا:

''انٹیلی جنس کے نقطۂ نظر سے اس ہائی جیکنگ سے پتہ چلتا ہے کہ اس انتہائی محفوظ اور محافظوں سے ہر وقت گھرے ہوئے فلسطینی لیڈر کی نقل و حرکت کی کتنے قریب سے جاسوسی کی گئی ہے۔ جو لازماً حباش کے کسی قریب ترین شخص نے کی ہے...... فلسطینیوں کی تنظیموں کے اندر غالباً اسرائیلی اور اردنی گھس آئے ہیں......''

یہ منصوبہ دینا کی کسی غلطی کی وجہ سے ناکام نہیں ہوا تھا' ''پی ایل او'' کی اعلیٰ ترین قیادت کے حلقوں میں رسائی حاصل کر لینا ہی اس کا بہت بڑا کارنامہ تھا' یہاں تک کہ اس نے ''صلاح خلف'' کے خاندان سے بھی دوستی کر لی تھی جسے عرف عام میں ''ابوایاز'' کہا جاتا تھا' یہ وہی شخص تھا جس نے اسرائیلی اولمپک اتھلیٹک ٹیم پر حملے کی پلاننگ کی تھی۔ وہ ''بلیک ستمبر'' کا بھی لیڈر تھا جس نے میونخ کے قتل عام میں حصہ لینے والے الفتح سکواڈ کو منظم کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ یہ ذمہ داری اپنے سر لینے سے ہمیشہ انکاری رہا ہے۔ ابوایاز الفتح سیکورٹی کا بھی سربراہ تھا اور اس حیثیت سے اس نے تنظیم میں سے غداروں اور اسرائیلی ایجنٹوں کو نکال باہر کرنے کے لیے ایک خاص شخص کا انتخاب کیا جس کا نام ''علی حسن سلامے'' تھا اور اس نے میونخ کے قتل عام کا منصوبہ بنایا تھا۔

اسے اتفاق ہی کہہ لیجیے کہ دینا کو اسی ''علی حسن سلامے'' کے گھر میں اس کے بچوں کی نگران (Baby Sitter) کے طور پر نوکری مل گئی۔ اس کا اس وقت پتہ چلا جب اس نے اپنے تل ابیب کے ہیڈ کوارٹر کو بھیجی گئی رپورٹ میں اس کے نام کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس شخص کا ابوایاز کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اس سے موساد کو احساس ہوا کہ وہ پی ایل او کے کتنے اعلیٰ حلقوں میں پہنچ چکی ہے۔ اس نے موقع کو غنیمت جانا اور کسی طرح اس کے گھر میں رکھے ہوئے خفیہ کاغذات تک رسائی حاصل کر لی' ان میں سے جو دستاویزات اسے اہم لگیں اس نے

ان کی تصویریں بنا کر تل ابیب بھیج دیں۔ ان میں ممبروں کی لسٹ اور ممبروں کے فرضی نام بھی تھے جو وہ ہر آپریشن کے دوران اپناتے تھے۔ حتیٰ کہ اسے ان کے مستقبل کے منصوبے بھی مل گئے۔ موساد نے یہ تمام معلومات مغربی انٹیلی جنس اور ان ملکوں کی پولیس کو بھی فراہم کر دیں تاکہ جونہی کسی کارروائی کے لیے "فلاں فلاں" نام سے پاسپورٹ رکھنے والے افراد پہنچیں، دھر لیے جائیں۔

1974ء میں الفتح نے اسرائیل کے ساحلی قصبے "نہریہ" پر بحری حملہ کیا تو اسرائیلی ڈیفنس فورس (IDF) نے فوراً جوابی کارروائی کا فیصلہ کر لیا اور یہی جاسوس عورت تھی جس نے اسے اس کے بحری چھاپہ مار کارروائیوں کے لیے اہداف تلاش کرنے میں مدد دی اور بروقت مطلوبہ اطلاعات فراہم کیں۔ موساد نے اس سے جنوبی لبنان کی تین بندرگاہوں طائر، سیدون اور راس الشک میں پی ایل او کی کشتیوں اور ماہی گیر جہازوں کی تصاویر طلب کیں تاکہ حملہ آور انہیں بہ آسانی شناخت کر کے نشانہ بنا سکیں۔ دینا نے اس کے لیے ساحل پر فلسطینی بچوں کی ضیافت کا پروگرام بنایا، بچے وہاں پہنچ کر کھیل کود میں مصروف ہو گئے اور بچوں کی تصاویر بناتے بناتے اس نے خفیہ طور پر مطلوبہ کشتیوں کی تصویریں بھی بنا لیں۔ پی ایل او ماہی گیری کے جہازوں میں خصوصی آلات نصب کر کے انہیں بحری کارروائیوں کے لیے استعمال کرتی تھی۔ تصویریں تو بن گئیں اب انہیں بھیجنے کا مرحلہ تھا، جسے وہ اپنی زبان میں "ڈیڈ ڈراپ" کہا کرتے تھے۔ یعنی کسی مخصوص جگہ پر چیز پہنچا دینا، جہاں سے اسے کوئی نامعلوم کارندہ اٹھا کر آگے چل پڑتا تھا۔ اس ضمن میں "ڈیڈ ڈراپ" بیروت کا ایک ہوٹل تھا۔ پھر اس نے اپنے خاص طریقے کے مطابق ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعہ ہیڈ کوارٹر کو تصاویر کے بارے میں مطلع کر دیا، یہ ٹرانسمیٹر اس کے باتھ روم سنک کے اندر نصب تھا۔ چنانچہ اس کی فراہم کردہ انفارمیشن کی بنیاد پر اسرائیلی کمانڈوز نے پی ایل او کی تیس کشتیاں تباہ کر دیں۔

دینا کی اہم ترین سیاسی خدمت یہ تھی کہ اس نے تل ابیب کے حکام کو اپنے فلسطینی ذرائع سے حاصل کردہ ایک سٹوری بھیجی جو مصر کے صدر انور سادات کو قتل کرنے کے ایک منصوبے کے بارے میں تھی۔ اس قبل از وقت انکشاف نے مصری لیڈر اور وزیر اعظم مناخم بیگن کے درمیان پہلی تاریخی ملاقات کے لیے راہ ہموار کر دی۔ حکومت نے یہ اطلاع اپنے وزیر اعظم کی وساطت سے ہی پہنچانا ضروری سمجھی جونہی انور سادات کو سازشیوں کا پتہ چلا، اس نے سب کو گرفتار کر لیا۔ اس تعاون کی وجہ سے، جس سے اس کی جان بچی، مصری صدر دلی طور

پر اسرائیلی وزیر اعظم کا ممنون رہا۔

دوسرے بہت سے جاسوسوں کی طرح متعدد اہم کارنامے انجام دینے کے بعد دینا میں بھی بے پناہ خود اعتمادی پیدا ہو گئی، اس نے خود کو بالکل محفوظ سمجھ کر غیر ضروری خطرات مول لینا شروع کر دیے۔ ممکن ہے وہ اپنے لبنانی عاشق کو دل کی بات کہہ بیٹھی، اس نے اسے ان حرکات پر برا بھلا کہا، چنانچہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دھر لی گئی۔ لبنان کی خانہ جنگی شروع ہونے والی تھی، بیروت کے حکام نے اسے پکڑ کر پی ایل او کی سکیورٹی کے اہلکاروں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے اذیتیں دے دے کر اس سے پوچھ گچھ کی۔ پھر کسی "ریسکیو آپریشن" کے خدشے کے پیش نظر اسے سیدون کے قریب ایک غار میں پہنچا کر زنجیروں سے دیوار کے ساتھ باندھ دیا اور پانچ سال وہیں قید رہی۔ پھر موساد نے خفیہ سودا بازی کر کے اسے دو فلسطینیوں کے عوض، جنہیں عمر قید کی سزا ہوئی تھی، چھڑوا لیا۔ یہ تبادلہ فروری 1980ء میں ریڈ کراس کی زیر نگرانی قبرص میں ہوا۔ رہائی کے بعد دینا شمالی اسرائیل میں بطور ڈاکٹر جا کر رہنے لگی۔

اسرائیل کے جاسوسی کے آپریشنوں کا یہ پہلو ان کی بڑی نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو زندہ واپس لینے میں کامیاب ہوتے رہے۔ اس کے حکام کی یہ رائے بہت اہم ہے کہ ایجنٹ، دشمن کے ہتھے چڑھ جائے تو اسے بالآخر اعتراف جرم ضرور کرنا پڑتا ہے، تکلیف دہ پوچھ گچھ اور دن رات اذیت کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ یہ بڑا حقیقت پسندانہ طرز عمل ہے جس کے تحت موساد فلسطینیوں سے مذاکرات کے لیے ہمیشہ تیار رہی ہے۔ سرکاری روایت تو یہی ہے کہ قیدیوں اور یرغمالیوں کے بارے میں کبھی سودا بازی نہیں ہونی چاہیے لیکن، یہ اصول کئی مواقع پر توڑا گیا ہے۔ اس کے لیے جواز یہ پیش کیا گیا کہ کسی ایجنٹ کو چھڑوا لینے سے سروس کے دیگر افراد پر اچھا اثر پڑتا ہے اور وہ اپنے ملک کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ بھی خوش دلی سے مول لے لیتے ہیں۔

لیکن جب سے دشمن کو تھکا تھکا کر مارنے کی جنگ (War of Attrition) شروع ہوئی ہے، ایک چیز میں کبھی تغیر نہیں آیا، وہ ہے اسرائیلی حکومت کا عزم ...... خواہ کیسی بھی مخلوط حکومت آئی ہو، اس نے معروف دہشت پسند لیڈروں اور فلسطینی اڈوں کو نشانہ بنانا، اپنا اولین فرض سمجھا، اور سزا، جرم کے عین مطابق دیتی رہی ہے جبکہ موساد بلا روک ٹوک حملے کرنے اور حملوں کا جواب دینے میں مصروف رہی ہے۔

انتقام

1970ء کے بعد سے موساد نے اگر دنیا بھر کے کوتوال کی ذمہ داریاں اپنے سر نہیں لے لی تھیں تو کم از کم دہشت گردوں سے نمٹنا اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس کی ساری قوت ملک کے اندر اور باہر فلسطینیوں کے خطرے کے مقابلے کے لیے وقف ہو چکی تھی۔ اصل رزم گاہ سرزمین لبنان تھی جہاں فلسطینیوں کی ساری قوت مرتکز تھی لیکن خفیہ سروس کے ایجنٹ یورپ اور افریقہ کے دور دراز مقامات پر بھی برسر پیکار تھے۔ پالیسی ہر جگہ ایک تھی یعنی گوریلا گروپوں اور دہشت پسندوں کے جتھوں پر سخت سے سخت ضرب لگانا اور ان کی کمر توڑ کر رکھ دینا' ان کا واحد مقصد تھا کیونکہ وہ اسرائیل کو ہمیشہ اذیتوں میں مبتلا رکھتے تھے۔ موشے دایان کا اندازہ تھا کہ 1967ء کی جنگ کے خاتمہ سے لے کر اردن میں خانہ جنگی کی ''بلیک ستمبر'' تک اردنی اڈوں سے دہشت گردوں نے کم از کم 5840 حملے کیے تھے جن سے 141 اسرائیلی ہلاک اور 800 زخمی ہو گئے تھے۔

پی ایل او اور اس کی ذیلی تنظیمیں اسرئیل کے لیے ایک آسیب بن گئی تھیں۔ ''انٹیلیجنس'' اُس کے اندر کی تفصیلات' داخلی پالیسیوں' گروپوں کے باہمی تعلقات' ان کے مابین مباحث اور چپقلشوں کے بارے میں بھی بہت کچھ جاننا چاہتی تھی' دوسرے ملکوں سے اس کے تعلقات بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے' انہیں جاننے کے بغیر اس کی اصل قوت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ''انٹیلیجنس'' نے موساد کو اس کے اندر گھس کر اس کے عقوبت خانوں' اس کے تربیت کے طریقوں اور چھاپے مارنے کے آئندہ منصوبوں سے آگاہی حاصل کرنے کی ہدایات جاری کر دیں۔ موساد نے اس مقصد کے لیے لبنان جیسے پڑوسی ملک ہی کا انتخاب نہیں کیا بلکہ سوویٹ بلاک' مغربی یورپ اور امریکہ تک اپنی تحقیق و تفتیش کا سلسلہ پھیلا دیا۔ مثلاً

انہیں اسلحہ کہاں سے ملتا ہے اور تربیت کی سہولتیں کہاں سے حاصل ہو رہی ہیں۔ موساد اور شین بتھ نے مشترک مقاصد کے لیے اپنے وسائل یکجا کر لیے اور ''کلوواٹ گروپ'' کا بھی تعاون حاصل کر لیا' یہ گروپ چند مغربی ملکوں کا دفاعی حصار تھا جو دہشت گردی کے خلاف قائم کیا گیا تھا' اس میں سوئٹزرلینڈ جیسے غیر جانبدار اور کینیڈا جیسے ''غیر متعلق'' ملک کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ یہ ''غیر متعلق'' اس لیے تھا کہ اس نے ایسی سرگرمیوں میں اس سے پہلے کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔

موساد نے بہت جلد اپنے خطرناک اور خوفناک دشمن ودیع حدّاد کو شناخت کر لیا جو تنظیم آزادیٔ فلسطین کے بازو پی ایف ایل پی (پاپولر فرنٹ فار لبریشن آف پیلسٹائن) کے شعبہ آپریشنز کا انچارج تھا۔ اس شعبے کو وہ اور جارج حباش مل کر چلا رہے تھے۔ یہ دونوں چونکہ ہم پلّہ تھے اس لیے اکثر آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ یہ لڑائی اصولی نقاط پر ہوتی تھی۔ لیکن اس سے حدّاد کی نت نئی منصوبہ بندیوں میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑی' یہ اس کے دماغ میں آئی ہوئی کوئی لہر ہوا کرتی تھی جو اسے صیہونیوں پر مؤثر سے مؤثر تر ضرب لگانے پر اکساتی رہتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ اس نے ڈیوڈ بن گورین کو اس وقت قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا جب وہ ریٹائر ہو چکا تھا اور ان دنوں نجی طور پر ڈنمارک گیا ہوا تھا۔

پھر حدّاد خود بھی موساد کی ہٹ ٹیم کا مطلوبہ ہدف بن گیا۔ جولائی 1970ء میں ایک رات وہ بیروت کے ایک اپارٹمنٹ میں ٹھہرا ہوا تھا کہ روسی ساخت کے چھ ٹینک شکن راکٹ دیوار کو پھاڑتے ہوئے' اس کے ساتھ والے کمرے میں آ پھٹے' وہ اس وقت وومن ہائی جیکر لیلیٰ خالد کے پاس بیٹھا' کسی پلاننگ میں مصروف تھا۔ اس کا آٹھ سالہ بیٹا ہنی جو اپنی ماں کے قریب لیٹا تھا' بری طرح جل گیا اور اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ یہ راکٹ کسی ٹائم ڈیوائس کے ذریعہ چلائے گئے تھے۔

یہ پاپولر فرنٹ کی طرف سے انٹرنیشنل ایئر لائنز کے اغوا سے دو ماہ پہلے کا واقعہ تھا۔ انہوں نے اس طیارے کو اغوا کر کے اردن کی ''ڈاسن فیلڈ'' پر لا اتارا تھا' اس کے بعد اس کا نام تبدیل کر کے ''ریولیوشن فیلڈ'' (انقلابی میدان) رکھ دیا گیا۔ اس واقعہ پر شاہ حسین نے برہم ہو کر پی ایل او کے خلاف اپنی ''بلیک ستمبر'' مہم شروع کر دی۔ کیونکہ فلسطینیوں نے بقول اس کے' اردن میں ناجائز اڈے بنا کر ملک کی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس مہم کی وجہ سے اردن سے فلسطینیوں کا پہلی بار اخراج عمل میں آیا۔ شروع میں اردن میں صرف کیمپ ہوتے تھے بعد میں فلسطینیوں نے انہیں اڈوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ دشمن کے خلاف تو ان کی

کارروائیاں قدرتی بات تھیں مگر الفتح وغیرہ نے اپنے میزبان ملک کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہاں سے نکالے جانے کے بعد اصل بنیادی تنظیم' پی ایل او نے بیروت میں مستقل ٹھکانہ کر لیا اور اس کے دیگر نظریاتی گروپ اپنے اپنے ذوق سیاست کے مطابق بغداد' دمشق یا شمالی افریقہ میں براجمان ہو گئے۔ پاپولر فرنٹ (پی ایف ایل پی) نے اپنا تربیتی مشن جنوبی یمن میں عدن میں منتقل کر دیا۔ پھر موساد بھی حالات کے مطابق مزید آگے بڑھ گئی۔ کیونکہ اب اس کے لیے اردن اور لبنان کے علاوہ دیگر ملکوں میں بھی فلسطینیوں پر نظر رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔

انٹی ٹیوٹ نے فضاؤں میں دہشت گردی کی جنگ کے پہلے مرحلے کا بڑی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور جب اس کا سربراہ مائرامیت 1969ء میں ریٹائر ہوا تو وہ یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ اس کے کیے ہوئے دفاعی اقدامات کی بدولت ''ال آل'' کی پروازوں کے اغوا کی وارداتیں ختم ہو گئی ہیں۔ فضائی قزاقوں نے وقتی طور پر ان طیاروں کا پیچھا چھوڑ دیا تھا اور دوسرے ملکوں کے طیارے اغوا کر کے دنیا کو اپنی مظلومیت کی طرف توجہ دلا رہے تھے۔

اب پہلے سے بدتر صورت حال سامنے آ رہی تھی۔ کیونکہ فلسطینیوں نے اپنا ''نیٹ ورک'' یورپ میں بھی پھیلا لیا تھا اور انہیں اس وقت جرمنی اور اٹلی میں سرگرم عمل براعظمی دہشت گردوں کا تعاون حاصل ہونے لگا تھا۔ یورپ کے نوجوان انارکسٹوں اور انقلابیوں کے کئی گروہ جو اپنے آپ کو تیسری دنیا کے مظلوموں کے ہمنوا کہتے تھے یورپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دندناتے پھرتے تھے' انہوں نے شاہ ایران کو اپنا دشمن نمبر 1 قرار دے رکھا تھا اور وہ اسرائیل کو بھی انتہائی ناپسندیدہ قوم سمجھتے تھے کیونکہ وہ فلسطینیوں پر مظالم ڈھاتی تھی۔ ''آندریاس بادر'' (Andreas Baader) اور ''الرائیک منہوف'' (Ulrike Meinhof) اپنے بیشمار متبعین کو لے کر گوریلا طرز جنگ سیکھنے کے لیے عرب ٹریننگ کیمپوں میں پہنچنا شروع ہو گئے۔

ودیع حداد بین الاقوامی دہشت گردی کا عظیم علمبردار تھا۔ اس نے 1972ء میں بداوی ریفیوجی کیمپ میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں بڑے مدلل طریقے سے اپنے نظریے کا اظہار کیا۔ کانفرنس میں ''بادر منہوف'' گینگ کے ارکان کے علاوہ' جاپانی ریڈ آرمی (JRA)' ترک اور ایرانی نوجوان' پاپولر فرنٹ' الفتح اور بلیک ستمبر کے نوجوان بھی شریک تھے۔ (تنظیم آزادی فلسطین کو ماہ ستمبر میں اردن میں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے جو نیٹ ورک قائم کیا گیا تھا' اسے ''بلیک ستمبر'' کا نام دیا گیا

تھا) بداوی کے اجلاس میں کئی مقررین کے اظہار خیال کے بعد مختلف نیشنل گروپوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ ایک دوسرے کو اسلحہ' انٹیلی جنس ڈیٹا' محفوظ پناہ گاہیں اور فرار کے راستے مہیا کریں گے۔ ان کا اندازہ تھا کہ عرب دہشت گردوں کو پکڑنے پر مامور سکیورٹی کے لوگ یورپی دہشت گردوں کو آسانی سے نہیں پکڑ سکیں گے' اسی طرح یورپی دہشت گردوں کا پیچھا کرنے والے لوگ' عربوں کو آسانی سے نہیں پہچان سکیں گے۔ ودیع حداد نے پہلے ہی سے وینزویلا کے دہشت گرد کارلوس اور ٹکاراگوا کے پیٹرک آرگولو جیسے غیر ملکیوں کو بھرتی کر رکھا تھا اور ان سے اپنی کارروائیوں میں مدد لیتا تھا۔

بداوی کانفرنس کا پہلا نتیجہ اسرائیل میں لد (LOD) ایئرپورٹ پر طیارے سے سب مسافروں کو اتار کر موت کے گھاٹ اتار دینے کی صورت میں نکلا۔ یہ کارروائی ''جے آر اے'' کے جاپانیوں نے پاپولر فرنٹ کے تعاون سے کی۔ ایئرپورٹ لاؤنج میں ان پر بموں اور مشین گنوں سے حملہ کیا گیا اور 27 مسافروں کو موقع پر پھڑکا کر رکھ دیا گیا۔ پاپولر فرنٹ کے ترجمان کا کہنا تھا کہ ''ہم زیادہ سے زیادہ افراد کو مارنا چاہتے تھے''۔

''بلیک ستمبر'' نے اپنی الگ بین الاقوامی واردات کے لیے تیاریاں شروع کر رکھی تھیں اسے الفتح نے اس کام پر مامور کیا تھا (پی ایل او نے اس سے اپنے تعلق کی تردید کی تھی)۔ الفتح کا چیف پلانر ''ابوایاز'' تھا جس کا اصل نام ''صالح خالف'' تھا۔ وہ الفتح کے سیکورٹی یونٹ ''جہاد الرزد'' کا بھی باس تھا۔ اس کو ایسے غداروں کو تلاش کرنے کا کام سونپا گیا تھا جنہیں موساد نے ریکروٹ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ اس حیثیت سے اس نے بیس جاسوسوں کو ٹھکانے لگانے لگا دیا تھا۔ اس گروپ کو ''دہشت گروپ'' (Terror Group) کہا جاتا تھا' اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے اردن کے وزیراعظم وصفی طل کو قاہرہ کے شیرٹن ہوٹل میں گولی مار کر ہلاک کر دیا' جو فلسطینیوں کو اردن سے نکالنے کا انتقام تھا۔ موساد اس سٹیج پر بھی (یعنی 1971ء میں) ''بلیک ستمبر'' کے مقصد قیام سے پوری طرح باخبر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ''لد'' ایئرپورٹ پر ہونے والے واقعہ کو روک نہ سکی تھی۔ جس پر موساد کے اس وقت کے سربراہ زویکا زمیر (Zwicka Zamir) کو اپنے ملک میں کڑی تنقید کا نشانہ بننا پڑا تھا۔

1972ء کے موسم گرما میں اس کی اصل پریشانی میونخ میں منعقد ہونے والے اولمپک مقابلے تھے۔ انٹیلیجنس کو پہلے سے اندازہ تھا' یہ بین الاقوامی مجمع دہشت گردوں کا نشانہ بن سکتا ہے۔ وہاں مقامی ایجنٹوں کو بھی سن گن تھی کہ شاید اس موقع پر بڑے پیمانے پر

کوئی واردات ہوگی۔ اس وقت مغربی جرمنی کا ایک یہودی النسل شخص جرمنی کی ایک دہشت پسند تحریک کا سرگرم ممبر تھا' اسے بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ عربوں سے مل کر کوئی منصوبہ بن رہا ہے۔ موساد کے دو آفیسر مغربی جرمنی کے حکام سے سکیورٹی کے مسئلے پر تعاون کے لیے میونخ گئے تھے مگر انہیں کوئی زیادہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی فیڈرل ری پبلک ان گیمز کے حوالے سے یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ ہر قسم کے انتظامات کرسکتی ہے اور حالات بالکل پُرامن اور پُرسکون ہیں۔ بہت زیادہ سکیورٹی کی احتیاطیں جو دکھائی بھی دے رہی ہوں' اعتماد کی کمی کا اظہار ہوں گی۔ ان سے خواہ مخواہ قسم کی بدمزگی پیدا ہوگی۔

جب بلیک ستمبر کا ہٹ سکواڈ اسرائیلی اولمپک ٹیم کے 9 ارکان کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوگیا تو اسرائیل کو شدید دھچکا لگا اور ملک بھر میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ موشے دایان نے شدید برہمی کی حالت میں ایک سپیشل فورسز یونٹ بھیجنے کا ارادہ کیا جو موقع پر دہشت گردوں سے لڑ کر یرغمالیوں کو رہا کرائے لیکن یہ اقدام جرمنوں کے لیے کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتا تھا۔ زویکازمیر جو پہلی جانکاہ اطلاع ملتے ہی میونخ پہنچ گیا تھا اور اس وقت وہ بھی ایک بے بس تماشائی کے طور پر ایئرپورٹ پر کھڑا تھا جہاں انٹرنیشنل ٹی وی کا عملہ جرمن محافظوں اور فلسطینی حملہ آوروں کے درمیان جھڑپوں کی ریکارڈنگ کررہا تھا اور 9 راتھلیٹوں کو بالآخر گولیوں کا نشانہ بنادیا گیا تھا۔ اسے ہرگز یقین نہیں تھا کہ فلسطینی کھلاڑیوں پر حملہ کردیں گے اور وہ انہیں اسی طرح چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ موساد کے دو مشیروں کو اس امر پر اطمینان تھا کہ جرمن پوری احتیاط سے حفاظتی تدابیر کررہے ہیں۔ اس لیے وہ گیمز شروع ہونے سے پہلے ہی تل ابیب واپس چلے گئے تھے۔

اس قتل عام کو روکنے میں ناکامی کی ذمہ داری بلاشبہ فیڈرل ری پبلک آف جرمنی کی بھی تھی اور اسرائیلیوں کی بھی۔ انکوائری کمیشن نے بون میں اسرائیلی سفارت خانے کو بھی ذمہ دار قرار دیا اور اس کے سٹاف کے تین ارکان بشمول' موساد کا ایک ملازم' اپنے فرائض میں کوتاہی کے مرتکب قرار پائے۔ موساد کی مزید تذلیل کے لیے وزیراعظم گولڈا میئر نے ایک خصوصی معاون برائے انسداد دہشت گردی کے تقرر کا اعلان کردیا' اس اسامی کے لیے جنرل ایہارون یاریف کو منتخب کیا گیا جو ملٹری انٹیلی جنس کی سربراہی سے فارغ ہونے والا تھا۔ اس سے اس تاثر کو تقویت ملی کہ موساد کی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے ''امن'' سے مدد لی جارہی ہے۔ اب صاف ظاہر تھا کہ موساد کی تاریخ میں ایک نیا موڑ آرہا تھا' فلسطینیوں کی دہشت

گردی میں اچانک تیزی آجانے سے حکومت اور پبلک' دونوں خوفزدہ تھیں اور خفیہ سروس سے سخت ایکشن کا تقاضا کررہی تھیں۔ گولڈا میئر کے احکامات بہت واضح تھے۔ انٹیلی جنس سروسز سے تخریب کاری کی اس جنگ میں جارحانہ طرز عمل اختیار کرنے کا تقاضا کیا جارہا تھا اور اس پالیسی کے تحت پہلا قدم موساد کا بجٹ بڑھانا' یعنی تقریباً دوگنا کرنا تھا' تاکہ جنگ کو دشمن کے کیمپ کے اندر لے جانے کے لیے وافر فنڈز موجود ہوں۔ دوسرا قدم' موساد کو نہ صرف قتل کا لائسنس دینا (وہ ماضی میں ایسا کرتی ہی چلی آرہی تھی) بلکہ میونخ کے واقعہ کے ذمہ دار افراد کا سرگرمی سے تعاقب کرکے' ان کا شکار کرنے کا بھی حکم دے دیا گیا تھا چنانچہ گولڈا میئر نے اعلان کیا۔ ''میں اپنے لوگوں سے توقع کروں گی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر فلسطینی دہشت گردوں کا پیچھا کریں گے' وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں انہیں ہر قیمت پر جا پکڑیں اور قرار واقعی سزا دیں''۔

موساد' احکامات کا انتظار کیے بغیر' بلکہ ان احکامات سے پہلے ہی جاپانیوں کے ہاتھوں ''لُد'' کے قتل عام کے جواب میں' اس کا پہلا نشانہ فلسطینی شاعر اور ناول نگار غسان کنافانی تھا۔ یہ بڑا دھیمے مزاج کا خوش طبع ادیب تھا اور بیروت میں بہت سے غیرملکیوں کا پسندیدہ ترین آدمی تھا۔ انہوں نے ایک جگہ اس کی کار کھڑی دیکھی' تو اس میں بم نصب کردیا' جب وہ خریداری سے فارغ ہوکر' اپنی سترہ سالہ بھانجی سمیت کار میں آکر بیٹھا' اسے سٹارٹ کرتے ہی ایک خوفناک دھماکہ ہوا' دونوں کے پرخچے اڑ گئے۔ اسرائیلی حکام اس کارروائی سے پریشان ہوگئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ کنافانی کے بارے میں ان کے پاس مصدقہ اطلاع تھی کہ وہ اگرچہ بظاہر پاپولر فرنٹ کا افسر اطلاعات تھا مگر وہ فرنٹ کی داخلی کونسل کا ممبر بھی تھا جس نے دہشت پسندانہ کارروائیوں کی منصوبہ بندی میں مدد کی تھی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے ''لُد'' کے قتل عام کو جائز قرار دیا تھا' اس لیے اس کا قتل درست ہے۔ اس کارروائی کے چند ہفتے بعد اس کے جانشین بسام ابوشریف کو' جو پی ایل او کا ترجمان مقرر ہوا تھا' گھر پر ایک پارسل بم ملا' اس نے جونہی اسے کھولا' ایک زبردست دھماکہ ہوا' جس سے اس کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی اور چہرہ ہمیشہ کے لیے مسخ ہوگیا۔

موساد جس شخص کا اصل میں پیچھا کررہی تھی وہ علی حسن سلامے تھا' ابوایاز نے اسے خاص طور پر منتخب کرکے بلیک ستمبر کے آپریشنز کی ذمہ داریاں اسے سونپی تھیں۔ موساد کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق' میونخ کے حملے کی وہ ذاتی طور پر نگرانی کرتا رہا تھا۔ علی حسن سلامے

ایک فلسطینی شیخ کا بیٹا تھا جو یہودیوں کے خلاف جہاد کرتا رہا تھا۔ اسے الفتح کی کارروائیوں کا طویل تجربہ حاصل تھا۔ اس کے قتل کی منصوبہ بندی کرنے والوں کو معلوم تھا کہ وہ باڈی گارڈز کے بغیر کبھی باہر نہیں نکلتا' اس کے پاس کئی پاسپورٹ ہیں' اور کئی محفوظ گھر بھی اس کے پاس موجود ہیں لہٰذا اسے قتل کرنا بے حد مشکل کام ہوگا۔

انتقامی سکواڈ دن رات چھوٹے ہتھیاروں اور بم پھینکنے کی تیکنیک کی مشقیں کر رہے تھے اور موساد کے تجزیہ کار بلیک ستمبر کے لیڈروں اور ان کے ہمدردوں کی موٹی موٹی فائلیں نکال کر ان میں سے ہر ایک شخص کے ماضی اور حال کو کھنگال رہے تھے' ہیڈ کوارٹر میں بھی ایک سپیشل یونٹ ان فائلوں پر کام کر رہا تھا جبکہ فیلڈ ورک والے لوگوں نے ویز بیڈن پولیس سنٹر (بی کے اے) میں جا کر جرمن ماہرین انسداد دہشت گردی سے دوستیاں گانٹھ لیں اور ان کے طور طریقے سیکھنا شروع کر دیے۔ انہوں نے سانحہ میونخ میں ملوث جرمن انٹیلی جنس سروس کے لوگوں کے بارے میں بھی شواہد اکٹھے کیے۔ موساد نے خاص طور پر جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے مغربی جرمنی کے دہشت گردوں اور مشرق وسطیٰ کے دہشت گردوں کے باہمی تعلق و ربط کی معلومات جمع کرنا شروع کر دیں۔ اسرائیلی سروس نے ریڈ آرمی کے بارے میں بھی زبان زد عام باتیں اکٹھی کیں اور خصوصی تعلقات کے بل بوتے پر ان عرب ملزموں سے جیل کے اندر جا کر پوچھ گچھ بھی کرنا شروع کر دی۔ یہ اگرچہ غیر قانونی حرکت تھی مگر خوشگوار تعلقات کے باعث نیچے کے حکام نے انہیں سٹیڈلہیم اور دیگر جیلوں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ موساد اتنی سنجیدہ تھی کہ اس نے اس "بزنس" سے متعلق ڈس انفارمیشن کو بھی نظر انداز نہیں کیا' اس میں سے بھی کام کی باتیں نوٹ کرتی رہتی تھی۔ اس کے مخبر سفری سیلز مینوں کی طرح یورپ میں پھرتے رہتے اور صحافیوں اور سیاستدانوں کو مغربی جرمنی کے ڈھیلے ڈھالے قوانین کی طرف متوجہ کرتے کہ وہاں ہر قسم کے تارکین وطن کو کھلی چھٹی ملی رہتی ہے' جو چاہے رہائش اختیار کرلے اور من مانی کرتا رہے فلسطینیوں نے انہی ڈھیلے قوانین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسرائیلی کھلاڑیوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ اس کے جلدی ہی بعد میونخ کے اخبار "کوئیک" (Quick) نے اسرائیلی ذرائع کے حوالے سے الفتح اور بلیک ستمبر کے کارندوں کی سرگرمیوں کی رپورٹ چھاپی جس میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ اس نے کھلاڑیوں کے قتل عام کے واقعہ کو منظم کیا تھا' اس میں اس شخص کی "تصویر" بھی چھاپی گئی تھی۔ اس پر وفاقی جرمنی کے حکام نے تقریباً ایک ہزار ایسے فلسطینی نوجوانوں کو حراست میں لیا اور ملک سے نکال دیا'

جن کے بارے میں شبہ تھا کہ ان کا دہشت گردوں سے کسی نہ کسی حوالے سے تعلق رہا ہے۔ اس دوران سفارت کاروں نے حکومت کو توجہ دلائی کہ عربوں کے لیے مشرق وسطیٰ سے مشرقی برلن تک اور پھر وہاں سے مغرب تک ہوائی سفر اتنا آسان کیوں بنا ہوا ہے؟ چنانچہ ان کے لیے سفری قواعد مشکل بنا دیے گئے۔

یورپ میں موساد کی طرف سے دہشت گردوں کے خلاف چلائی گئی جارحانہ مہم کا پہلا نشانہ وادالزویطر بنا۔ یہ روم میں بلیک ستمبر کا نمائندہ تھا اور وہاں لیبیا کے سفارت خانے میں مترجم کے طور پر کام کر رہا تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ کے باہر مردہ پایا گیا تھا۔ اس کو بارہ گولیاں لگی تھیں جو "انسٹیٹیوٹ" کے پسندیدہ ترین ہتھیار "بریٹا پوائنٹ 22" سے انتہائی قریب سے ماری گئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے قتل کا مزید مہذب طریقہ استعمال کیا جو پیرس میں محمود ہمشاری پر آزمایا گیا۔ ایک پلمبر نے اس کے فلیٹ میں دھماکہ خیز مواد نصب کر دیا پھر ایک ٹیلی فون کال پر الیکٹرانک سگنل سے اسے داغ دیا گیا اور محمود ہمشاری ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کا ایک زائد فائدہ یہ ہوا کہ دہشت گردوں نے پہلے ٹیلی فون کال سے یقین حاصل کرلیا کہ جواب دینے والا ہی مطلوبہ شخص ہے۔ لہٰذا وہ لازماً نشانہ بنے گا۔ اس طرح یورپ میں "بلیک ستمبر" کے کلیدی افراد کے قتل کے واقعات مہینوں جاری رہے۔ "انسٹی ٹیوٹ" کے ایک رکن نے اپنی ان کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "یہ انتقام نہیں تھا' ہم ایک لڑائی لڑ رہے تھے' اسے جیتنے کا واحد راستہ یہ تھا کہ ہم اس نیٹ ورک کو تباہ کر دیتے۔" بلاشبہ اس کی بات درست تھی کیونکہ جتنے لوگ مارے گئے تھے ان میں بیشتر منصوبہ بندی کرنے اور اس پر عمل درآمد کرانے کے ذمہ دار اور منتظم قسم کے لوگ تھے۔ اسرائیل کی آبادی کو بائبل کی تعلیمات کے مطابق — "آنکھ کے بدلے آنکھ" کا عنوان سمجھتے تھے۔ جن حالات میں موساد ابھری' وہ سب کے سامنے ہیں' انتقام لینا اس کی فطرت اور اس کی روح ہے۔ موساد کی ایک ٹیم کا نام ہی — "خدا کا غضب" (Wrath of God) تھا۔ یہ نام اس کے وجود کے جواز کے طور پر رکھا گیا تھا۔

"بلیک ستمبر" اور الفتح پر تباہ کن ضربیں' موساد ہی نے نہیں لگائیں اپریل 1973ء میں بیروت میں دہشت گردوں کی کمین گاہوں پر حملے کے لیے اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے "سپیشل آپریشنز یونٹ" کو بھی طلب کیا گیا تھا۔ "سیارۃ المتنقل" کا نام سنتے ہی لوگ خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اسے عام طور پر "دی یونٹ" پکارا جاتا تھا' اس نے بڑے بڑے دلیرانہ کارنامے

انجام دیے تھے۔ یہ ایک جامع اور ہمہ وقت مستعد فورس تھی۔ برطانوی ایس اے ایس کے برعکس اس کے ارکان' انٹیلی جنس کے سربراہ کی طرف سے صرف ایک اشارے کے منتظر رہتے اور اشارہ پاتے ہی بجلی کے کوندے کی طرح مطلوبہ جگہ جا پہنچتے تھے۔ بیروت میں اہداف کی نشاندہی اگرچہ سیکرٹ سروس کے آدمیوں نے کی تھی مگر انہیں قتل کرنے والے سیارۃ المتکل کے لوگ تھے یہ وہاں برطانوی یا یورپین تاجروں کے روپ میں' جعلی پاسپورٹوں کے ذریعہ داخل ہوئے تھے۔

یہ تیس کمانڈوز تھے جو سویلین کپڑوں میں ملبوس تھے اور ربڑ کی کشتیوں میں سوار دارالحکومت کے قریب خاموش ساحلوں پر جا اترے تھے۔ ان کی رہنمائی ایک مرد اور ایک عورت پر مشتمل ایک ایڈوانس پارٹی کر رہی تھی۔ وہاں سے وہ ایسی جگہ جا کر آپس میں ملے جہاں چند کاریں ان کا انتظار کر رہی تھیں' یہ جو خفیہ کارندوں نے پہلے سے کرایہ پر لے رکھی تھیں۔ وہاں سے وہ چند فلسطینیوں کے کوارٹروں کے قریب جا پہنچے۔ ان میں سے ایک بلاک پاپولر فرنٹ کا تھا اور دوسرا پی ایل او اور الفتح کا تھا۔ فلسطینی گارڈوں کے ساتھ ان کی فائرنگ کا تبادلہ ہوا' گولیاں چلنے کی آواز سن کر لبنانی پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ اس نے بھی گولیاں چلائیں ۔ تینوں فریق ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہے تھے یاسر عرفات کا نائب ابو یوسف' اپنی بیوی اور بچوں کے سامنے گولیوں کا نشانہ بنا۔ بلیک ستمبر کا ''باس'' کمال عدوین اپنے ایک اسسٹنٹ اور اپنے ایک ترجمان کمال ناصر سمیت ہلاک ہو گیا۔ لبنانی پولیس کے دو آدمی ہلاک اور دو زخمی ہو گئے۔ حملہ آوروں نے منصوبہ اتنی احتیاط سے بنایا تھا کہ ان کا کوئی بھی ہلاک یا زخمی نہ ہوا۔ انہوں نے فون کر کے ایمبولینس ہیلی کاپٹر کے ذریعہ لاشوں اور زخمیوں کو وہاں سے اٹھوایا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ لبنانی فوج کے آدمی ہیں۔

حملہ آوروں نے جو عربی بول رہے تھے اس فلسطینی ہیڈ کوارٹر بلڈنگ کی جلدی جلدی تلاشی لی۔ بہت سے کاغذات اور دستاویزات اپنے قبضے میں لیں اور پوری بلڈنگ کو دھماکہ خیز مادے سے اڑا دیا۔ اس دستاویزی شہادت کا حصول' حملے کا ثانوی مقصد تھا۔ مگر جب تل ابیب پہنچ کر ان کاغذوں کے مندرجات کا تجزیہ کیا گیا تو انہیں بہت سا قیمتی مواد ہاتھ آیا۔ اس سے مستقبل کے کئی منصوبوں' بین الاقوامی رابطوں اور دہشت گردی کے لیے استعمال ہونے والے افراد کی نشاندہی ہوئی۔ ان منصوبوں پر اسرائیل کے اندر اور یورپ کے مختلف شہروں میں عمل درآمد ہونے والا تھا۔ ان تازہ اطلاعات کی مدد سے انہوں نے ایک اسرائیلی ایجنٹ کی جان

بھی بچالی جسے فلسطینی اتھارٹی نے لبنان میں زیر شبہ رکھا ہوا تھا۔

اس مشن کی کامیابی کے باوجود' موساد علی حسن سلامے تک پہنچنے میں ناکام رہی جسے اس نے سرفہرست رکھا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ ''زویکا زامر'' کا تیار کردہ بہترین منصوبہ تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے موساد اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لائی تھی اور اس نے کئی ملکوں کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ اس ضمن میں اس سے شناخت کی ایک بھیانک غلطی سرزد ہو گئی۔ اور وہ یہ تھی کہ اس نے ایک بے ضرر مراکشی ویٹر کو جو ایک سیکنڈے نیوین لڑکی کا شوہر تھا ''سلامے'' سمجھ لیا اور اسے جولائی 1973ء میں ناروے کے قصبہ ''للی ہیمر'' میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ موساد کو بڑے ''مصدقہ'' ذرائع نے بتایا تھا کہ ''سلامے'' سیکنڈے نیویا میں ہے اور دہشت گردی کا ایک اور منصوبہ تیار کر رہا ہے' جب اس نے کارروائی کی تو یہ اطلاع' گپ نکلی۔ اس سے موساد کو بڑی شرمندگی اٹھانا پڑی اور اس کے ''مصدقہ'' ذرائع کا پول کھل گیا۔

یہ ''پکڑو اور مارو ٹیم'' ایسے پندرہ افراد پر مشتمل تھی جو مختلف زبانیں' اہل زبان لوگوں کی طرح بولتے تھے' اسے ''پولی گلاٹ یونٹ'' کا نام دیا گیا تھا' اس کے سربراہ کا فرضی نام ''ایڈورڈلسکائر'' تھا اور اس کے پاس' فرانس کا پاسپورٹ تھا۔ چونکہ اسرائیلی شکل و شباہت کے لوگوں کا اس چھوٹے قصبے میں فوراً پہچان لیے جانے کا خطرہ تھا' اس لیے ایڈورڈلسکائر نے جلدی سے ناروے کے لوگ بھرتی کر لیے' ان میں سے بعض پارٹ ٹائم کارندے تھے۔ بعض کارندے جن کے لیے یہ انوکھا آپریشن تھا' یہ کہہ کر بھرتی کیے گئے تھے کہ ان کا کام صرف مشاہدہ کرنا ہو گا (یہ معذرتیں واقعہ کے بعد پیش کی گئی تھیں)۔ انہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ انٹیلی جنس سروس کو کس طرح بے وقوف بنایا گیا یا کن ضروری احتیاطوں کو ملحوظ رکھنے میں ناکام رہی کہ ''لی ہیمر'' کو ''سلامے'' سمجھ بیٹھی۔ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ وضاحت یہی تھی کہ اسے جلدی جلدی ایک اور کارنامہ انجام دینے کا اتنا شوق تھا کہ اس نے اچھی طرح چھان پھٹک غیر ضروری سمجھی۔ تل ابیب کے حکام بہت پریشان تھے کہ بعض ایجنٹ بے احتیاطیاں کر کے اچھی سے اچھی منصوبہ بندی کو بھی ناکام بنا دیتے تھے اور بدنامی ایجنسی کے کھاتے میں پڑتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مقدمہ چلا کر معاملہ عوام کے سامنے لانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سلسلے میں جو لوگ پکڑے گئے ان میں سلویا رافیل بھی تھی۔ وہ سالہا سال فرانسیسی لیڈی جرنلسٹ کے طور پر اردن اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ملکوں میں نہایت مستعدی سے جاسوسی کرتی رہی تھی مگر اب وہ بھی بدنام ہو رہی تھی۔ وہ صرف کمک کے طور پر اس منصوبے

میں شامل تھی لیکن ناروے کے حکام نے اسے چھ سال تین ماہ کے لیے جیل میں بند کر دیا۔
اس وقت وہ پیرس کے سفارت خانے کے عملہ کے ایک سابق رکن ابراہام گہمر کے ہمراہ کام کر رہی تھی اور دونوں کینیڈا کے پاسپورٹوں پر مسٹر اور مسز روکسبرگ کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ مگر چونکہ اوسلو میں اسرائیلی سفارت خانے کے اندر ان کے نام غیر پیشہ ورانہ انداز میں موساد "لیگل" کے طور پر لکھے پائے گئے اس لیے ان کی گرفتاری سے یہ بات منکشف ہوگئی کہ وہ سکنڈے نیویا میں موساد کے نیم سرکاری ایجنٹ ہیں۔

جیل میں نظر بندی کے دوران مسز رافیل ایک ڈائری رکھتی تھی جس میں وہ اپنی یادداشتیں لکھا کرتی تھی۔ بعد میں اس ڈائری کے بعض حصے اخبارات میں چھپ گئے۔ اسے ناروے کے پراسیکوٹر کے نام فنی مذاق پر مبنی خیر سگالی کے کارڈ لکھنے والی کے طور پر بھی پبلسٹی مل گئی ان کارڈوں پر دستخطوں کی بجائے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:

— "005" آدمی جاسوسہ' جو ٹھنڈے ملک سے آئی ہوئی ہے" ناروے کے ایک صحافی نے' جس نے ایک بار اس کا انٹرویو کیا تھا' اس کے بارے میں کلمات تحسین لکھے:

"وہ بے حد نفاست پسند اور حسن و دلکشی کا مجسمہ تھی' اسے دیکھتے ہی آنکھوں میں تارے پھوٹتے محسوس ہونے لگتے تھے' جی چاہتا تھا کہ دیکھتے ہی رہئے اور قدرت کی صناعی کی داد دیتے رہئے۔ اس نے جب سوئیٹر اور پینٹ پہنے ہوتی' اس کے گلے میں لٹکتی ہوئی چین اور لاکٹ' اس کی شخصیت کو اور بھی ملکوتی بنا دیتے۔ دیکھنے والا' سراپا حیرت بن جاتا تھا"

موساد ریکروٹمنٹ کے لیے معمولی شکل وصورت کے افراد ہی کو موزوں سمجھتی تھی۔ کیونکہ وہ لوگوں کی نظروں میں زیادہ جچتے نہیں پاتے' سلویا جیسی عورت نوٹس میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ جب وہ گھر واپس آئی تو اس کے کیوٹس پر پرچم لہرا دیا گیا اور پھول پیش کیے گئے۔ بطور ایجنٹ ناکام رہنے کے باوجود اسے کافی اعزاز بخشا گیا تاکہ پبلک یہ جان لے کہ ملک کی خدمت کرنے والوں کو قدر کی نگاہ سے ہی دیکھا جاتا ہے۔

سلویا رافیل' اپنی اردن میں رہائش کے زمانے میں ہی شہرت حاصل کر چکی تھی۔ وہاں 1970ء کی خانہ جنگی تک' مہاجر کیمپوں میں کام کرنے والے موساد کے جاسوسوں نے اس امر کے کافی شواہد اکٹھے کر لیے تھے کہ اسرائیل پر حملہ ہونے والا ہے لیکن اس دوران انہیں یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ فلسطینی شاہ حسین کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور کسی وقت بھی ان

پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اسرائیل کے سینئر وزرا نے شاہ حسین کے ساتھ متعدد ملاقاتیں کیں جو زیادہ تر لندن میں ہوا کرتی تھیں لندن میں دونوں ملکوں کے سفارت خانے کنسنگٹن میں' ایک دوسرے کی ہمسائیگی میں واقع ہیں۔ ان کے درمیان تعلق اس پرانے اصول پر قائم ہوا تھا کہ دشمن کا دشمن' دوست ہوتا ہے۔ اس لیے موساد عمان میں شاہی محل کو فلسطینیوں کی چالوں سے آگاہ کرتی رہی تھی۔

سلویا رافیل پیرس کی صحافی کے بھیس میں اردن میں جاسوسی کا ایک نیٹ ورک قائم کر چکی تھی۔ ممتاز برطانوی صحافی جان بلوچ' جو لندن کے اخبار "دی انڈیپنڈنٹ" کا ایڈیٹر برائے مشرق وسطیٰ تھا' اس کا کہنا تھا کہ سلویا رافیل اپنے حسن' محنت اور اپنے روابط کے بل بوتے پر عمان کی حکمران طبقوں میں کافی رسائی حاصل کر چکی تھی اور اسے ایک بار اس تقریب میں بھی شرکت کی دعوت مل گئی تھی جس میں شاہ حسین مہمان خصوصی تھے۔

اس اطلاع کے درست ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اسرائیلی چیف آف سٹاف ژیگل ایلن نے فلسطینی کیمپوں کے بارے میں سلویا رافیل کی تحقیقی رپورٹ' شاہ حسین کو پہنچا دی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ حسین اور فلسطینیوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار کر چکے تھے اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اب فلسطینیوں کے خلاف کاروائی کے قابل ہو چکا ہے تو اس نے سلویا کی رپورٹ سے ہی استفادہ کیا اور اس میں دی ہوئی فہرست میں شامل افراد کو پکڑ کر اندر کر دیا۔

سلویا بڑی بااثر سیکرٹ ایجنٹ تھی۔ اس نے ایک بار صحافیوں کو جن میں جان بلوچ بھی شامل تھا' اپنی مصروفیات کی نوٹ بک دکھائی۔ اس میں بقول جان بلوچ عمان کے' بڑے بڑے امراء اور بارسوخ افراد کے نام تھے جن کی ناؤ نوش کی دعوتوں میں وہ شریک ہوتی رہتی تھی۔ اس کے بارے میں ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اہم بھیدوں کا سراغ لگا رہی تھی اور ایسے رازوں تک پہنچ جاتی تھی جس تک عام جاسوسوں کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی اور دوسری جانب اس کا رول ایک ایسی سفارت کار سے ملتا جلتا تھا جو ایسے دو ملکوں کے مابین تعلقات مستحکم بنا رہی تھی جو ناسازگار حالات کے باعث آپس میں سفارتی تعلقات قائم کرنے سے معذور تھے۔ سلویا نے ایک دو مواقع سے زیادہ دفعہ نمایاں طور پر سامنے نہیں آئی اور نہ ہی ایسا ہونا پیشہ ورانہ لحاظ سے اس کے لیے مفید تھا۔ وہ کبھی تو جنوبی افریقہ کی یہودن ہونے کا دعویٰ کرتی اور کبھی کینیڈین ہونے کا تاثر دیتی تھی۔ اس کا نام اس وقت بھی سامنے آیا جب تنظیم آزادئ فلسطین کے گن مینوں

نے قبرصی بندرگاہ ''لارناکا'' میں ایک کشتی میں سوار دو اسرائیلی مردوں اور ایک عورت کو گولی مار کر ہلاک کر دیا' اس وقت اخبارات میں چھپنے والی خبروں میں بتایا گیا تھا کہ اس جزیرے میں مسز رافیل خفیہ ایجنٹ کے طور پر کافی متحرک دیکھی گئی ہے۔ ناروے کے اخبارات نے تو یہ لکھ مارا کہ ہلاک ہونے والی عورت مسز رافیل کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ڈس انفارمیشن سٹوری تھی جو تنظیم آزادیٔ فلسطین نے قتل کے اس واقعہ کو جائز ٹھہرانے کے لیے پھیلائی ہوگی۔ اس سٹوری میں مزاح پیدا کرنے کے لیے مسز رافیل نے 1986ء میں ''اسرائیل انڈر کور'' کے ایڈیٹر سٹیو پوسنر کو لکھا۔ ''میں تو ابھی زندہ ہوں''۔

یہ حقیقت ہے کہ موساد سلویا رافیل کو ''لیلی ہیمر'' کے واقعہ میں استعمال کرنا چاہتی تھی' حالانکہ اس وقت اس کے پکڑے جانے کا بھی قوی خدشہ تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس وقت اس کے پاس عملے کی کافی کمی تھی۔ موساد اور بلیک ستمبر کی دنیا بھر کی مہموں میں سینکڑوں جانیں تلف ہوئیں۔ 1973ء کے اوائل میں سب سے زیادہ قابل ذکر جانی نقصان باروچ کوہن کی ہلاکت تھی۔ یہ سروس کا ایک نہایت تجربہ کار افسر تھا جو اپنے دفتر سے بذریعہ طیارہ میڈرڈ کے لیے روانہ ہوا تا کہ ایک مخبر سے مل سکے' ملاقات ایک کیفے میں ہونا طے پائی تھی۔ وہ وہاں پہنچ کر اس افسر کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک عرب گن مین نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی موت نے سروس کو اپنے یورپی آپریشنوں پر نظر ثانی کرنے اور وہاں تجربہ کار کارندے مقرر کرنے پر مجبور کر دیا' کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فلسطینی سکیورٹی نے موساد کے نیٹ ورک کے اندر راہ پا لی ہے یا اس کے بعض کارندوں کو شناخت کیا جانے لگا ہے۔ اس سے پہلے پیرس میں دو تنخواہ دار عرب مخبر بھی مارے جا چکے تھے' یہ شبہ اسی وقت سے ہونے لگا تھا۔ پے در پے غلطیاں اس لیے ہو رہی تھیں کہ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے نتائج پیدا کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا تھا' جس کی وجہ سے جاسوسوں نے اپنے مخبروں (ذرائع) پر حد سے زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا تھا۔ ''لیلی ہیمر'' کی شناخت میں غلطی کا بھی یہی سبب تھا۔ بعض مخبروں کی اطلاعات تو حیرت انگیز طور پر درست نکلیں مگر بعض صرف زیادہ سے زیادہ کمائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس امر کا بھی امکان تھا کہ بعض لوگ صرف اسرائیلی جاسوسوں کو شناخت کرنے کے لیے مخبر بن گئے تھے۔ ان میں پیشہ ورانہ خلوص کی کمی تھی یا بالکل ہی فقدان تھا۔

''لیلی ہیمر'' کے واقعہ میں جو وحشیانہ طریق کار اختیار کیا گیا تھا اس پر ساری دنیا نے تشویش کا اظہار کیا تھا' چنانچہ موساد کو حکام کی طرف سے سخت انتباہ کیا گیا کہ وہ فلسطینی

لیڈروں کے دانستہ قتل کی مہم فوراً بند کر دے۔ تاہم سلامے بالآخر اس کے ہتھے چڑھ گیا۔ 1979ء کے اوائل میں بیروت میں اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی اس کی فوکس ویگن میں ریڈیو سے ''ٹرگر'' ہونے والا پلاسٹک چارج لگا دیا گیا اور جب وہ اس میں بیٹھا تو ٹرگر دبا کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ یہ طریقہ ایک لیڈی ایجنٹ کے ذریعہ کامیاب ہوا تھا' اس کا نام پٹی لوپ چیمبرز تھا اور وہ برطانوی ہونے کا دعویٰ کرتی تھی۔ وہ چند ہفتے قبل بیروت میں آئی تھی' اس کا ظاہری پیشہ پینٹنگ تھا اور مشغلہ بلیاں پالنا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے سلامے کی بیوی جارجینا کی دوست بن گئی۔ کچھ عرصہ وہ فلسطینی لیڈر کی نقل و حرکت کی جاسوسی کرتی رہی۔ اس نے اپنے دو دوستوں کی یہاں آمد کی راہ ہموار کی۔ دونوں دھماکہ خیز مواد کے خصوصی ماہر تھے' ایک خود کو امریکی اور دوسرا کینیڈین بزنس مین ظاہر کرتا تھا۔ ایک دن انہوں نے موقع پا کر سلامے کی گاڑی میں بم نصب کر دیا اور پھر ریڈیو سے اسے ''ٹرگر'' کر دیا۔ دھماکے سے ''سلامے'' کے علاوہ اس کے چار باڈی گارڈز اور چھ دیگر افراد بھی مارے گئے جن میں اس کی برطانوی سیکرٹری بھی شامل تھی۔

اس وقت تک ''سلامے'' سیاسی طور پر یاسر عرفات کے دست راست کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ اور اس وقت بھی ان کے ساتھ تھا جب انہوں نے اقوام متحدہ میں اپنی ''توپ اور زیتون کی شاخ'' والی مشہور تقریر کی تھی۔ لبنان کی خانہ جنگی کے دوران اس نے بیروت سے ایک ہزار امریکیوں کے انخلا کے انتظامات میں مدد دی تھی۔ اس وقت اس کا امریکی سفارت کاروں سے مسلسل رابطہ تھا۔ جس سے اسرائیلیوں کو شبہ ہو گیا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امریکہ سے پی ایل او کو تسلیم کرانے کے لیے راہ ہموار کر لے گا۔ اس کی موت کے بعد فلسطینیوں نے یہ تاثر بھی دیا تھا کہ سلامے سی آئی اے سے اس مسئلے پر گفت و شنید کر رہا تھا۔ اسرائیل نے اسے قتل کرا کر پی ایل او کو تسلیم کرانے میں پیشرفت رکوا دی۔

جہاں تک موساد کا تعلق تھا اس کی موت ایک طویل جدوجہد کا اختتام تھا اور وہ یہ رپورٹ دینے کے قابل ہو گئی کہ میونخ کے قتل عام کا انتقام بالآخر لے لیا گیا ہے۔ گولڈا میئر نے نیسٹ میں اعلان کیا۔ ''ہم نے ان قاتلوں کو ہلاک کر دیا ہے جو ایک بار پھر ایسی ہی واردات کی منصوبہ بندی کر رہے تھے''

✿ ✿ ✿ ✿

کفارہ

موساد بین الاقوامی دہشت گردی اور تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کے خلاف جنگ میں اتنی بری طرح منہمک تھی کہ اس کے پاس اس سے کہیں بڑے خطرے کی طرف متوجہ ہونے کے لیے وقت ہی نہیں تھا۔ روس عرب ممالک کو دھڑا دھڑ اسلحہ دینے لگا تھا۔ جب ان کے پاس اسلحہ کے کافی ذخائر جمع ہو گئے تو اسرائیلی حکام کو اس وقت ہوش آئی۔ انہوں نے دنیا بھر سے اپنے ایجنٹ فوراً واپس بلا لیے تاکہ اس فوری نوعیت کے خطرے کی پیش بندی کی جا سکے۔ اس طرح کے خطرے کی فضا میں انٹیلی جنس کا زیادہ تر کام سمٹ کر ''امن'' کے حکام کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گیا۔

پڑوسی ملکوں میں نہایت اہم واقعات رونما ہو رہے تھے۔ شام کے سخت گیر حکمران صدر حافظ الاسد نے اپنی فوج کو بہترین اور جدید ترین روسی ہتھیاروں سے مسلح کر لیا۔ مصری فوج بھی روسی اسلحہ سے مضبوط تر ہو گئی۔ صدر سادات میں بے پناہ فخر اور اعتماد پیدا ہو گیا کہ اس کی فوج جو صحرائے سینائی میں اسرائیل کے خلاف طویل جنگ کا تجربہ حاصل کر چکی ہے اب جدید اسلحہ سے بھی لیس ہو کر اس قابل ہو گئی ہے کہ جو کچھ جمال عبدالناصر 1967ء میں حاصل نہیں کر سکا تھا' وہ پا لینے کا وقت آ چکا ہے۔ چنانچہ خطے کے دو بڑے ملکوں کے صدور نے باہمی صلاح مشورے سے اپنے پرانے دشمن پر ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

انہوں نے حملے کے لیے جس دن انتخاب کیا وہ یہودیوں کا ''یوم کپور'' — یا یوم کفارہ تھا ہفتے کا دن تھا اور تاریخ 6 اکتوبر 1973ء تھی اس روز تعطیل بھی تھی۔ اور انہیں یقین تھا کہ اس روز اسرائیل کی مسلح افواج' کم سے کم تیاری کی حالت میں ہوں گی۔ سہ پہر کا وقت تھا کہ مصری فوج کے متعدد ڈویژن نہر سویز کی مشکل رکاوٹوں کو روندتے ہوئے' انتہائی سرعت رفتاری کے ساتھ ''بارلیو'' کی دفاعی لائن پار کر گئے۔ جہاں اسرائیل نے اپنی ریزرو (Reserve) فوج کے ایک بریگیڈ کو تعینات کر رکھا تھا۔ ٹینک سوار مصری فوج انہیں روندتی

ہوئی صحرائے سینائی میں پیش قدمی کرنے لگی۔

اسرائیلی جنرل سٹاف کے لیے یہ بہت ہی بری خبر تھی کیونکہ شامی فوج کی بکتر بند رجمنٹیں دھاڑتی ہوئی گولان کی پہاڑیوں کی طرف بڑھیں اور پھر اس کی دفاعی رکاوٹوں کو توڑ کر بحیرۂ گلیلی کی جانب پیش قدمی کرنے لگیں۔ دونوں عرب افواج ''ایس اے'' مزائلوں کے فراہم کردہ اینٹی ایرکرافٹ فائر کی آڑ میں آگے بڑھ رہی تھیں اور اسرائیل ائیرفورس بے بس کھڑی تھی' اس نے اس صورت میں ہوائی کرشمے دکھانے کے جو خواب دیکھے تھے' ایس اے مزائلوں نے انہیں چکنا چور کر دیا تھا۔ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے ٹینک کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ کئی دن تک غالب گمان یہی رہا کہ اسرائیل جنگ میں شکست کھا چکا ہے۔

وہ کچھ ہو رہا تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا' اسرائیل پر اچانک آفت آ پڑی تھی۔ اس کے لیے قیامت کی گھڑی تھی۔ کیونکہ یہی سوچا گیا تھا' کہ اسرائیل کو اگر پہلی شکست ہوئی تو وہ اس کی آخری شکست ہوگی۔ اس نے اپنی ہر چیز کی منصوبہ بندی اس بنیاد پر کر رکھی تھی کہ انٹیلی جنس 48 گھنٹے کی وارننگ دے سکے گی۔ لیکن یہ دوشاخہ حملہ مکمل طور پر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ اس کے لیے تمام راہیں مسدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ یہ صورتحال اس لیے بھی سنگین تھی ملک کا تربیت یافتہ ریزرو فوجیوں کے جلد از جلد اکٹھے ہو جانے پر انحصار تھا۔ محدود وسائل کی وجہ سے بڑی سٹینڈنگ آرمی رکھنا ممکن نہیں تھا اور 48 گھنٹے پیشگی نوٹس کے بغیر ریزرو فوجیوں کو حرکت میں لایا نہیں جا سکتا تھا۔ بیر شیبہ کے ٹینک ڈیپوؤں میں کھڑے آرمرڈ ہیکلز کی عرصہ سے سروس نہیں کی گئی تھی اس لیے انہیں حرکت میں لا کر فرنٹ تک لانا ہی ناممکن تھا انہیں سڑک تک لانے میں کئی گھنٹے ضائع ہو گئے۔ البتہ سویلین جلدی سے اپنی رجمنٹوں میں پہنچ گئے تھے۔

گھمسان کی جنگ ہوئی عربوں کا پلڑا ہی بھاری تھا تاہم اسرائیلی فوج نے کچھ مار کھانے کے بعد' دونوں محاذوں پر دشمن کو روک لیا۔ یہ اس وقت ممکن ہوا جب جنوبی کمانڈ میں جنرل شیرون کے ڈویژنوں نے مصری فوج کو دو حصوں میں منقسم کر دیا اور نہر سویز کو عبور کر کے ان کے عقب میں جا پہنچے۔ اس طرح اس طرف سے خطرہ کم ہو گیا۔ شمال میں جنرل اسحاق ہوفی (جو بعد میں موساد کا سربراہ بن گیا تھا) نے شامیوں کو پسپا کر کے انہیں حملے کی ابتدا والی جگہ سے بھی پیچھے گولان کی پہاڑیوں پر پہنچا دیا۔ تاہم طویل جنگ کے اختتام پر یہ ایک تلخ فتح تھی جس نے پوری قوم کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا' پہلی چھ روزہ جنگ میں ہونے والی تیز رفتار کامیابی سے اس میں جو غیر ضروری خود اعتمادی اور شیخیاں بگھارنے کی جو عادت پیدا ہو گئی تھی وہ

ختم ہوگئی۔ سب سے پہلے تنقید کا نشانہ انٹیلی جنس سروسز بنیں جو شام اور مصر کے منصوبوں سے غافل رہیں اور انہوں نے اپنی جنگی تیاریوں پر جو پردہ ڈالا تھا وہ اس کے پیچھے نہ دیکھ سکیں۔ ناقدوں کا پہلا نشانہ ''امن'' تھی جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ جنگ کے خطرے کا تجزیہ کرتی۔ دوسرے نمبر پر موساد غفلت کی مرتکب قرار پائی اور قوم کی نظروں میں مبغوض ٹھہری۔

وزیراعظم مسز گولڈا میئر نے ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا اور اس نے ہفتے کے روز (جس دن حملہ شروع ہوا) کو اپنی قومی زندگی کا اہم ترین قرار دیا۔ اس خطاب کی غرض و غایت قوم کا حوصلہ بلند کرنا تھا۔ گولڈا میئر نے کہا۔۔۔ ''ہماری انٹیلی جنس سروسز کو کئی دنوں سے معلوم تھا کہ مصر اور شام کی افواج' اسرائیل پر مربوط حملے کے لیے نقل و حرکت کر رہی ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنے منصوبے کے مطابق اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا'' وہ ''سچ'' بتا رہی تھی' مگر یہ مکمل سچ نہیں تھا' تاہم یہ تھا سچ ہی۔ ریگولر آرمی کو ایک دن پہلے ''ہائی الرٹ'' کا حکم دیا گیا تھا' لیکن اس وقت تاخیر ہو چکی تھی کیونکہ ہزاروں افسر اور جوان اپنے خاندان کے ہمراہ یوم کپور منانے کے لیے جا چکے تھے۔ عربوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات حملے سے پہلے ہی ملی تھیں مگر انٹیلی جنس سروسز ایسی اطلاعات کی صحیح تعبیر کرنے میں ناکام رہی تھیں۔

اسرائیلی انٹیلی جنس کو تین ہفتے قبل رپورٹیں ملی تھیں کہ شام اپنی فوجیں جمع کر رہا ہے اور اس نے شمالی سرحد کے قریب طیارہ شکن مزائل بھی بڑی تعداد میں اکٹھے کر لیے ہیں۔ دوسری طرف اسے مصری آرمرڈ ڈویژنوں کی نقل و حرکت کا بھی پتہ چلا' جنہیں اگرچہ بڑے ماہرانہ انداز میں ''کیموفلاج'' کیا گیا تھا مگر ان میں ''سام 6 ''مزائلوں کے نصب ہونے کا صاف پتہ چل رہا تھا یہ آرمرڈ ڈویژن نہر کی طرف جا رہے تھے۔ نہر کے کناروں پر بلڈوزر کھڑے تھے جو مغربی کنارے کی ریت کی بڑی دیوار میں شگاف ڈالنے کے لیے تیار تھے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مصر کی جنگجویانہ ''شہری دفاع کی مشقیں'' اور بلیک آؤٹ' ان کے نوٹس میں نہ آئے ہوں۔ غالباً جنگ کی فیصلہ کن علامت' لڑائی چھڑنے سے دو دن پہلے' اس وقت سامنے آئی جب روسی فوجی مشیر نے شام کو جنگ میں ملوث نہ ہونے کا مشورہ دیا اور دمشق سے واپس چلا گیا۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ موساد کا ایک ایجنٹ اسی روز عربوں کی جنگی تیاریوں کی تفصیلی اطلاعات لے کر اپنے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا تھا۔۔۔ ''دی سپائی ماسٹرز آف اسرائیل'' کے مصنف سٹیوارٹ سٹیون کے مطابق موساد کو حملے کے ارادے کی مصدقہ ترین اطلاع ایک مصری ایجنٹ کے اس ریڈیائی پیغام سے ملی جس نے کہا تھا کہ مصر نے 6 بجے شام' حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ اطلاع

صرف اس حد تک غلط نکلی تھی کہ توپ کے پہلے گولے 2 بج کر 5 منٹ پر داغے گئے تھے۔ جبکہ اسرائیل کے پارٹ ٹائم سپاہی ''بار لیو لائن'' پر ریت میں فٹ بال کھیلنے میں مصروف تھے۔

ان رپورٹوں میں خواہ کتنی بھی صداقت ہو لیکن اطلاع اتنی دیر سے ملی کہ اس وقت جنگ کے پہلے مرحلے کا رخ تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ ''امن'' اور ''موساد'' کی اصل میں ناکامی یہ تھی کہ صدر سادات اور صدر اسد نے اسرائیل پر حملے کا حتمی فیصلہ اگرچہ مہینوں پہلے کر لیا تھا لیکن اسرائیل اس فیصلے سے بالکل بے خبر رہا۔ ایک طرف تو یہ دونوں ملکوں کی سکیورٹی کے حکام کا کمال تھا کہ انہوں نے اس فیصلے کو مکمل طور پر مخفی رکھا دوسری جانب اسرائیلی سکیورٹی کی خامی تھی کہ وہ جنگ کی تیاریوں کے سگنلز کی صحیح تعبیر نہ کر سکے۔ ایک غیر یقینی صورتحال تو موجود تھی' ملے جلے اشارات مل رہے تھے مگر انٹیلی جنس چیف نے وزراء اور جنرل سٹاف کو یقین دلا دیا کہ جنگ کا کوئی امکان نہیں ہے یہ جو کچھ بھی دیکھا اور سنا جا رہا ہے' اس کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تھی یا تعبیر کی غلطی؟ اسرائیل کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

اگر ملٹری انٹیلی جنس اپنی حکومت پر واضح کر دیتی کہ اس کے لیے جنگی تیاریوں اور جنگی مشقوں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو رہا ہے تو پالیسی سازوں کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا' کافی آسان ہوتا لیکن سچی بات یہ ہے کہ حکومت اپنی انٹیلی جنس سروس کو خطاؤں سے بالکل بالاتر سمجھتی تھی۔

اس غلط اندازے کا ذمہ دار' ''امن'' کا ڈائریکٹر ''ایلی زیرا'' تھا' جسے ایک بہادر' کامیاب اور انتہائی نڈر سولجر سمجھا جاتا تھا' وہ واقعی انہیں خوبیوں کا مالک تھا' مگر انٹیلی جنس اس سے مختلف شعبہ تھا۔ اسے انٹیلی جنس کی ناکامی کا ذمہ دار قرار دے کر اس عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ اس کے خلاف یہ کاروائی ''اگرانت کمیشن'' سے تحقیقات کرانے کے بعد کی گئی۔ تاہم اس امر کی بھی تحقیقات کرائی گئی کہ ''ایلی زیرا'' سے یہ غلطی کیسے ہوئی؟ کمیشن کا کہنا تھا کہ زیرا کو اپنے طور پر یقین ہو چکا تھا کہ 1973ء کے موسم خزاں میں جنگ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عرب ریاستیں جنگ کے لیے ابھی تیار نہیں ہیں۔ وہ دراصل قاہرہ سے چلائی گئی ڈس انفارمیشن کی مہم کے چکر میں آ گیا تھا۔ اس کے نظریئے کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ عرب محدود پیمانے کی جنگ چھیڑنے کی جرأت نہیں کر سکتے' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اسرائیل ہمہ جہتی جنگ چھیڑ دے گا' جس میں عربوں کو مکمل شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ اسرائیلی حکام کا ایک عمومی خیال یا عقیدہ تھا جس پر نہ صرف ''امن'' کا سٹاف

اور جنرل سٹاف کاربند تھا' بلکہ وزیر دفاع موشے دایان اور پوری کابینہ بھی عمل پیرا تھی۔ اس عقیدے کو مزید تقویت اس وجہ سے بھی ملی کہ بارہ مہینوں میں دوبار مصر کی طرف سے حملے کے ارادے کی خبر اڑائی گئی۔ ایک رپورٹ مئی 1972ء میں اور دوسری دسمبر 1973ء میں موصول ہوئی کہ ''حملہ بس ہوا ہی چاہتا ہے۔'' نہ ایک دفعہ حملہ ہوا اور نہ دوسری دفعہ ہو سکا۔ لیکن اسرائیلیوں کو جس بات کا پتہ نہیں چل سکا یہ تھی کہ صدر سادات جون میں واقعی حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ایک تو امریکہ روس سربراہ کانفرنس کی وجہ سے ارادہ ملتوی کیا گیا اور دوسرا اس وجہ سے کیا گیا کہ مصر مزید روسی اسلحہ کی وصولی کی توقع کر رہا تھا۔ جنگ ہو یا جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہوں' ان کے بارے میں ایک بات مشہور ہے کہ ان میں کوئی بات یقینی نہیں ہوتی۔

جب کوئی بات یقینی نہ ہو اور بھاری اخراجات کر کے اور جاسوسوں کی جان خطرے میں ڈال کر وصول کی گئی اطلاعات بھی مصدقہ نہ ہوں تو پھر خفیہ اداروں کے قیام کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ یہ مسئلہ ''یوم کپور'' کی جنگ سے پہلے بڑی شد و مد کے ساتھ اٹھا۔ ''شومو گیزٹ'' نے جو اس جنگ کے بعد خود ''امن'' کا سربراہ بنا انٹیلی جنس کے اندازوں اور فیصلوں کے موضوع پر ایک بڑا فکر انگیز مقالہ تحریر کیا' یہ مقالہ 1988ء میں ''انٹیلی جنس اینڈ نیشنل سکیورٹی'' کے عنوان سے چھپا تھا اس میں جنگ کی قیاس آرائیاں کرنے کے خطرات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نے لکھا:

''قیاس آرائی' موجود امکانات کی ایک فہرست کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ ان قیاسات کا معقولیت پر مبنی فیصلوں میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ان میں ایک اور خطرہ جو درحقیقت انتہائی درجے کا خطرہ ہوتا ہے' یہ ہے کہ انٹیلی جنس کے لوگ مقصدیت کی راہ سے اکثر منحرف ہو جاتے ہیں۔ سیاسی غور و فکر میں شرکت اور فیصلہ سازوں کے ساتھ قریبی رابطے کی وجہ سے وہ اس پالیسی کو اس حد تک اپنی شناخت بنا لیتے ہیں کہ اس پالیسی سے متصادم حقائق اور خطرات کو بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

یہی کچھ ''زویکا زمر'' اور مسز گولڈا مئیر کی کابینہ کے مابین اور بالخصوص وزیر دفاع موشے دایان کے درمیان ہوا' وہ اس بات کو اپنی ہڈیوں کے اندر گھسی ہوئی پاتے تھے کہ جنگ قریب الوقوع ہے۔ تجرباتی نفسیات کے ماہر نارمن ڈکسن نے اس کیفیت کا تجزیہ اپنے ایک مقالے میں کیا ہے' جس کا عنوان۔

''فوجی اناڑی پن کی نفسیات'' تھا۔ اس میں اس نے ملٹری کمانڈرز کے طرز عمل کا مطالعہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جب کوئی شخص اپنے کیے ہوئے فیصلے کو بعد میں حاصل ہونے والے اپنے علم کے خلاف پائے تو وہ ''بے آہنگی' ادراک'' (Cognitive Dissonance) کا شکار ہو جاتا ہے اس بے اطمینانی کا شکار ہونے والے شخص کی زبردست خواہش ہوتی ہے کہ اسے اپنے کیے ہوئے فیصلے کی موافقت میں کوئی غیر معمولی چیز مل جائے تاکہ نئے انکشاف کی روشنی میں وہ اپنے فیصلے میں ترمیم کرنے کی خفت سے بچ سکے۔ خواہ کوئی شخص جنرل کے عہدے پر فائز ہو یا انٹیلی جنس کا سربراہ ہو اس کیفیت سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملٹری ہسٹری ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ کمانڈرز نئی اطلاع یا نئے علم کی روشنی میں اپنے شروع کے فیصلے کو تبدیل کرنے میں ناکام رہے۔ اس سلسلے کا ایک نمایاں ترین کیس دوسری جنگ عظیم میں اس وقت سامنے آیا جب فیلڈ مارشل منٹگمری نے ''ارنہم'' کے پل پر چھاتہ فوج کی مدد سے قبضہ کرنے کا فیصلہ واپس لینے سے انکار کر دیا' باوجودیکہ فیصلہ صادر کرنے کے بعد اسے یہ نئی انٹیلی جنس رپورٹ موصول ہو گئی کہ اس پل کی حفاظت کے لیے بڑی طاقتور فورسز وہاں موجود ہیں۔ 1973ء میں اسرائیل کے پاس بھی صحیح انٹیلی جنس رپورٹوں کی کمی نہیں تھی۔ مگر فیصلے صادر کرنے والے ان کی روشنی سے استفادہ کرنے کو تیار نہ تھے۔''

اسرائیلی انٹیلی جنس کے لوگ عرصہ سے اس نتیجے پر پہنچے ہوئے تھے کہ ان کے ملک کو عربوں کے خلاف کسی بھی جنگ میں یقینی فتح حاصل ہو گی لیکن مقتدر حلقوں نے اس بات پر معمولی غور و فکر کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ اس فتح کے نتائج کیا ہوں گے۔ 1967ء میں حاصل ہونے والی عظیم فوجی کامیابی کے بعد قوم میں جو ولولہ اور جوش پیدا ہوا' اس میں ''امن'' اور ''موساد'' دونوں حصہ دار نہیں بنی تھیں کیونکہ انہیں سامنے کچھ اور دکھائی دے رہا تھا وہ جانتی تھیں کہ اس فتح کے نتیجے میں اسے ایک قابض قوت کے طور پر ایک بڑی فلسطینی عرب آبادی کا دباؤ برداشت کرنا پڑے گا۔ اس وقت اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ آگے چل کر تنظیم آزادیٔ فلسطین نے جنم لینا ہے اور قسم قسم کے گوریلے اور دہشت پسند گروہ بھی نمودار ہو جائیں گے۔ جن سے نمٹنا ناکوں چنے چبانے کے مترادف ہو گا۔ یوم کپور کی جنگ سے پہلے یا بعد یہ پیشگوئی بھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ عرب قومیں تیل پر پابندی لگانے پر متفق ہو جائیں گی اور اس سے دنیا ایک زبردست خطرے سے دوچار ہو جائے گی۔ 16 سال قبل یہ کوشش کی گئی

تھی مگر ناکام رہی تھی۔ اس لیے یہ مفروضہ قائم کر لیا گیا تھا' کہ یہ کوشش ایک بار پھر ناکام ہو جائے گی۔ بہر حال یہ پابندی لگ گئی اور اسے ''تیل کا ہتھیار'' قرار دیا گیا جس کے اثرات جنگ سے بھی زیادہ بُرے نکلے اور پوری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ یہ ایک جوابی اقدام تھا جس کے نتائج' توقعات سے کہیں زیادہ برآمد ہوئے۔

صدر سادات نے یہ انتہائی طاقتور ہتھیار اوپیک (تیل پیدا کرنے والے ممالک کی تنظیم) کے ذریعہ استعمال کیا' اور اسرائیل کے حلیف ممالک کو تیل کی فراہمی روک دی گئی۔ اس مصری لیڈر کی دو نمایاں کامیابیوں نے مشرق وسطی پر گہرے اثرات مرتب کیے...... یعنی تیل کے ہتھیار اور صحرائے سینائی میں اسرائیلی فوج پر' قریب قریب فتح پا لینے...... سے اس نے یہودی قوم کی خود اعتمادی کو متزلزل کر دیا' بعد میں منتخب ہونے والے اسرائیلی صدر خائم ہرزوگ نے اپنی کتاب۔۔۔ ''دی عرب اسرائیل وارز'' میں اس کا باقاعدہ اعتراف کیا ہے:

''عربوں نے بالآخر اپنی پہلی نمایاں اور فی الواقعہ اہم ترین فوجی کامیابی حاصل کر لی۔ یہ ایک زبردست تزویری اور حربی فتح تھی جس نے سب کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس کامیابی میں ایک حد تک تو اسرائیلی انٹیلی جنس اور اسرائیلی سیاسی اور فوجی لیڈرشپ کی غلطیوں نے اپنا حصہ ڈالا لیکن اس کا بھاری کریڈٹ مصری اور شامی حکمرانوں کو جاتا ہے جنہوں نے اپنے منصوبے پر بڑی ہوشیاری اور ہنرمندی سے پردہ ڈالے رکھا۔ اسے جدید تاریخ میں اخفائے راز کے ایک زبردست منصوبے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔''

متحدہ عرب افواج کو آخر کار اگرچہ مغلوب کر لیا گیا تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے کمال درجے کی شجاعت اور جدید اسلحہ اور عسکری تزویرات کے استعمال کی زبردست صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا' جس سے عربوں کے بارے میں نااہلی کے مفروضے پاش پاش ہو گئے۔ اسرائیل اور اس کے مغربی دوست عرصہ سے ان مفروضوں کی آبیاری میں لگے ہوئے تھے۔ اس کامیابی نے عربوں کو ایک نئے جوش و جذبے سے سرشار کر دیا اور تنظیم آزادیٔ فلسطین نے بھی اپنی مساعی تیز تر کر دیں اور بالآخر صدر سادات کے لیے اسرائیل کے ساتھ آبرومندانہ معاہدۂ امن کے لیے مذاکرات کرنا ممکن ہو گیا۔

اسرائیلی انٹیلی جنس کو اس صدمے سے جانبر ہونے میں سال ہا سال لگ گئے۔ اس

کی جن کوتاہیوں نے قوم کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا تھا ان کا بڑی مشکل سے ازالہ ہو سکا۔ اگرانت کمیشن نے ایلی زیرا اور اس کے تین خصوصی معاونوں کو اس الزام میں برطرف کر دیا کہ ان کے پاس شام اور مصر کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو اطلاعات پہنچی تھیں وہ ان کی صحیح تعبیر کرنے میں ناکام رہے' ایلی زیرا کو خاص طور پر مطعون کیا گیا کہ وہ اپنی سنگین کوتاہی کے باعث ملٹری انٹیلی جنس کی سربراہی جیسے منصب کے لیے بالکل ہی غیر موزوں ہے۔ دوسری طرف موساد کی قیادت کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی کیونکہ وہ ہر قسم کی معلومات دیتی رہی مگر انہیں اس لیے اہمیت نہیں دی جاتی رہی تھی کہ حالات کا جو نقشہ بن رہا تھا' اس کی دی ہوئی معلومات اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتی تھیں۔ چنانچہ موساد نے بڑی جلدی اپنی سابق حیثیت بحال کرالی' اس بحالی میں اس کے بعض حالیہ جرأت مندانہ کارناموں کا بھی بڑا دخل تھا۔

معرکہ' اینٹیبی:

1976ء کے ریسکیو آپریشن ''معرکہ' اینٹیبی'' نے اس سلسلے میں اسے خاص موقع فراہم کر دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ پاپولر فرنٹ نے ایرفرانس کا ایک طیارہ اغوا کر لیا جس میں 103' اسرائیلی اور دیگر یہودی سوار تھے' طیارے کو افریقہ کے دل' یوگنڈا کے دارالحکومت ''اینٹیبی'' میں اتار لیا گیا۔ جس وقت پتہ چلا کہ ہائی جیکروں میں جرمن ''بادر منہوف'' گروپ کے افراد بھی شامل ہیں تو خوف و ہراس میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ ہائی جیکروں نے مسافروں میں سے یہودی مسافروں کو الگ کرنے کے بعد دھمکی دی کہ اگر ان کے مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو نہ صرف اسرائیلیوں بلکہ دوسرے ملکوں کے یہودی مسافروں کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ قطع نظر اس کے کہ کاروائی کتنی خطرناک ہو گی؟ اور فاصلہ کتنا ہے؟ مسافروں کو چھڑوانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مشکل اور جرأت مندانہ آپریشن کے لیے سپیشل فورسز یونٹ کو تین ''ہرکولیس'' طیاروں میں بھیجنا تھا' اس مہم کی کامیابی کا انحصار نہایت تیزی سے ابتدائی انٹیلی جنس ورک مکمل کرنے پر تھا جو صرف موساد ہی کر سکتی تھی۔ ''انسٹی ٹیوٹ'' نے مشرقی افریقہ کے ساتھ پہلے ہی اچھے تعلقات قائم کر رکھے تھے خاص طور پر کینیا سے اس کے زیادہ اچھے روابط تھے کیونکہ اس نے کچھ ہی عرصہ پہلے صدر جومو کنیاٹا کی پولیس کو فلسطینیوں کی ایک سازش ناکام بنانے میں مدد دی تھی۔ ان فلسطینیوں نے نیروبی ایئرپورٹ پر ایک طیارے کو میزائل مار کر گرانے کی

سازش تیار کی تھی۔ اس موقع پر کینیا سیکورٹی نے خفیہ طور پر تین افراد پر مشتمل مزائل ٹیم کو گرفتار کر لیا بعد میں دو جرمنوں کو بھی پکڑ لیا گیا جن کے نام برنہارڈ شلز اور تھامس ریوٹر بتائے گئے تھے۔ ان دو کو کینیا لایا گیا تا کہ ان کے پہلے تین لاپتہ ساتھیوں کو بھی ڈھونڈا جا سکے۔ پھر ان پانچوں کو موساد کے حوالے کر دیا گیا جس نے انہیں اسرائیل پہنچا دیا۔ مقدمہ چلایا گیا تو دوران سماعت انہوں نے کہا کہ انہیں نشہ دے کر مشرقی افریقہ سے ناجائز طور پر یہاں لایا گیا ہے۔

اس واقعہ کی وجہ سے موساد کو کینیا میں کافی دوست میسر آ گئے' نیروبی میں ہائی جیکروں سے مذاکرات کے دوران وہ موساد کے نصف درجن ایجنٹوں کو ہر قسم کی مدد فراہم کر رہے تھے۔ حکومت کینیا' اسرائیل کے ''ہاسپٹل طیارے'' کو اترنے کی اجازت دینے پر تیار ہو گئی لیکن اس کی ایئر فورس کے طیاروں کو ایندھن فراہم کرنے پر آمادہ نہ ہوئی کیونکہ وہ اس فوجی آپریشن میں کھلے طور پر ملوث نہیں ہونا چاہتی تھی۔ چنانچہ موساد کے چار آدمی کینیا کے ہیلپروں سمیت ایک تیز رفتار لانچ کے ذریعہ جھیل وکٹوریہ عبور کر کے یوگنڈا ایئر پورٹ کے جاسوسی مشن کے لیے پہنچ گئے۔ باقی افراد ایک ہلکا طیارہ کرائے پر لے کر وہاں پہنچے تا کہ بلندی سے انٹبی کی ایئر فیلڈ کی تصاویر لے سکیں اس سے انہیں اندازہ ہو گیا کہ یوگنڈا کے کتنے مگ فائٹر موقع پر موجود ہیں۔ انہوں نے ریڈیو کے ذریعہ گراؤنڈ میں فوجیوں کی تعداد اور چھڑوانے کی کاروائی کے دوران پیش آنے والی ممکنہ مزاحمت کے بارے میں آئی ڈی ایف کی سپیشل فورسز کے کمانڈر کو ساری تفصیلات بتا دیں جو صحرا میں اس صورتحال سے نمٹنے کی مشقیں کرنے میں مصروف تھیں اور اب آرڈر ملنے کی منتظر تھیں۔

جب اچانک کاروائی ہوئی تو ایک کے سوا تمام دہشت گرد ہلاک ہو گئے۔ دوسری جانب صرف ایک چھاپہ مار کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل ''جوناتھن نتن یاہو'' نامعلوم سمت سے آنے والی گولی لگنے سے ہلاک ہوا۔ اس میں اصل کارنامہ یہ تھا کہ بین الاقوامی دہشت گردوں کو پہلی بڑی شکست ہوئی تھی۔ اس طرح نہ صرف موساد کی کھوئی ہوئی ساکھ بحال ہوئی بلکہ اسے وزیراعظم اسحاق رابن کی طرف سے ان لفظوں میں داد بھی ملی:

''میں انٹیلی جنس کمیونٹی کے بے نام سپاہیوں' حوصلہ مند چھاتہ برداروں' گولانی بریگیڈ کے دلیر انفنٹری مینوں' ایئر فورس کے پائلٹوں اور دیگر افراد کو' اس ناممکن کو ممکن بنا دینے پر دلی خراج تحسین پیش کرتا ہوں''۔ اس طرح اسرائیلیوں کو ایک بار دنیا بھر سے داد و تحسین ملی۔

✿ ✿ ✿ ✿

حصہ چہارم

لبنان میں تشدد کی لہر

خون خرابہ

''لبنان کا جبر و تشدد بالآخر تمہیں ڈھانپ لے گا۔''

حباقوق 2:17 (کیے اناجیل)

موساد اور شین بتھ طویل جدوجہد کے بعد فلسطینی دہشت گردوں کی بدترین دست درازیوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئیں۔ لیکن وہ اس معاملے میں جتنی کامیابیاں حاصل کرتی تھیں اتنے ہی نئے مسائل پیدا ہو جاتے۔ تمام کامیابیوں اور پُر حکمت منصوبہ بندیوں کے باوجود بدامنی پھیلانے کی نئی نئی تراکیب سامنے آ رہی تھیں۔ بنیادی صورتحال جوں کی توں تھی۔ لاکھوں فلسطینی جنہیں پوری عرب دنیا کی حمایت حاصل تھی اسی زمین کے ٹکڑے پر اپنا وطن تعمیر کرنا چاہتے تھے جو چالیس لاکھ اسرائیلیوں کا بھی وطن تھا اور دنیا کے تین بڑے مذاہب کے لیے ایک مقدس سرزمین تھا۔ زمین کا یہ ٹکڑا بحیرۂ روم اور دریائے اردن کے درمیان واقع ہے۔ اس کے لیے ایک لامتناہی مسلح جدوجہد تا امروز جاری ہے۔

یاسر عرفات نے لبنان میں ایک محفوظ اڈہ بنا لیا جہاں سے وہ تنظیم آزادی فلسطین (PLO) کے مسلح کارکنوں کو مختلف کارروائیوں کے لیے بھیجتا اور اس مقصد کے لیے انہیں جدید اسلحہ اور وافر سرمایہ بھی فراہم کیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی انہیں جارحانہ سفارتی مہموں پر بھی بھیجا جاتا تھا۔ کیونکہ کوئی فلسطینی لیڈر قیام امن کے لیے نمائشی قدم اسی وقت اٹھا سکتا ہے جب وہ اپنی عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی کرتا رہے اور انہیں دیکھ کر لوگوں کو اس کے جنگ میں کامیاب ہو جانے کے امکانات بھی دکھائی دیتے رہیں۔ ادھر اسرائیلی لیڈروں میں بھی یہی سوچ کارفرما تھی اور اسی کے مطابق حرکتیں کر رہے تھے۔ اسرائیل، شمالی سرحد کی جانب ''ارض فتح'' کے قصبے کو ہمیشہ خطرے میں محسوس کرتا رہتا اور سرحد پار مہم جوئی کے لیے اپنی فوج بھیجتا رہتا تھا۔

جب کیمپوں کے خلاف فضائی حملے فلسطینیوں کی چھاپہ مار کارروائیاں بند نہ کرا سکے تو حکومت نے اسرائیلی ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف) سے سرحد پار لبنان میں مہم بھیجنے کا حکم دے دیا۔ جبکہ لبنان میں پہلے ہی خانہ جنگی کی وجہ سے برباد ہو چکا تھا۔ وہاں 1975ء میں بیرونی عیسائیوں (Maronites) اور مسلم اکثریت کے درمیان جھڑپیں شروع ہوئی تھیں اور ان میں مسلسل شدت آرہی تھی کیونکہ ہر گروہ یکے بعد دیگرے اپنی نجی فوج میدان میں لا رہا تھا اور نئے نئے اتحاد بھی جنم لے رہے تھے۔

لبنان میں موساد تگین غلطیوں کی مرتکب ہوئی۔ اس نے تنظیم آزادی فلسطین پر ضرب لگانے کے لیے مختلف گروہوں سے سازباز شروع کر دی۔ اس کے فیلڈ مینوں نے پہلے عیسائیوں سے خفیہ رابطے قائم کیے انہیں اسلحہ فراہم کیا اور ان کی فوجی تربیت کا بھی بندوبست کیا۔ دوسری طرف انہوں نے دروزی مسلمانوں سے بھی تعلقات بڑھائے۔ اس طرح کرتے کرتے اس کی شامی انٹیلی جنس سے چشمک شروع ہوگئی جو اسی قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ بعد ازاں اسرائیل نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کی مدد سے مسلمانوں کے ایک اور فرقے اہل تشیع سے اتحاد کر لیا جس کے لبنان میں ہزاروں پیروکار تھے۔ ان میں سے بہت سے جنوب میں رہتے تھے اور فلسطینی فوج کے ڈرانے دھمکانے کے رویئے سے شاکی تھے۔ اسرائیلی انٹیلی جنس کو "امل" ملیشیا سے تعلقات بڑھانے سے کافی فائدہ پہنچا۔ یہ شیعوں کی ایک آبرومند سیاسی اور فوجی تنظیم ہے اور یہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی توقعات پر پوری اتری۔

تاہم یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا کیونکہ ایران میں اسلامی انقلاب آ گیا۔ شاہ کا تختہ الٹ دینے کے بعد آیت اللہ خمینی اور ان کے پیروکار برسر اقتدار آ گئے۔ لبنان پہلا بیرونی ملک تھا جس پر انقلابیوں نے توجہ دی اور وہاں انقلاب کے اثرات پہنچا کر دم لیا۔ خمینی چونکہ سب شیعوں کے لیڈر تھے لبنان کے اہل تشیع فطری طور پر ان کے حامی تھے۔ ان میں سے سرگرم حامیوں نے ان کے ایماء پر حزب اللہ (خدا کی جماعت) کے نام سے اپنی پارٹی بنا لی۔ اب اسرائیل کی آنکھیں کھلیں کہ یہ نئی اور نہایت خطرناک تنظیم تو ہمارے دروازے پر آ پہنچی ہے۔ موساد نے فلسطینی تنظیموں کے اندر اگرچہ نقب لگا لی تھی لیکن نئے مذہبی جوش و جذبے سے سرشار حزب اللہ میں اپنی راہ بنانا ان کے لیے خاصا مشکل کام تھا۔

مگر پہلے انہیں تنظیم آزادیٔ فلسطین کی طرف سے فوری خطرے سے عہدہ برآ ہونا تھا۔ موساد کے سینئر افسروں سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اس الجھی ہوئی صورتحال میں اپنے

نئے تلاش کردہ دوستوں فلانجسٹ عیسائیوں پر بہت زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ باہمی تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ انٹیلی جنس افسروں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اگر مشرقی بیروت اور اس سے اوپر ساحلی پٹی میں فلانجسٹوں کو مضبوط بنا دیا جائے تو ان کا صدر بشیر جمائل فلسطینیوں کا ناطقہ بند کر کے رکھ دے گا۔ اس علاقے میں اس کا اقتدار ہمارے لیے اتنا ہی مفید رہے گا جتنا شاہ حسین نے ابتداء اردن میں مفید کردار ادا کیا تھا۔ یعنی فلسطینیوں کو نکال باہر کیا جس سے اسرائیل کی شمالی سرحد مضبوط ہوگئی تھی۔

فلسطینی ملیشیاؤں اور اسرائیلی ڈیفنس فورسز کے درمیان سرحدی جھڑپوں کے بعد 1981ء کے موسم گرما میں امریکہ کی مدد سے ایک عارضی قسم کی صلح ہوگئی جس کے تحت فلسطینی اسرائیل کے خلاف دہشت گرد کارروائیاں بند کرنے پر رضامند ہوگئے۔ لیکن ملٹری انٹیلی جنس نے رپورٹ دی کہ اس صلح نامے کی آڑ میں پی ایل اے (پیلسٹائن لبریشن آرمی) کو توپوں، ٹینکوں، مشین گنوں اور دیگر چھوٹے ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح کر دیا گیا ہے جبکہ جنوبی لبنان میں اسلحہ کے ڈھیر لگائے جا رہے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہنے دیا گیا تو دہشت گردی کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے گا۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ یاسر عرفات کی فوج اب شمالی اسرائیل کی نئی بستیوں کو توپوں اور راکٹوں کا نشانہ بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ حملہ آور گوریلے اگر اسرائیل لبنان بارڈر کے ساتھ ساتھ بچھی ہوئی بارودی سرنگوں اور وہاں لگے تاروں سے نکل آئے تو وہ فلسطینی فوج (PLA) کی توپوں کے فائر کی آڑ میں صحیح سلامت اپنے ٹھکانوں پر واپس جا سکتے ہیں۔ اس رپورٹ کے بعد اسرائیلی فوج کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا۔

چنانچہ اسرائیل نے "آپریشن امن برائے گلیلی" کے کوڈ نیم کے عنوان سے 6 جون 1982ء کو ایک فل سکیل حملہ شروع کر دیا۔ اس حملے کا فیصلہ لندن میں اسرائیلی سفیر شلوموآرگوف پر ابوندال کے دہشت گردوں کے قاتلانہ حملے کے فوراً بعد کیا گیا جس میں وہ بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اس واقعے نے اسرائیلی وزیراعظم مناخم بیگن اور وزیر دفاع جنرل ایریل شیرون کو بھرپور حملے کا جواز فراہم کر دیا۔ یہ دونوں لیڈر فلسطینیوں کے خلاف ہمیشہ سے سخت رویے کے حامی رہے تھے اور نئی کارروائیوں کے لیے وہ جس بہانے کے منتظر تھے۔ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے کابینہ کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی حقیقی قوت کو استعمال کر کے لبنان کو فلسطینیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دیں۔ فوجی زبان میں اس کا مطلب جنوبی لبنان میں یاسر عرفات کے اڈوں کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ مگر جیسا کہ ہر جنگ میں

ہوتا آیا ہے کہ ابتدائی حملے کی کامیابی دیکھ کر' مزید آگے بڑھنے کا شدید جذبہ پیدا ہو جاتا ہے' اسرائیلی فوج نے سترہویں صدی کے انگلستان کی خانہ جنگی میں پرنس روپرٹ کے گھڑسوار دستوں کا سا روایتی تعاقب کرنے کی بجائے "زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر" دشمنوں کی تلاش میں آگے بڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب شامی فضائیہ نے راہ روکنے کی کوشش کی تو اسرائیلی توپوں نے اس کے کئی لڑاکا طیاروں کو ڈھیر کر دیا جس کی وجہ سے شام اپنی بیشتر فرسٹ لائن سٹرائیک فورس سے محروم ہو گیا۔ اسرائیل کی زمینی فوج بڑھتے بڑھتے بیروت کے دروازوں تک پہنچ گئی مگر احتیاطاً اندر داخل نہ ہوئی کیونکہ شہر میں فلسطینی اور مسلم ملیشیاؤں کے مضبوط مورچے ابھی موجود تھے اور گلی محلوں میں دست بدست لڑائی کا خطرہ مول لینا سراسر نقصان تھا۔ موساد اور شین بتھ کے ایجنٹوں کی بہت بڑی تعداد اندر کام کر رہی تھی اور انہوں نے ہی فوج کو شہر میں داخل ہونے کے خطرات سے متنبہ کیا تھا۔ اس کے باوجود حملہ آور فورسز نے اپنے پرانے حلیفوں کرسچین فورسز سے رابطے قائم کر لیے جن کے مشرقی بیروت میں بہت سے اڈے تھے۔

یہی مرحلہ تھا جس پر سودا بازی شروع ہوئی اور طویل مذاکرات کے بعد ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت یاسر عرفات اپنے پندرہ ہزار فلسطینیوں کو مرحلہ وار بیروت سے نکالنے پر راضی ہو گیا۔ یہ لوگ فضائی بحری اور بری راستوں سے نکلنے اور مختلف عرب ممالک میں پھیلنے گئے۔ وہ جہاں جہاں ٹرکوں سے اترتے رہے موساد کے ایجنٹ فیلڈ گلاسز سے انہیں دیکھتے اور کیمروں سے ان کی تصاویر بناتے رہے تاکہ مستقبل میں یہ معلومات ان کے کام آ سکیں۔ فوج نے شین بتھ اور ملٹری انٹیلی جنس کی مدد سے تنظیم آزادئ فلسطین کے بینکروں سے دستاویزات سے بھرے ہوئے صندوق اپنے قبضے میں لے لیے جن سے اسے بہت سا خام مواد ہاتھ لگا۔ یہ مواد دہشت گردوں کو شکار کرنے کے لیے اگلے دس سال تک انہیں مصروف رکھ سکتا تھا۔ اس سے پہلے انہیں کبھی اتنا زیادہ مواد ہاتھ نہیں لگا تھا۔ اتنی کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود اسرائیلی حکام' تنظیم آزادئ فلسطین کے ڈالے ہوئے ہتھیار "اہل شیعہ ملیشیا" کے حوالے کرنا نہ روک سکے۔ ان ہتھیاروں سے آگے چل کر انہوں نے زبردست تباہی مچائی تھی۔

وقتی طور پر ایسا لگتا تھا جیسے اسرائیلی ڈیفنس فورسز نے اپنے پرانے حربوں کی بدولت بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہے اور موساد نے بھی بجا طور پر فلانجسٹوں کے زور بازو پر اعتماد کیا تھا۔ یاسر عرفات اور اس کے پیروکار دھڑا دھڑ علاقہ خالی کر رہے تھے تیس دنوں میں ان کے انخلا کی

نگرانی کے لیے امریکی میرین بیروت پہنچ چکے تھے اور بشیر جمائل لبنان کی صدارت سنبھالنے والا تھا۔

پھر ایک خوفناک واقعہ رونما ہوا جس نے حالات کو تہہ و بالا کر دیا اور اسرائیل کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ یہ 14 ستمبر 1982ء کی ایک سہ پہر تھی' اسرائیل کا قریب ترین حلیف بشیر جمائل' ایک زبردست بم دھماکے سے ہلاک ہو گیا۔ یہ 45 پونڈ وزنی بم تھا جو مشرقی بیروت کے شہر اشرافیہ میں فلانجسٹوں کے ہیڈ کوارٹر میں آ کر پھٹا۔ صدر سمیت متعدد اہم افراد ہلاک ہوئے اور ہیڈ کوارٹر تباہ ہو گیا۔ اسرائیل نے اضطراری رجحان کے مطابق ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اپنی فوج شہر کے مسلم علاقے میں داخل کر دی تاکہ عیسائی انتہا پسندوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے سے باز رکھا جائے۔ اسرائیلی فوج محتاط انداز میں پیش قدمی کر رہی تھی جس کی وجہ سے شہر کی گلیوں میں اسے بہت کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا' البتہ اس کے چند فوجی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

اس فوری اور خطرناک کارروائی کا فیصلہ وزیراعظم مناخم بیگن' اس کے وزیر دفاع اور چیف آف سٹاف نے کیا تھا۔ یہ اگرچہ آسان فیصلہ تھا' وہ ہر صورت میں اسے کر سکتے تھے مگر انہوں نے وزیر خارجہ اور ملٹری انٹیلی جنس اور موساد کے سربراہوں سے کوئی مشورہ نہ کیا۔ اگر وہ انہیں بھی اعتماد میں لیتے تو انہیں اس کے ممکنہ تزویری (Strategic) اور فوجی نتائج سے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی قیمتی رائے مل جاتی۔ موساد کا سربراہ لبنانی لیڈروں سے قریبی رابطے میں رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کے صدر کی موت کے بارے میں ان کے صحیح ترین ردعمل سے باخبر ہو سکتا تھا اور اپنی حکومت کو ان کے لائحہ عمل سے آگاہ کر سکتا تھا۔

یہ ساری کارروائی اس عجلت میں کی گئی تھی کہ آپریشن آرڈر میں اس امر کی بھی وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ وہ شہر کے جس حصے (مغربی بیروت) کو قبضے میں لے رہے ہیں' اس کے مہاجر کیمپوں کے بارے میں کیا کرنا ہے؟ ان کیمپوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خدشہ نہ تھا کیونکہ مرد جا چکے تھے۔ 36 گھنٹے کے بعد ایک اور حکمنامہ جاری ہوا جس میں اس گروگزاشت کی تلافی کرتے ہوئے اسرائیلی فوجیوں کے لیے ان کیمپوں میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ بڑا مہلک فیصلہ تھا جس کے تحت ان کیمپوں کا صفایا کرنے کا کام لبنانی فورسز پر چھوڑ دیا گیا' یعنی یہ کام یا تو لبنانی فوج کرے (جو کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی)' یا عیسائی ملیشیا کرے (جو کہ یہ کام کرنے کے لیے بے تاب تھا)۔ سینئر انٹیلی جنس

آفیسرز کا کہنا تھا کہ اگر ان سے مشورہ کیا جاتا تو وہ اس فیصلے کی سخت مخالفت کرتے اور اس کے سنگین نتائج سے باخبر کر دیتے۔

صابرہ اور شطیلہ میں قتل عام:

تاہم ہوا یہ کہ دو دن بعد فلانجسٹ ملیشیا کے سینکڑوں کارندے بھوکے بھیڑیوں کی طرح صابرہ اور شطیلہ کے مہاجر کیمپوں پر حملہ آور ہو گئے۔ اسرائیلی فوجوں کی موجودگی سے بے خوف اور بے نیاز ہو کر 1300 مردوں' عورتوں اور بچوں کو ذبح کر دیا۔ یہ سخت وحشیانہ کارروائی تھی۔ نہ صرف ساری دنیا میں اس پر احتجاج ہوا بلکہ اسرائیل کے اندر بھی سخت ردعمل کا اظہار ہوا۔ حکومت کو بادل نخواستہ اس کی عدالتی تحقیقات کرانا پڑی کہ ایسی وحشیانہ کارروائی کیوں ہونے دی گئی اور اس سلسلے میں اسرائیل کتنا ملوث ہے اور اس کی کتنی ذمہ داری تھی؟

انکوائری کمیشن کے سربراہ چیف جسٹس یزباہ کیہان نے اس افسوسناک واقعہ سے قبل کے انٹیلی جنس ورک کی بھی تحقیق کی اور ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس کو غفلت و لاپروائی کا مرتکب قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس نے حکومت کو فلانجسٹوں کے انتقامی جذبات سے آگاہ کیوں نہ کیا۔ اگر وہ بروقت حکومت کو مطلع کر دیتا تو انہیں' اپنے صدر جمائل کے قتل کا انتقام ان بے گناہوں سے لینے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کمیشن نے ''امن'' کے سربراہ کے اس مؤقف کو تسلیم نہیں کیا کہ وہ بیروت میں داخل ہونے والی اسرائیلی فوج کی طرف سے فلانجسٹوں کو دیئے گئے کردار کے بارے میں بے خبر تھا۔ کمیشن نے کہا کہ فلانجسٹ (i) اسرائیلی فوج کی سپورٹ میں کام کر رہے تھے (ii) اسے مقامی معلومات فراہم کر رہے تھے اور (iii) ان علاقوں میں داخل ہو رہے تھے جن میں اسرائیلی سپاہیوں کے لیے داخلہ ممنوع تھا۔ کمیشن نے پہلی بار اس فلانجسٹ افسر کو بھی شناخت کیا جس نے اس قتل عام کی اجازت دی تھی' اس کا نام ''ایلی ہوبیکا'' تھا۔ وہ 150 افراد پر مشتمل لبنانی انٹیلی جنس اور سپشل فورسز یونٹ کا کمانڈر تھا اور اس کا اسرائیلی فوج اور کرسچین فورس کے مابین طویل رفاقت کے زمانے سے موساد کے ساتھ قریبی رابطہ رہا تھا۔ کیمپوں پر حملے سے پہلے اس نے اسرائیل کا دورہ کیا تھا اور وہاں اسے انٹیلی جنس کی تربیت بھی دی گئی تھی۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ وہ موساد کا ایجنٹ تھا۔ ہوبیکا پیشہ ور قاتل کی شہرت رکھتا تھا اور شامی انٹیلی جنس کا بھی کارندہ رہ چکا تھا۔ سازش اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اپنے مقاصد کے لیے کسی بھی شخص کے ساتھ مل کر سازش تیار کر سکتا تھا' لہٰذا وہ نہایت

خطرناک اور مکروہ کردار کا شخص ہونے کی شہرت رکھتا تھا۔

رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ ملٹری انٹیلی جنس نے متعدد بار موساد کو فلانجسٹوں سے تعلقات بڑھانے کے خطرات سے متنبہ کیا تھا' لبنان میں مقیم اسرائیلی فورسز کے کمانڈر جنرل امیر دروری نے اپنے بیان میں کہا کہ کیمپوں میں قتل عام کے موقع پر موساد کا افسر رابطہ فلانجسٹ ہیڈکوارٹر میں موجود تھا۔ وزیر دفاع ایریل شیرون نے اپنے بیان میں کہا کہ وہ بشیر جمائل کی ہلاکت کے دوسرے روز جب فلانجسٹوں سے ملاقات کے لیے گیا تو وہاں ''امن'' اور شین بتھ' دونوں کے سربراہ موجود تھے۔ موساد کا ایک سینئر نمائندہ بھی وہاں تھا۔ قتل عام کے واقعہ سے تھوڑی دیر پہلے بھی اسرائیل کی سیکرٹ سروسز کے نمائندے خاصی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ اگرچہ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ان کے ماہرانہ مشوروں پر عمل نہیں کیا گیا۔

جسٹس کیہان نے اپنے فیصلے میں کہا — ''موساد کافی حد تک فلانجسٹوں کے اہم رہنماؤں کے زیر اثر تھی اور ان کی تنظیم سے قریبی اور مسلسل رابطے قائم کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے بخوبی آگاہ تھی''۔ تاہم سروس کے حکام کی غالب رائے یہ تھی کہ مسیحی قابل اعتماد ہیں اور ان پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ''امن'' اور ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ فلانجسٹوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ روابط کو خطرناک قرار دیتے تھے۔ تاہم کمیشن نے ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ میجر جنرل یہوشیا سیگوئی کی برطرفی کی سفارش کر دی جبکہ موساد کے سربراہ کو' اس کا نام لیے بغیر بے گناہ قرار دیا (غالب گمان ہے کہ یہ ''ناحوم اونونی'' تھا)۔ کمیشن نے کہا کہ اس نے کیمپوں کے واقعہ سے صرف چار روز قبل یہ عہدہ سنبھالا تھا' اسے' اس سے پہلے کے طرز عمل پر سزا نہیں دی جا سکتی۔

ضمناً ڈائریکٹر موساد اسحاق ہوفی پر الزام لگ سکتا تھا مگر اس کے ایک تجربہ کار جنرل ہونے اور واقعہ سے کچھ ہی پہلے فیلڈ کمانڈر بننے کی وجہ سے اسے قابل ملامت نہ سمجھا گیا۔ وہ اپنے آدمیوں کی رائے بھی من و عن قبول نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کلیتاً ان کی رپورٹوں پر انحصار کرتا تھا۔ غلط فہمی رابطے کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ موساد کے جن افسروں نے میرونائٹ گروپوں کے لبنانی لیڈروں سے سیاسی مذاکرات کا اصل میں اہتمام کیا تھا' انہوں نے یہ کردار نہ تو بطور انٹیلی جنس آفیسر ادا کیا تھا اور نہ بطور تجزیہ کار' ایسا کیا تھا بلکہ سفارتی تعلقات کی عدم موجودگی کے باعث خفیہ سفارت کار کی حیثیت سے یہ خدمت انجام دی تھی۔ رابطہ قائم کرانے کے لیے بطور ایلچی کام کرتے ہوئے وہ دوسرے فریق کی بنائی ہوئی غیر حقیقت پسندانہ تصویر

سے متاثر ہونے کی غلطی کر بیٹھے' یہ ایک ایسا جال تھا جس میں تجربہ کار سفارتی نمائندے بھی پھنس سکتے تھے۔

لبنان پر حملے کے فیصلے سے قبل اس ایکشن کا زبردست حامی وزیر دفاع جنرل شیرون امریکہ گیا تھا۔ اسرائیل کے فیصلہ سازوں نے یہ تاثر دیا تھا کہ امریکی وزیر خارجہ الیگزینڈر ہیگ امریکہ کی طرف سے فوجی ایکشن کی حمایت کا یقین دلا چکا ہے۔ اس غلط تاثر کو دور کرنے کے لیے' جس پر کہ حکومت اسرائیل کا فیصلہ مبنی تھا' کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کو بھی کوئی ایسی مکمل رپورٹ موصول نہیں ہوئی جس کے حوالے سے وہ وزرا کے نقطہ نظر کو چیلنج کر سکتی۔ دوران جنگ بھی کابینہ کو پوری انٹیلی جنس رپورٹ موصول نہیں ہوئی اور نہ تجزیہ کاروں کی طرف سے کوئی رائے اس تک پہنچ سکی۔ کیونکہ اہم اجلاسوں میں انٹیلی جنس سروسز کے لوگوں کو شاذونادر ہی بلایا جاتا تھا۔

ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ سیگوائے کے پیشرو شلومو گازت نے ''آپریشن پیس فار گلیلی'' کے بارے میں اپنی تجزیاتی رپورٹ میں جو بہت تاخیر سے شائع ہوئی کہ 1982ء میں وزیراعظم' جنرل سیگوائے کو کابینہ کے اجلاسوں سے باہر رکھنے کے لیے پورا پورا بندوبست کرتا تھا اور اسے صورتحال کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ لبنان آپریشن کے بارے میں ''انٹیلی جنس'' کے فقدان کے باعث حکومت کی جانب سے کوئی واضح ہدایت جاری نہ ہو سکی اور غیر متوقع طور پر غلط اقدامات ہوئے۔ جن کا نتیجہ سب کے سامنے آ گیا اور ہر شخص اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلو تہی کرنے لگا۔ کابینہ نے جس مقصد کے تحت اپنا پہلا فیصلہ صادر کیا تھا' اسے حاصل کرنے کے بعد اس پر قائم رہنے کی بجائے اسرائیلی ڈیفنس فورسز کو جنگ شروع کرنے کا حکم دے دیا تا کہ تمام فلسطینیوں اور شامی فورسز کا وہاں سے خاتمہ کر دیا جائے۔ پھر عیسائیوں سے رابطہ قائم کر کے لبنان میں اپنی بالادستی کے لیے ایک نیا نظام مسلط کرا دیا۔

اسرائیل نے بڑی چالاکی سے یہ کھیل کھیلا تھا اور مسٹر بیگن کی حکومت اپنے ملک کو لبنان کی دلدل میں پھنسانے پر ہمیشہ پچھتاتی رہی۔ موساد بھی فلانجسٹوں کے کاز کے لیے غیر ضروری جوش و خروش کی وجہ سے اپنی سراغرسانی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور ملک کو سیاسی آفت زدگی سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ شلومو گازت نے لبنان کے بحران کے لیے نہ خفیہ اطلاعات اکٹھی کرنے والوں کو موردالزام ٹھہرایا اور نہ تجزیہ کاروں کو ذمہ دار قرار دیا'

بلکہ وہ کابینہ اور انٹیلی جنس کے سربراہوں کے مابین رابطوں کے فقدان کو اس کا اصل سبب سمجھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ حکومت فیصلے کرنے سے پہلے سارے پہلوؤں کو مدنظر رکھنے میں ناکام رہی' اگر ایجنسیوں کی طرف سے مطلوبہ اطلاعات بلا روک ٹوک کابینہ تک پہنچ سکتیں' تو شاید یہ صورتحال پیدا نہ ہوتی۔ کیہان کمیشن نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں تنظیمی ڈھانچے میں مناسب ردوبدل تجویز کیا' مگر اس کی تجاویز پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

✿ ✿ ✿ ✿

ایرانی مہم جوئی

لبنان کی مہم میں اسرائیل نے خواہ جتنے مظالم بھی ڈھائے اور دنیا بھر سے جتنی مذمت بھی اس کے کھاتے میں پڑی' اسے کم از کم اتنا فائدہ ضرور پہنچا کہ اس نے وقتی طور پر اس ملک میں تنظیم آزادیٔ فلسطین کی فوجی قوت توڑ دی۔ اگرچہ ساتھ ہی ساتھ لبنان میں شیعہ ایک نئی قوت کے طور پر ابھر آئے جنہیں ایران کے قائد انقلاب آیت اللہ خمینی کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی نے پہلے تو اسرائیلی حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا کیونکہ ان کی پشت پر فلسطینیوں کا جو دباؤ تھا اس سے انہیں آزادی حاصل ہو گئی۔ موساد کے ایجنٹوں نے امل ملیشیا کو تقویت دینے اور ابھارنے پر خصوصی توجہ دی اور ساتھ ساتھ عیسائیوں کی بھی پشت پناہی جاری رکھی۔ امل کو سرِ دست ایک یورپی تعلیم یافتہ اور متوسط درجے کے شخص نبی بیری کی قیادت میسر آئی' اور اسرائیلی سرپرستی کی وجہ سے خاصا معاشرتی اور سیاسی وقار بھی حاصل ہو گیا۔ تاہم انٹیلی جنس کے لوگوں کا ان کے بارے میں محتاط رویہ تھا' وہ شیعوں کی اکثریت کے رویے کو کچھ عرصہ سے تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کیونکہ امل کے بانی امام موسیٰ صدر کی انقلابی تعلیمات کی وجہ سے ان میں ایک انوکھی سی ہلچل محسوس ہو رہی تھی۔ جنوبی لبنان مذہبی تعلیم اور روایات کا مرکز رہ چکا تھا جس مذہبی جوش و خروش نے بعد میں ایران میں انقلاب برپا کر دیا تھا' اس کی ابتدائی لہریں یہیں سے اٹھی تھیں۔ موساد نے اب بھی جو خطرات محسوس کیے' حکومت کو ان سے مطلع کر دیا لیکن حکومت نے ان کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

تہران میں پیدا ہونے والے مذہبی جوش و خروش کے اثرات جنوبی لبنان میں بھی محسوس ہونے لگے۔ ملاؤں نے اپنی نجی فوجیں اور دہشت پسند تنظیمیں قائم کر لیں تاکہ بیروت کے دیہی علاقے اور وادیٔ بقاع میں انہیں کی عمل داری ہو۔ اسی دوران انہیں ایران سے آنے

والے بارہ سو پاسداران انقلاب کی کمک بھی مل گئی۔ حالات روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے رہے' امریکی فورسز کی موجودگی کے باوجود' جنہیں فرانسیسی' اطالین اور برطانوی دستوں کی حمایت بھی حاصل تھی' حزب اللہ کے دہشت گرد بڑھ بڑھ کر جارحیت کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ ''اسلامی جہاد'' کے نام سے ایک اور فورس بھی سامنے آ گئی تھی اس کے پاس' ایک نیا بم ــ خودکش بم..... بھی تھا۔ جس کی پہلی آزمائش 1981ء میں عراقی سفارت خانے میں کی گئی تھی۔ اس کے دو سال بعد خودکش بمباروں نے اپنے غیر ملکی دشمنوں کے خلاف عام کاروائیاں شروع کر دیں۔ ان کا ایک ہدف ساحلِ بیروت پر امریکی سفارت خانہ تھا۔ آتش گیر مادے سے بھرا ہوا ایک ٹرک سیدھا اس کے اندر جا گھسا۔ مادہ پھٹنے سے خوفناک دھماکہ ہوا جس سے 45 افراد ہلاک ہو گئے۔ موسم خزاں میں بیروت کے قریب امریکی میرینز (Marines) اور فرانسیسی دستوں کے ہیڈکوارٹر میں مزید خودکش بم پھٹے' جن سے بھاری مالی اور جانی نقصان ہوا۔

اب ہم بات وہیں سے شروع کرتے ہیں جب فلسطینی' بیروت سے چلے گئے تھے۔ اس کے بعد ''اسلامی جہاد'' کی تنظیم کافی طاقت پکڑ گئی۔ اس نے بین الاقوامی امن فورس کو لبنان سے نکال دیا اور بالآخر اسرائیلی فوج کو بھی پیچھے دھکیل کر' اسے اپنی سرحد کے اندر رہنے پر مجبور کر دیا۔ جنوب میں صرف اس کی علامتی فورس اور لبنانی معاون دستے باقی رہ گئے۔

موساد کا پہلا کام دہشت گردوں کے ٹھکانوں اور ان کے کمانڈروں کے بارے میں مزید تفصیلات جاننا تھا۔ اس مہم میں اسے امریکی ایف بی آئی اور فرانسیسی انٹیلی جنس کے افسروں کا تعاون حاصل تھا۔ ان دنوں بیروت میں عجیب و غریب کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ مثلاً ایک یہ تھی ''حمرا'' میں ایک اخروٹ فروش کی تلاشی لی گئی تو وہ موساد کا جاسوس نکلا۔ ان لوگوں کو ڈھونڈھ نکالنا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ ''اسلامی جہاد'' اور اس کی سرپرست حزب اللہ' مذہبی طور پر ایک ہی گھرانہ تھیں۔ موساد کو ان کے اندر گھس کر اپنی راہ بنانا تھی۔ اسے ایک ایک واقعہ کی کئی بکھری ہوئی کڑیاں ملانا پڑ رہی تھیں تب جا کر کوئی مفہوم واضح ہوتا تھا۔ اسے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ شیعوں نے ایک خودکش واسکٹ ایجاد کی ہے۔ یہ ایک بے بازو جیکٹ تھی جس کے اندر دس پونڈ پلاسٹک بارود ''سیا'' ہوا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ ایک شخص اسے پہن کر ہدف کے قریب پہنچے گا۔ جونہی وہ اس میں لگا ہوا کھونٹا کھینچے گا تو پلاسٹک بارود دھماکے سے اڑ جائے گا' پہننے والا اور اس کا ہدف' دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ ایسا ہتھیار پہلے کبھی استعمال نہ ہوا تھا اور نہ ڈھونڈے سے بھی اس کا کوئی ریکارڈ مل سکا ہے۔

خودکش بموں کے بعد اسلامی جہاد تنظیم کا دوسرا حربہ یرغمال بنانا تھا۔ لوگوں کو پکڑ کر ان سے تاوان طلب کرنا' اگرچہ ایک پرانا انسانی حربہ ہے لیکن ایرانی حلیفوں کی مدد سے لبنانی شیعوں نے اسے ایک جدید آرٹ کی شکل دے دی۔ شہر میں گھومنے والے قالین فروش بھی پتہ لگاتے رہتے تھے کہ کن لوگوں کو اغوا کیا جا سکتا ہے۔ بیروت ایک بین الاقوامی شہر تھا جس میں امریکیوں اور یورپیوں کی خاصی آبادی تھی۔ دہشت پسند گروہوں کے لیے بہت سا شکار موجود رہتا تھا۔ ایرانی طلبا نے تہران میں امریکی سفارت خانے پر قبضہ کر کے جو 52 سفارتی نمائندوں کو یرغمال بنایا تھا' شیعہ ملیشیا کے لیے ایک واضح مثال موجود تھی۔ ایرانیوں نے امریکی صدر کارٹر کو جھکا لیا تھا اسلامی جہاد اور حزب اللہ نے سوچا وہ کیوں نہ اسی طریقے کی پیروی کریں۔؟

اگلے چند سالوں میں یرغمال بنائے جانے والے غیر ملکیوں کی تعداد مسلسل بڑھتی رہی۔ 1985ء میں لبنان میں یرغمالی بننے والے امریکیوں' برطانویوں اور یورپینوں کی تعداد 35 ہو گئی۔ برطانوی وزیراعظم مسز تھیچر نے استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے برطانوی یرغمالیوں کی رہائی کے لیے سودا بازی سے انکار کر دیا لیکن آرچ بشپ آف کنٹربری کا ایلچی نیری وائٹ صبر نہ کر سکا' وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سودا بازی میں ملوث ہو گیا لیکن اپنی سادگی اور ناتجربہ کاری کی قیمت اس نے اس طرح ادا کی کہ خود بھی یرغمال بنا لیا گیا۔

صدر ریگن نے نہایت دلیری سے دہشت گردوں سے نہ دبنے کا اعلان کیا' لیکن دوسری طرف اس نے امریکی یرغمالیوں کو ہر ''قیمت'' پر رہا کرانے کی منظوری دے دی۔ اس کے نتیجے میں ''ایران گیٹ'' سکینڈل ظہور پذیر ہوا۔ صدر عالمی مسائل کو جذباتی انداز میں دیکھنے کا عادی تھا' یرغمالیوں کے خاندانوں کی طرف اپیلوں پر پسیجے بغیر نہ رہ سکا۔ اس لیے وہ ان کی رہائی کے لیے کسی حد تک بھی جانے کو تیار ہو گیا۔ ان کی رہائی کے منصوبے کے پیچھے اس کا مبہم سا خیال یہ تھا کہ ایران چونکہ عراقیوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اس لیے آیت اللہ خمینی کو قائل کرنا مشکل نہ ہو گا کہ امریکہ کے ساتھ بہتر تعلقات کی خاطر یرغمالیوں کو چھوڑنے میں بہت فوائد مضمر ہیں۔ منصوبے کے مطابق ایران میں رابطے قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا' خیال تھا کہ یہ لوگ معتدل مزاج ہوں گے اور ایران کو دوبارہ بین الاقوامی برادری میں لے جانے کی خواہش رکھتے ہوں گے۔ اس دوران اسرائیل اور اس کی انٹیلی جنس کے لوگ بھی اس معاملے میں شریک ہو گئے۔

ایران کے ساتھ اسرائیل کے اپنے تعلقات بھی مخصوص پیچیدگیوں کا شکار تھے جو

اسرائیل کی اس سوچ پر مبنی تھے کہ ایران' اس خطے میں واحد غیر عرب ملک ہے جو تیل پیدا کرتا ہے' باہمی مفادات کا اشتراک دونوں ملکوں کو قریب تر لا سکتا ہے۔ شاہ ایران کے دیسے بھی اسرائیل سے کافی اچھے تعلقات تھے۔ لیکن اسرائیلی انٹیلی جنس کو جلد ہی گڑبڑ کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے۔ یہ 1978ء کے موسم بہار کے ابتدائی دن تھے کہ موساد نے محسوس کیا رضا شاہ پہلوی کی بادشاہت کے لیے سنگین خطرات پیدا ہونے والے ہیں اس لیے امریکہ کو اس سے مطلع کرنا اس کا فرض ہے۔ اس نے وارننگ دے دی مگر سنی ان سنی کر دی گئی۔ سی آئی اے اور برٹش انٹیلی جنس' دونوں نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا مگر بعد میں اس پر پچھتاتے رہے۔ کیونکہ ان کے لیے شاہ کو اس کے اقتدار کا سنگھاسن ڈولنے کا یقین دلانا آسان تھا اور اس کے پاس وقت بھی تھا کہ مناسب اقدامات کر کے اپنا اقتدار بچا سکتا تھا یا کچھ عرصے کے لیے اسے مزید مؤخر کر سکتا تھا۔

جب انقلابی ملاؤں نے اقتدار پر قبضہ کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عراق کے خلاف ان کی جنگ بیت المقدس کو آزاد کرانے کی راہ میں محض ایک منزل ہے۔ اس سے اسرائیل کو واضح طور پر ایک خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اور ایران میں مقیم 80 ہزار یہودیوں کی جانوں کے بھی لالے پڑ گئے۔ انہیں وہاں سے نکلنے اور اسرائیل پہنچنے میں مدد دینے کے طریقوں پر غور کیا جانے لگا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ اسرائیل ایران کی انقلابی حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات کی تجدید کرے۔ چنانچہ اس نے موساد کی ڈپلومیسی سے فائدہ اٹھا کر اسی کے ذریعہ ایران کی توجہ اسرائیلی فضائیہ کے اس کارنامے کی طرف مبذول کرائی کہ اس نے عراقی نیوکلیئر ری ایکٹر کو تباہ کر کے تہران کو ایٹم بم سے بچایا تھا۔ اگر وہ ایٹمی اسلحہ بنا لیتا تو اس لڑائی میں اسے یقیناً اسے استعمال کر ڈالتا۔ ایران پر جب یہ ''مضبوط کارڈ'' غیر مؤثر رہا اور وہ اپنے اس موقف سے پیچھے نہ ہٹا کہ امریکہ کے بعد اسرائیل اس کا دشمن نمبر 2 ہے تو اسے رام کرنے کے لیے دوسری تراکیب سوچی جانے لگیں۔

اب ایران کو اسلحہ کی پیشکش ہوئی' ایران چونکہ خلیجی جنگ میں الجھا ہوا تھا اسے اسلحہ کی اشد ضرورت تھی۔ لبنان کی مہم کے نتیجے میں اسرائیل کے پاس' تنظیم آزادیٔ فلسطین سے چھینا ہوا وافر اسلحہ موجود تھا جسے وہ کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ ان ہتھیاروں اور فالتو پرزوں کو فروخت کرنے میں اسرائیل کو دو فوائد دکھائی دیئے۔ ایک فائدہ یہ کہ انہیں بیچنے کے عوض اسے کچھ نہ کچھ مراعات مل سکتی تھیں اور دوسرا یہ کہ ان ہتھیاروں کو ایک اور عرب ملک'

عراق کی فوجی قوت کو کمزور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا تھا۔ 1981ء میں ایریل شیرون نے امریکی وزیرخارجہ الیگزنڈر ہیگ پر واضح کیا تھا کہ ایرانی فنٹم جیٹ طیاروں کے لیے اسرائیلی ساخت کے ٹائروں کی خفیہ فروخت' اسرائیل کے لیے بیحد فائدہ مند ہوگی' ایک تو اس سے نئی حکومت کے ساتھ تعلقات میں بہتری آئے گی اور دوسرے یہ کہ خمینی کے بعد جو شخص بھی ان کا جانشین بنے گا اس سے ہمارے روابط کے قیام میں مدد ملے گی۔

1984ء میں جب اسلامی جہاد تنظیم نے بیروت میں سی آئی اے سٹیشن چیف ولیم بکلے کو پکڑا تو امریکہ کا یرغمالیوں کو چھڑوانے کا عزم پختہ تر ہو گیا۔ سی آئی اے کے سربراہ ''ولیم کیسی'' نے اپنے دوست کو بچانا اپنی خصوصی ذمہ داری سمجھا' کیونکہ سروس کے اتنے بڑے عہدیدار کا یہ حشر ہونے سے سروس کے باقی ملازمین کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور مشرق وسطیٰ میں سی آئی اے کے وقار کو بھی شدید دھچکا لگا تھا۔

پہلی تجویز یہ سامنے آئی کہ قیدیوں کی رہائی کے بدلے ایران کو فوجی ساز وسامان کی پیشکش کی جائے یہ تجویز اسرائیلی وزارت خارجہ کے انتہائی سینئر سول سرونٹ ڈیوڈ کمچی نے پیش کی تھی جو خفیہ آپریشنوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا' وزارت خارجہ میں جانے سے پہلے وہ موساد میں ملازم تھا اور ڈپٹی ہیڈ کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ اپنے اسی اثر ورسوخ کی بنا پر اس قابل تھا کہ وہ ساٹھ سالہ کروڑ پتی ٹھیکیدار یاکوف نمرودی کی خدمات حاصل کر سکے۔ وہ ایک ایرانی یہودی تھا جو تہران کے قریب ہمدان میں پیدا ہوا تھا اور 1946ء میں ترک وطن کر کے اسرائیل چلا گیا تھا اور آجکل ریٹائرمنٹ کی آرام دہ زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ڈیوڈ کمچی کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے اسرائیل اور امریکہ کی اس مشترکہ مہم میں مدد دینے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز اس کا پرانا دوست تھا' شمعون نے طویل عرصے کے بعد ہونے والی اس ملاقات میں نمرودی کو اس کے مشن کا خاکہ بتایا اور کہا کہ ''تم اس نازک کام کو پایۂ تکمیل پہنچانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہو' تمہارا انتخاب بڑی سوچ بچار کے بعد عمل میں آیا ہے۔''

نمرودی اگرچہ ایک متشدد محب وطن اسرائیلی تھا لیکن ایران کو بھی اپنا وطن سمجھتا تھا جس کی یاد ہمیشہ اس کے دل میں جاگزین رہی۔ وہ 1956ء سے 1970ء تک موساد کے آدمی کے طور پر تہران میں رہا' اس کا عہدہ فوجی اتاشی کا تھا۔ اس نے ایک زبردست قسم کا نیٹ ورک قائم کر رکھا تھا جس کے ذریعے اس نے ایران کے ہمسایہ عرب ممالک کے متعدد قیمتی راز

حاصل کیے تھے۔ اس نے شاہ کی خفیہ پولیس ''ساوک'' کے ساتھ بڑے مضبوط رشتے استوار کر رکھے تھے اس کے بعض سینئر افسروں کو اسرائیل کی سیکرٹ سروس نے تربیت دی تھی۔ موساد اس وقت ایک سہ شاخہ گروپ کا حصہ تھی جو اسرائیل' ترکی اور ایران کی انٹیلی جنس سروسز پر مشتمل تھا۔ اس کا کوڈ نیم — ''ٹرائیڈنٹ'' تھا۔ اس کا مقصد آپس میں خفیہ اطلاعات کا تبادلہ کرنا تھا۔ تینوں کے سربراہوں کے سال میں دوبار باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے جن میں باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا ایران میں انقلاب برپا ہو جانے کے بعد بھی نمرودی نے ساوک کے متعدد سینئر افسروں سے مراسم قائم کر رکھے تھے۔ وہ فارسی زبان بہت اچھی طرح بولتا تھا۔ شاہ کے ساتھ اس کی ذاتی دوستی تھی اور اس کے ذریعہ اس نے اسلحہ کی خرید وفروخت کا وسیع تجربہ حاصل کر رکھا تھا۔ ایران کے ملاؤں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنے کے بارے میں اس کے ذہنی تحفظات خواہ کچھ بھی تھے مگر یہ سوچ کر وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ اسے یرغمالیوں کی رہائی جیسے اہم کام کے لیے ریٹائرمنٹ سے واپس بلایا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ وہ اب آج کے ایران سے اپنی واقفیت تازہ کر رہا تھا۔ بعد ازاں اس پر ایک کروڑ ڈالر کما لینے کا الزام بھی لگا لیکن اس نے اس کی تردید کی تھی۔

نمرودی نے پہلا کام یہ کیا کہ یورپ میں مقیم ان ایرانیوں سے گفتگو کی جن کے خمینی حکومت کے ساتھ روابط تھے اور وہ درمیانی آدمی کا کردار ادا کرنے کو بھی تیار تھے۔ پہلے اس نے عدنان خشوگی سے ملاقات کی جو نہایت شوخ مزاج کا سعودی اسلحے کا تاجر تھا اور کسی معاملے میں بھی دخل دینے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ خلیجی جنگ میں بھی کردار ادا کر رہا تھا۔ اس فہرست میں دوسرے نمبر پر ''منوچہر غور بانیفر'' المعروف ''گورہا'' تھا جس سے اس کی پہلی ملاقات دس سال قبل اس وقت ہوئی جب وہ ایک ساوک آفیسر تھا۔ گورہا ایک چکر باز شخص تھا اور اس نے ایک شپنگ کمپنی میں بھی سرمایہ کاری کر رکھی تھی۔ وہ ہمیشہ موساد یا سی آئی اے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں رہتا تھا تاکہ تہران میں اعلیٰ سطح کے رابطوں کے بارے میں انہیں مطلع کر کے کوئی مفاد حاصل کر سکے۔ بالآخر موساد کے بھیجے ہوئے افراد پر مشتمل ایک ٹیم نے لندن میں اس سے ملاقات کر لی۔ ڈیوڈ کمچی' سابق ٹیلی ویژن جرنلسٹ' امیرم نیر (جو اسرائیلی وزیراعظم کا مشیر برائے انسداد دہشت گردی بھی تھا۔) سمیت نمرودی سے ملا جہاں اسرائیلی ایئر کرافٹ انڈسٹری کا بانی الشمر بھی موجود تھا۔ دوران گفتگو گورہا نے مکار کمچی کو یقین دلایا کہ وہ امریکنوں کو تہران کے اعتدال پسند ارباب بست وکشاد ملوا دے گا' اس طرح

ایران کو ''ٹی او ڈبلیو'' ٹینک شکن میزائلوں کی کھیپ پہنچانا آسان ہو جائے گا۔ گوربا نے یہ تاثر بھی دیا کہ اس کے وزیراعظم ایران سے گہرے مراسم ہیں' ساتھ اس نے یہ اشارہ بھی دیا کہ مجوزہ سودے کے حصے کے طور پر ولیم بکلے کی رہائی عمل میں آ سکتی ہے۔

معاملے میں کافی دشواریاں تھیں کیونکہ میزائل بھیجنے کا مطلب' ایران کو اسلحہ بیچنے کی بین الاقوامی ممانعت (Embargo) کی خلاف ورزی تھا۔ کمچی کا اصل رابطہ' امریکن سائیڈ پر' نیشنل سیکورٹی کے مشیر رابرٹ فارلین سے تھا' جس نے اسے بتایا کہ اس مشکل پر صرف اس صورت میں قابو پایا جا سکتا ہے کہ میزائلوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ ہو جس سے خلیجی جنگ میں فوجی توازن بگڑ جائے۔ پھر بیچ کی راہ یہ نکالی گئی کہ سردست اسرائیلی میزائل فراہم کر دیئے جائیں اور بعد میں پیچھے سے اسرائیل کے سٹاک کی کمی امریکہ میزائلوں سے پوری کر دی جائے۔ اس صورت میں ایک مزید فائدہ یہ بھی تھا کہ اسرائیل کو پرانے سٹاک کی بجائے نیا سٹاک مل رہا تھا۔ چنانچہ اگست 1985ء میں تل ابیب سے 100 ''ٹی او ڈبلیو'' میزائل بذریعہ طیارہ تبریز (ایران) پہنچا دیئے گئے۔ یہ ڈی سی 8 طیارہ تھا جسے اشمر نے چارٹر کیا تھا اور اس کا پائلٹ کولمبیا کا باشندہ تھا۔

لیکن اس سے کام نہ بنا' کوئی یرغمالی رہا نہ ہوا' کیونکہ ایرانی حکام میزائلوں کی ڈلیوری کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تہران میں مسٹر گوربا کا جس شخص سے رابطہ تھا وہ کوئی موثر شخصیت نہ تھی۔ چند دن بعد اسرائیلیوں کی مدد سے میزائلوں سے بھرے ہوئے دو مزید طیارے تبریز پہنچا دیئے گئے' اس دفعہ گوربا خود ساتھ گیا تھا اور اس کے پاس ارجنٹائن کا پاسپورٹ تھا۔ پھر بھی اسے دھر لیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے اس کی غیر حاضری میں' خمینی حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں مقدمہ چلا کر' سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ تاہم کسی نہ کسی طرح اس کی فوراً رہائی بھی عمل میں آ گئی اس کا مشن ''مکمل یا جزوی'' طور پر کامیاب ہو گیا۔ ''مکمل'' کامیابی تو اس طرح کہ وہ سزا سے بچ نکلا اور ''جزوی'' کامیابی اس طرح ہوئی کہ چار کی بجائے صرف ایک یرغمالی — ریورنڈ' بنجمن ویئر (ایک پادری) — رہا ہو سکا جسے ایک سال قبل لبنان سے پکڑا گیا تھا۔ ولیم بکلے کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا کیونکہ اسے کافی دن پہلے دوران تفتیش' اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔

اس مرحلے کے بعد کے تمام امور میں امریکہ نے قائدانہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا۔ لیفٹیننٹ کرنل آلیور نارتھ کو یرغمالیوں کی بازیابی کے لیے کوآرڈی نیٹر مقرر کر دیا گیا جو اس حیثیت سے ایران کے ساتھ سارے معاملے کی امریکی پالیسی کا انچارج تھا۔ جبکہ بعد میں

ایران کو ملنے والا زیادہ تر اسلحہ بدستور اسرائیل کے راستے آتا رہا۔ ڈیوڈ کمچی کی جگہ ''امیرم نیر'' نے لے لی جو وزیراعظم اسرائیل کے آفس کا مشیر برائے انسداد دہشت گردی تھا۔ نمرودی اور شمر بھی صلاح مشورے میں موجود رہتے تھے جس طرح کہ مسرفانہ عادات کا مالک مسٹر گوربا' ہر وقت حاضر رہتا تھا۔

امریکی انتظامیہ نے جس انداز میں اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیا' اس پر مشہور جلاوطن صحافی امیر طاہری نے اپنی کتاب ''جاسوسوں کی آماجگاہ'' (Nest of Spies) میں بڑا کھرا تبصرہ کیا: ''حیرت کی بات ہے کہ انہیں جلاوطنوں' اسلحہ فروشوں اور غیر ملکی ایجنسیوں سے جو رپورٹ بھی موصول ہوتی گئی' وہ اسے قبول کر لیتے رہے' ان رپوٹوں کے پیچھے کارفرما محرکات کو پہچاننے کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی' حالانکہ ہر کسی کا الگ مخصوص مقصد تھا۔ اس سے بھی بدتر بات یہ تھی کہ انتظامیہ کے بعض افراد کو ان میں سے بعض مفاد پرستوں کی بدنیتی کا پورا علم تھا۔''

امریکہ اگر اب تک ناکام رہا تھا یہ اسرائیل کے خفیہ آپریشنوں کی تاریخ کا بھی کوئی سنہرا باب نہ تھا۔ رابرٹ میک فارلین اور کرنل نارتھ کے ناکام مشن کے بعد ایرانیوں نے دانستہ طور پر اس کہانی کو ہوا دے دی جس میں اسرائیل بھی ایران گیٹ سیکنڈل میں اپنے گھٹیا کردار کی وجہ سے کڑی تنقید کا نشانہ بنا۔ اس کے پاس واحد عذر یہ تھا کہ وزیراعظم شمعون پیریز اپنے امریکی حلیفوں کی مدد کرنے کے لیے بیتاب تھا۔ خاص طور پر اس موقع پر بھی جب جوناتھن پولارڈ کی جاسوسی کا کیس بحراوقیانوس پار کے ملکوں میں امریکہ کے بارے میں نفرت پھیلا رہا تھا اس نے اس کی مدد کرنا ضروری سمجھا۔

اسرائیلیوں نے اصرار کیا تھا کہ ''امیرم نیر'' بھی نارتھ مشن میں اس کے ہمراہ جائے تاکہ وہ اس کی کارکردگی پر نگاہ رکھ سکے۔ چنانچہ مئی 1986ء میں وہ اس بدقسمت مشن کے ساتھ تل ابیب سے تہران پہنچ گیا۔ ایک سال کی شدید دوڑ دھوپ' 1500 ''ٹو او ڈبلیو'' میزائلوں اور 240 ہاکس طیاروں کے پرزہ جات کی ہوشربا قیمت پر فروخت کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن ملاؤں کو اسلحہ کی ابتدائی ڈلیوری کے بعد امریکیوں کو مدد کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

1988ء میں یہ خبر سامنے آئی کہ کرنل نارتھ بھی ''بے قاعدہ فورسز'' کے ذریعہ لبنان میں نظربند یرغمالیوں کی رہائی کے لیے کوشش کر رہا ہے۔ اس خبر کا ماخذ ''امیرم نیر'' تھا۔ وہ میکسیکو کے پراسرار سفر پر ہلکے طیارے کے حادثے میں جب ہلاک ہو گیا تو واشنگٹن پوسٹ

نے اس کے ایک پرائیوٹ انٹرویو کی تفصیلات افشا کر دیں' اس کا یہ انٹرویو چند ماہ قبل لندن میں لیا گیا تھا۔ ''ایمرم نیر'' نے اخبار کو اسرائیل اور امریکہ کے ایک خفیہ معاہدے سے مطلع کیا تھا۔ جس کے تحت وہ ''جوابی دہشت گردی کے آپریشن'' شروع کرنے پر متفق ہو گئے تھے۔ یہ آپریشن 1985ء اور 1986ء میں ہوتا تھے اور ایمرم نیر اور کرنل نارتھ کو مشترکہ طور پر ان کی نگرانی کرنا تھی۔ معاہدے پر وزیراعظم شمعون پیریز اور صدر ریگن نے دستخط کیے تھے۔ ایسے معاہدے کبھی منظر عام پر نہیں لائے جاتے۔ وہائٹ ہاؤس نے اس پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن مسٹر نیر کا کہنا تھا کہ اس کے معاہدے کے تحت متعدد اقدامات کر لیے گئے تھے۔ اس کا نقطۂ آغاز لبنان میں 40 دروزیوں کو بھرتی کر کے انہیں یرغمالیوں کو رہا کرانے کی مشقیں کرانے کا منصوبہ تھا۔ دوسرا منصوبہ مشہور دہشت گردوں یا ان کے رشتہ داروں کو اغوا کر کے امریکہ پہنچا کر یرغمال رکھنا تھا۔ لیکن امریکی حکام نے اسے مسترد کر دیا تھا کیونکہ یہ قانون کی نظروں میں بجائے خود ایک جرم تھا۔ اسرائیل میں مسٹر نیر کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا تھا۔ اس نے تہران ایئرپورٹ میں اناڑی پن کا مظاہرہ کر کے امریکیوں سے بہت زیادہ قربت اختیار کر کے اگرچہ موساد کو ناراض کر دیا تھا لیکن اس نے یہ کارنامہ ضرور انجام دیا تھا کہ اس نے ایران کو فراہم کیے جانے والے اسلحہ کی زیادہ قیمت لگوانے پر اصرار کیا تھا' اس نے میکسیکو کے تباہ کن سفر پر روانگی سے قبل سرکاری ملازمت ترک کر دی تھی۔

✿ ✿ ✿ ✿

دھندلے علاقے

اسرائیلی انٹیلی جنس کا تیسرا بازو جو انتہائی کم قابل رشک شہرت رکھتا ہے' شین بتھ ہے۔ اسے بعض اوقات — ''شبک'' بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ''جنرل سیکورٹی سروس'' کے ہیں۔ اس کے ارکان عملہ انتہائی سخت جان' نظم و ضبط کے پابند اور سخت گیر لوگ ہیں۔ انہیں اپنے ملک کی سلامتی کے لیے جو بے لچک طریق کار اختیار کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ سے انہیں بے رحم اور سنگدل سمجھا جاتا ہے۔ شین بتھ کو مخبروں پر زیادہ انحصار کرنا پڑتا ہے' جنہیں بعض اوقات اس کام کی اجرت دی جاتی ہے اور بعض اوقات' ان سے ڈرا دھما کر کام لے لیا جاتا ہے۔ اس کے تفتیشی یونٹ کے ارکان کو مشکوک افراد سے حقائق اگلوانے کے فن کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ یہاں مشکوک افراد سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر یہ شبہ ہو کر وہ دہشت پسندانہ حرکتوں' ''ایچ ٹی اے'' (Hostile Terrorist Activity) میں ملوث ہیں۔ مناحم بیگن جب پہلی بار وزیراعظم منتخب ہوا تو اس نے شین بتھ کے نام جاری کیے گئے فرمان میں کہا کہ حقائق جاننے کے لیے بازو نہیں' ذہن استعمال کرو۔

فرائض کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے شین بتھ اپنے آپ کو اس بات پر مجبور پاتی ہے کہ تمام غیر ملکیوں اور اپنے بہت سے ہموطنوں کو شک کی نگاہ سے دیکھے۔ اس کے لیے وہ سب لوگوں کے ٹیلی فون ٹیپ کرتی ہے' سرگوشیاں سننے اور نگرانی کرنے کے لیے الیکٹرانک آلات استعمال کرتی ہے اور ضرورت پڑے تو اچانک گھروں میں بھی داخل ہو جاتی ہے۔ دشمن کے جاسوسوں کو تلاش کرتی ہے۔ کسی جگہ تخریب کاری یا سبوتاژ کا کوئی امکان دکھائی دے تو اس کا کھوج لگاتی ہے اور ملک کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھنے والوں کو دھر لیتی ہے۔ ان تمام فرائض کا مجموعی نام جواب جاسوسی' انسدادِ جاسوسی (Counter Espionage) یا داخلی سلامتی (Internal Security) ہے۔

اسی پر بس نہیں' شین بتھ کو ہوائی اڈوں کی بھی حفاظت کرنا ہوتی ہے اور قومی ایئر لائن ''ال آل'' کو بھی تحفظ فراہم کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری عمارات اور غیر ملکی سفارت خانوں پر بھی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ ان سب فرائض کو انتہائی مستعدی سے انجام دینا' اس کا فرض اولین سمجھا جاتا ہے۔ اس کے جواب جاسوسی کے اہم اہداف عرب ممالک' سوویت اور مشرقی بلاک کی انٹیلی جنس سروسز ہیں۔ اس میں عرب امور کے لیے ایک الگ شعبہ ہے جو اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے فلسطینیوں پر خصوصی نگاہ رکھتا ہے۔

جوں جوں فلسطینیوں کی مزاحمت بڑھتی رہی' شین بتھ کے عملہ کی تعداد اور فرائض کا دائرہ بھی بڑھتا رہا۔ یعنی اسے اسرائیل کے اندر ایجی ٹیشن کرنے والے افراد اور ان کے خفیہ ٹھکانوں پر بھی نظر رکھنا پڑی۔ وہ اس کام کو خوب جوش و خروش سے کرتی تھی لیکن داخلی سلامتی (سیکورٹی) کے کردار کے دوسرے پہلو کی جانب اتنے جوش و خروش اور فرض شناسی کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔ مثلاً وہ اسرائیلی دہشت گرد جو عرب آبادی پر حملہ آور ہوتے تھے ان سے لاپرواہی اور چشم پوشی کی جاتی تھی۔ بعض افسروں کی ہچکچاہٹ کے باوجود بالآخر شین بتھ کو اس وقت کارروائی کرنا پڑی جب دہشت گردوں نے تین عرب میئروں کی کاروں کو بم دھماکے سے اڑا دیا اور بیت المقدس میں قبۃ الصخریٰ کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی جس پر 27 افراد کو گرفتار کر لیا گیا' یہ لوگ یہودی دہشت گردوں کی زیر زمین تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔

شین بتھ کو تخریبی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے دوست اور دشمن' دونوں کی انٹیلی جنس سروسز کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے سوویت یونین اور مشرقی یورپ سے آنے والے یہودیوں کی بھی خوب چھان پھٹک کی۔ کیونکہ اسے شبہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ان میں ''کے جی بی'' کے تربیت یافتہ یہودی بھی ہوں' جنہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ اسرائیل بھیجا گیا ہو۔ اس طرح آنے والے جاسوس آسانی سے تو نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ انہیں اخفا میں رہنے کی خصوصی تربیت ملی ہوئی ہوتی ہے۔ شین بتھ کو ان پر ہاتھ ڈالنے کے لیے بڑی ریاضیت کرنا پڑی۔ اس نے آزادی کے بعد سوویت جاسوسوں کے کئی نیٹ ورک دریافت کیے اور اس مہم میں خاصی کامیابیاں حاصل کیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر کارنامہ' وزارت دفاع کے ایک اعلیٰ افسر ''اسرائیل بیر'' کی گرفتاری تھی جسے ایک روسی ایجنٹ کو خفیہ مواد حوالے کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اس کی گرفتاری کے لیے برطانوی ایجنسی "M15" سے بھی کچھ مدد لینا پڑی۔ انہوں نے ایک اور

جاسوس پروفیسر کرٹ سیٹی' پکڑا' یہ ایٹمی طبیعیات کا ماہر تھا۔ اسے حیفہ انسٹی ٹیوٹ میں اپنا عہدہ سنبھالنے سے پہلے چیکوسلاویکیہ کی انٹیلی جنس نے ریکروٹ کر لیا تھا اور اس نئے عہدے پر فائز ہونے کے بعد اس کا اپنے آقاؤں سے مسلسل رابطہ تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے' اس کی سرگرمیاں اپنے حقیقی یا امکانی دشمن ممالک تک محدود نہیں ہیں' متعدد اوقات پر اس کے کارندے امریکی سفارت خانے کے افراد کی جاسوسی کرتے ہوئے پائے گئے ہیں۔ اس کی ایک قابل ذکر مثال یہ ہے کہ انہوں نے یروشلم میں امریکی قونصلیٹ جنرل کے ایک ملازم کو ریکروٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک اسرائیلی لڑکی کے عشق میں مبتلا تھا' شین بتھ نے اس کا فرضی حمل گروانے کی آڑ میں اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ پھر اس نے لڑکی کو ترغیب دی کہ وہ اپنے اس دوست سے قونصلیٹ کے اندر کی خبریں حاصل کرے۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لڑکی کس حد تک اس سے راز چرا سکی۔

سیکورٹی سروس کی اس برانچ کے بارے میں زیادہ تر معلومات سی آئی اے کی ایک خفیہ رپورٹ سے حاصل ہوئی ہیں جو اس نے اسرائیل کے مختلف اداروں کے بارے میں تیار کی تھی۔ اس رپورٹ میں شین بتھ کی متعدد اوچھی حرکتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی ایک الگ فہرست بنائی گئی ہے۔ ایک حرکت یہ تھی کہ اس نے تل ابیب کے سفارتخانے کے امریکی میرینز گارڈز (Marines Guards) کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بھاری رشوت کی پیشکش کی تھی۔ دوسری حرکت یہ کہ 1964ء میں امریکی سفیر کے دفتر میں اسرائیلیوں کا نصب کردہ ایک خفیہ مائیکروفون پایا گیا۔ اسی طرح امریکہ کے ڈیفنس اتاشی کی رہائش گاہ پر بھی ٹیلی فون ٹیپ کرنے کے آلات پکڑ لیے گئے۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیلی' مشتبہ افراد کی نگرانی اور چوری چھپے اس کے راز معلوم کر لینے کے فن میں بڑے مشاق پائے گئے ہیں۔ وہ نگرانی پر مامور مردوں اور عورتوں کو ایسے طریقے سے تربیت دیتے ہیں کہ ان کے شکار کو ان پر ذرہ بھر بھی شبہ نہیں گزرتا۔ شین بتھ کے افراد پرائیوٹ رہائش گاہوں میں داخل ہونے کی بھی بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی افراد خانہ کے سامان اور ذاتی کاغذات کی تلاشی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اور واپس جاتے ہوئے خاص خاص جگہوں پر ریڈیو ٹرانسمیٹر نصب کر دیتے ہیں۔ کئی لوگوں کے گھروں میں ریکارڈ پلیئرز' کافی کنیز کے ''فالس باٹمز'' اور کوکنگ سٹوونز میں بھی خفیہ ریڈیو ٹرانسمیٹر نصب پائے گئے ہیں۔

سفارت کاروں' صحافیوں اور دیگر تارکین وطن کے بارے میں شین بتھ کو بہت سی

معلومات ان مخبروں سے حاصل ہوئیں جن کے ٹیکسی ڈرائیوروں' بارمینوں' ویٹروں اور ہوٹل سٹاف سے رابطے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ٹپ ملنے پر خوش ہو جاتے ہیں اور گپ شپ کے دوران وہ بہت سی سنی سنائی باتیں بھی مخبروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ مخبر انہیں ''قیمتی معلومات'' سمجھ کر شین بتھ کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہ باتیں اگرچہ کوڑا کرکٹ ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات بڑے پتے کی ثابت ہوتی ہیں۔ یہ کبھی تو کسی مشہور واقعہ یا واردات کی بازگشت ہوتی ہیں' کبھی کسی خاص طبقے کا اس واقعہ کے متعلق ردعمل ہوتی ہیں اور کبھی کسی سلگتی ہوئی چنگاری کی طرف اشارہ کر دیتی ہیں یہ مخبر شین بتھ کو جاسوسوں اور دہشت گردوں کو بے نقاب کرنے میں کافی معاون ثابت ہوتے ہیں۔

مثلاً 1979ء میں شین بتھ نے مخبروں کی جانب سے نشاندہی ہونے پر تل ابیب کے برطانوی سفارت خانے میں نئی متعین ہونے والی پریس سیکرٹری ''رہونا رچی'' کی نگرانی شروع کر دی۔ یہ سکاٹ لینڈ کی رہنے والی تھی۔ چند دن بعد اس کے اور ایک خوبصورت مصری سفارت کار رفعت الانصاری کے مابین معاشقے کا انکشاف ہوا' یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ شخص انٹیلی جنس افسر ہے۔ شین بتھ کی تیار کردہ رپورٹ کے مطابق مس ''رہونا رچی'' نے اپنے محبوب کو چند خفیہ دستاویزات فراہم کر دیں' جس پر اسے لندن میں طلب کر لیا گیا جہاں اس نے اعتراف جرم کیا اور اسے برطرفی کے علاوہ سزائے قید بھی سنا دی گئی۔

1960ء کے عشرے میں عرب ممالک کے جاسوسوں کے خلاف مہم کے دوران شین بتھ نے نہ صرف شام اور مصر کے نیٹ ورک کو توڑ دیا بلکہ ایک جرمن انجینئر کو بھی پکڑ لیا جو لبنان کے لیے جاسوسی کر رہا تھا' اسی طرح ایک برطانوی انجینئر کو بھی سزا دلوا دی جو اردن کے لیے یہ کام کر رہا تھا۔ انہوں نے ایک سابق اسرائیلی چھاتہ بردار ''ڈان وبریڈ'' کو بھی پکڑا جسے نظریاتی غدار قرار دیا گیا' وہ شامیوں کے لیے جاسوسی کر رہا تھا اور چند یہودیوں کو بھرتی کر کے باہر بھجوانے کی بھی کوشش کر رہا تھا جنہیں سبوتاژ کی تربیت دلوانا مقصود تھا۔ اس کا ایک اور ساتھی ایہود عدیو تھا وہ بھی سابق چھاتہ بردار تھا جس نے شام میں جا کر دھماکے کرنے اور کوڈز استعمال کرنے کی تربیت پائی تھی۔ شین بتھ نے دونوں کو پکڑ کر طویل قید کی سزا دلوا دی۔ شالی انٹیلی جنس بے حد تیز تھی' اس کے اور شین بتھ کے درمیان مضبوطی اعصاب اور فنی مہارت کا زبردست معرکہ برپا رہا۔ 1970ء کے عشرے میں شین بتھ نے گلیلی میں اس کا قائم کردہ نیٹ ورک ڈھونڈ نکالا۔ جس میں 150 یہودی اور عرب کام کر رہے تھے۔ ان میں سے تیس کو پکڑ لیا

گیا۔ باقی فرار ہو گئے۔

غزہ اور مقبوضہ مغربی کنارے کے علاقے میں فلسطینیوں کی مزاحمت میں تشدد کا عنصر پیدا ہوا تو شین بتھ کو بہت پیچیدہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ اسرائیل کے اندر اور مقبوضہ علاقے کے عربوں کے معاملات میں اس کا ان دنوں زیادہ تر عرب مخبروں پر ہی انحصار تھا۔ اس کے افسروں کو اپنے عرب دوستوں سے بھی بہت سی پتے کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں جن میں سے بعض کو اسرائیلیوں نے میئر مقرر کرا دیا تھا۔ 1987ء میں مزاحمت نے مزید شدت اختیار کی تو ''معلومات'' کے حصول کے بہت سے ذرائع ختم ہو گئے کیونکہ شدت پسندوں (Activists) نے مخبروں کو سخت دھمکیاں دی تھیں اور بعض اہم لوگوں کو محض شبہے میں قتل بھی کر دیا تھا۔ اس لیے شین بتھ کے لیے یہ جاننا بہت مشکل ہو گیا کہ عربوں کے اندرونی حالات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں چنانچہ عربوں اور اسرائیلی فوج کے گشتی دستوں پر اچانک حملے ہونے لگے۔

مشکلات بڑھنے کی وجہ سے شین بتھ نے جبر و تشدد کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس سروس کا اصل مقصد بڑی حد تک فوت ہو گیا۔ اس کا ایک ثبوت 1984ء میں شروع ہونے والے ایک سکینڈل کی صورت میں سامنے آیا۔ ہوا یوں کہ فلسطینیوں نے اشکیلوں کے قریب سے ایک بس ("300") اغوا کی اور اسے تل ابیب سے غزہ کی طرف لے گئے۔ اس میں 35 مسافر سوار تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان مسافروں کو اگر بچانا ہے تو پانچ سو فلسطینی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ شین بتھ کے ایجنٹ فوج کا ایک خصوصی دستہ لے کر پہنچے اور روایتی سٹائل میں بس پر ہلہ بول دیا۔ اعلان کیا گیا کہ فائرنگ سے یرغمالی اور چار دہشت گرد ہلاک ہو گئے۔ پھر سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ دو دہشت گرد ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اس میں یہ غلط تاثر دیا گیا کہ وہ اس حملے میں زخمی ہوئے تھے۔

لیکن ایک اسرائیلی فوٹوگرافر ایلیکس لیواک نے جو موقع پر موجود تھا' اس کی بنائی تصویریں جب بالآخر اخبار میں چھپیں تو وہ صاف بتا رہی تھیں کہ حملے کے بعد دو ہائی جیکر زندہ لے جائے جا رہے تھے۔ نیویارک ٹائمز نے سنسر شپ کی پابندیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اس تصویر کے حوالے سے سوال کیا کہ اس سنسان سڑک کے کنارے کیا واقعہ پیش آیا؟ بعد میں یہ تصویر اسرائیلی اخبار ''ہداشات'' میں چھپی۔ تصویر میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ دو بھیانک شکل والے اسرائیلی جو سیویلین کمبیٹ سٹائل جیکٹ' جینز اور فوجی بوٹ پہنے ہوئے ہیں ایک

نڈھال فلسطینی ماجدی ابو جمعہ کو مضبوطی سے پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک دھمکی آمیز طریقے سے کیمرے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ فوٹو اس امر کی تصویری شہادت تھی کہ فائرنگ کے بعد ماجدی زندہ تھا اور اسی طرح اس کا کزن صبحی بھی زندہ تھا' دونوں اٹھارہ اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ اس تصویر کے مضمرات صاف واضح تھے۔

آہستہ آہستہ لرزہ خیز حقائق سامنے آئے کہ سکیورٹی کے لوگ ان نوجوان عربوں کو ایک سنسان کھیت میں لے گئے۔ جہاں پہلے ان سے پوچھ گچھ کی گئی اور بعد میں بلا مزاحمت انہیں ڈنڈے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ وزیر دفاع موشے ایرنز نے ان قاتلوں کی مذمت کی اور کہا کہ ان اہلکاروں نے ان قواعد کی واضح خلاف ورزی کی ہے جو سکیورٹی کے عملہ سمیت سب ملازمین کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس نے ذمہ دار افراد کے خلاف کاروائی کا بھی اعلان کیا۔ بس کے اغوا کے واقعہ کی خبر چونکہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی' وزیر دفاع اور دیگر بہت سے سینئر افسر فوراً موقع پر پہنچ گئے تھے' ابھی حملہ ہونے والا تھا۔ لیکن موشے ایرنز نے اپنے بیان میں کہا کہ نہ وہ موقع پر تھا اور نہ ہی چیف آف سٹاف جنرل موشے لیوی موجود تھا۔

بعد میں بہت شور و غوغا مچنے پر اور میسٹ کے ارکان کے دباؤ پر حکومت نے ریزرو آرمی کے جنرل مائز زوریا کو واقعہ کی تحقیقات کا حکم دے دیا' جس نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ ''عرب نوجوانوں کے قتل کے لیے حکومت کی طرف سے آرڈر جاری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے مقتولین کے جسم پر تشدد کے نشانات پائے گئے ہیں' لہٰذا اس کی مزید فوجداری تفتیش ہونی چاہیے۔'' شین بتھ واقعہ قتل میں بری طرح ملوث پائی گئی تھی۔ کیونکہ موقع پر موجود سپاہیوں نے واضح شہادت دی تھی کہ قیدیوں سے تفتیش کی گئی تھی' جس کے بعد شین بتھ کے افسروں نے انہیں ہلاک کیا تھا۔ ایک گواہ نے وہ طریقہ بھی بتایا کہ ایک دہشت گرد کا سر کس طرح پتھر پر زور سے مار کر توڑا گیا تھا' جبکہ دوسرے کو سٹریچر سے زمین پر پٹخ دیا گیا تھا۔ متعلقہ افسروں نے اپنی صفائی میں کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا شین بتھ کے سربراہ ابوراہام شلوم کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا۔

اس سے بھی بدتر بات یہ ہوئی کہ جوں جوں تحقیقات آگے بڑھ رہی تھیں' یہ الزامات بھی متواتر لگ رہے تھے کہ شین بتھ گواہوں پر اثر انداز ہو رہی ہے' بعض دستاویزات کو تلف کر رہی ہے اور بعض جعلی دستاویزات تیار بھی کی جا رہی ہیں تاکہ اپنے افسروں کے ملوث نہ ہونے کا ثبوت مہیا ہو سکے۔ کمیشن کے سامنے پیش ہونے والے گواہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کی

بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ شہادتوں کو اس طرح توڑ مروڑ دیا گیا کہ سارا الزام چھاتہ بردار آفیسر جنرل اسحاق موردیچائی کے سر آ گیا جو بس میں حملہ آور ہونے والے یونٹ کی کمان کر رہا تھا۔ جنرل نے اپنی گواہی میں اعتراف کیا کہ اس نے پستول دکھا کر ان دو عربوں سے بس میں بوبی ٹریپ نصب کیے جانے کے بارے میں سوالات پوچھے تھے۔ لیکن اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے بعد میں دونوں کو سکیورٹی والوں کے حوالے کر دیا تھا۔

اس معاملے میں چونکہ شین بتھ کے سربراہ ابوراہام شلوم اور دیگر متعدد اعلیٰ افسروں کے نام لیے گئے تھے' اس لیے معاملے نے ایک نئی جہت اختیار کر لی کیونکہ جنرل اسحاق موردیچائی نے کہا تھا کہ اس کو اسحاق شمیر سمیت متعدد سیاسی آقاؤں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ بعد ازاں وزارت انصاف کی تحقیقات پر یہ بات سامنے آئی کہ درحقیقت یہ بات صحیح نہیں ہے اور اسے اعلیٰ افسروں کی طرف سے ہائی جیکروں کو قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں ملا تھا۔ یہ وہی وقت تھا جب لیکوڈ پارٹی اور لیبر پارٹی کے مابین باری باری اقتدار سنبھالنے کے سمجھوتے کے تحت' پیریز کی جگہ مسٹر شمیر وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو چکا تھا۔ یہ سمجھوتہ قومی یکجہتی کی خاطر کیا گیا تھا۔ بہرحال اس سکینڈل کے اثرات سے نہ شمیر بچ سکا اور نہ اس کا پیشرو شمعون پیریز محفوظ رہا۔ کیونکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پیریز نے بھی اپنے دور اقتدار میں شلوم کی پشت پناہی کی تھی۔

سیاستدانوں کا ردعمل' جیسا کہ ایسے معاملات میں ہوا کرتا ہے' یہ تھا کہ چلو جو کچھ ہو چکا ہے۔ چند افسروں کے نازیبا رویے کا نتیجہ تھا' معاملے کو مزید آگے بڑھایا گیا تو سروسز کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور قومی مفاد کو بھی نقصان پہنچے گا' تحقیقات ختم کرا دی جانی چاہیے۔ مگر چونکہ اعلیٰ افسر کھلے طور پر ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا چکے تھے' اس لیے کوئی نہ کوئی راہ ضرور تلاش کی جانی چاہیے چنانچہ تینوں مقتدر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ دو سروس کے سربراہ مسٹر شلوم کو قتل کا ذمہ دار ٹھہرائیں' چنانچہ وہ مستعفی ہو گئے۔

ان واقعات کے دو سال بعد' جون 1986ء میں' اس وقت کے وزیراعظم شمعون پیریز نے اٹارنی جنرل اسحاق شمیر کو مشورہ دیا کہ وہ اس تفتیش کو اس بنیاد پر ختم کر دے کہ یہ سلسلہ جاری رہنے سے دہشت گردی کے خلاف جدوجہد پر منفی اثرات پڑیں گے۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور مستعفی ہو گیا۔ اسی مہینے صدر خائم ہرزوگ پر زور دیا گیا کہ وہ اپنے معافی کے اختیارات کو بروئے کار لا کر ابوراہام شلوم اور اس کے تین نائبین کو معاف کر

دے کیونکہ وہ اب تک کسی عدالت میں قصوروار نہیں ٹھہرائے گئے تھے۔

صدر اس پر رضامند ہو گیا اور معافی دیتے ہوئے کہا کہ اس اذیت ناک معاملے کو ختم کر دینا ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس سے سروسز کو پہلے ہی خاصا نقصان پہنچ چکا ہے۔ صدر نے اس موقع پر شین بتھ کے کردار کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ملک پر سینکڑوں حملے کرنے والے 320 دہشت گرد گروپوں پر کاری ضربیں لگائی ہیں۔ صدر نے مزید کہا کہ ''اسرائیلی پبلک معلوم نہیں کہ ہم پر ان گمنام جانبازوں کے کتنے احسانات ہیں اور انہوں نے کتنی جانیں بچائی ہیں' ہم پر ان کا شکریہ واجب الادا ہے'' اس سروس نے ملک کے لیے قربانیاں دیں' ان میں ایک قربانی ایوراہام شلوم کی برطرفی کی صورت میں بھی دی گئی تھی۔ جو سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر مستعد ترین کردار ادا کرنے کے بعد 1980ء میں شین بتھ کا سربراہ بنا تھا۔ وہ اس موساد ٹیم کا ممبر تھا جس نے جنوبی امریکہ کے اندر سے یہودیوں کے قاتل ایشمین کو اغوا کر کے اسرائیل پہنچایا تھا۔

صدارتی حکم کے تحت خلاصی ملنے سے سروس کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کابینہ نے اپنے طور پر مزید تحقیقات کرانے کی تجویز مسترد کر دی' ہائی کورٹ نے صدر کی جانب سے دی گئی معافی کو جائز قرار دے دیا اور پھر شین بتھ کے دیگر سات افسروں کی معافی بھی اسی کا حصہ بنا دی گئی۔ اس اقدام سے نئے اٹارنی جنرل کی ان کوششوں کو شدید دھچکا لگا جو بس کے واقعہ میں ہلاکتوں کی ذمہ داری کے تعین کے لیے مزید گہری تحقیقات کے سلسلے میں کر رہا تھا۔ کیونکہ بعض عوامی حلقوں میں کچھ تشویش ابھی باقی تھی۔ متعدد اخبارات نے اتنے بڑے واقعہ پر ڈھٹائی سے پردہ ڈال دینے پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور اسے ''خاموش سازش'' قرار دیا تھا۔ پریس کا یہ کردار اس لحاظ سے قابل تحسین ہے کہ وہ حقائق چھپانے کی حکومتی کوششوں کو ناکام بناتا رہتا ہے اور عوام کو ایسی سازشوں سے مسلسل باخبر رکھتا ہے۔ اخبارات نے صدر کی طرف سے معافی کے اقدام پر کڑی نکتہ چینی کی۔ روزنامہ ''ہارٹز'' نے انتہائی طنزیہ انداز میں لکھا:

''یہاں ایک نیا سلسلہ چل نکلا ہے شین بتھ کو دہشت گردوں کو قتل کرنے اور جھوٹی شہادتیں پیش کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔''

سیکورٹی سروس کے ماتھے پر بدنما ترین دھبہ لگ چکا تھا تاہم اس نے اپنی پرانی ڈگر پر کام جاری رکھا۔ جنرل ایریل شیرون جیسے سیاستدان' صدر سے بڑھ کر شین بتھ کے اقدامات پر تحسین کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ اور قتل کے اس واقعہ کا جواز پیش کرنے میں مصروف

تھے۔ دوسری طرف وزیر محنت ''موشے کاتزاف'' کو اعتراف تھا کہ شین بتھ نے ملک کے بنیادی قانون کی صریح خلاف ورزی کی ہے لیکن وہ ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اس اقدام کو جائز قرار دے دیا جانا چاہیے کیونکہ اسرائیل' دہشت گردی کے خلاف حالت جنگ میں ہے۔ ایسی صورت میں بقول اس کے عام قوانین کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

شین بتھ کی بداعمالیوں کا ایک اور ثبوت 1987ء میں اس وقت ملا جب سپریم کورٹ نے کورٹ مارشل کے ایک فیصلے کو کالعدم قرار دیدیا۔ یہ واقعہ ''بس 300'' سے کئی سال پہلے کا تھا اور اب سپریم کورٹ کے سامنے لایا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ اسرائیلی ڈیفنس فورسز کا ایک لیفٹیننٹ ''عزت نفسو' جو سرکیشیا کا رہنے والا تھا' 18 سال قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ اسے یہ سزا مبینہ جاسوسی پر دی گئی تھی' الزام یہ تھا کہ جنوبی لبنان میں دوران ملازمت وہ شام کے لیے جاسوسی کر رہا تھا۔ اس نے سزائے قید کے خلاف اپیل کی تو سپریم کورٹ نے اسے اس بنا پر کالعدم قرار دے دیا کہ اس سے دو ہفتے تک تشدد کر کے اعتراف جرم کرایا گیا تھا' بعد میں وہ اس اعتراف سے مکر گیا تھا۔ سپریم کورٹ کو بتایا گیا کہ شین بتھ کے کارندوں نے دوران تفتیش غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کیے اور اس سے فوجی عدالت میں جھوٹ بلوایا۔ یہ شہادت بھی سامنے آئی کہ اسے مارا پیٹا گیا اور دوران تفتیش گھنٹوں جما دینے والی سردی میں کھڑا کیا گیا اور یہ دھمکی دے کر اقبالی بیان لیا گیا کہ اگر اس نے یہ بیان نہ دیا تو اس کی بیوی اور ماں کو سرعام ننگی کر دیا جائے گا۔ عزت نفسو سے جو قصور سرزد ہوا تھا' یہ تھا کہ اس نے لبنان میں تعیناتی کے دوران تنظیم آزادئ فلسطین کے افسر سے ملاقاتوں کے بارے میں رپورٹ پیش نہیں کی تھی۔ اس کوتاہی پر اس کا عہدہ کم کر کے سارجنٹ میجر کر دیا گیا تھا۔

''بس 300'' اور عزت نفسو کیس' دونوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ حکومت نے شین بتھ کے عمومی رویے کی چھان بین کے لیے ایک جوڈیشل کمیٹی قائم کر دی جس کا سربراہ سپریم کورٹ کا سابق صدر جسٹس موشے لنداؤ تھا اور اس کے دوسرے دو ارکان جج یاہوف مالتز اور میجر جنرل اسحاق ہوفی تھے' ہوفی' موساد کا سابق سربراہ تھا۔ جوڈیشل کمیٹی نے اپنے فیصلے میں شین بتھ کے اس موقف کو بالکل مسترد کر دیا کہ ''ملک کی سلامتی اور اس کے نازک مفادات کی خاطر اور دہشت گردی کے خلاف برسرپیکار ہونے کی وجہ سے سیکورٹی سروسز کو اپنی سرگرمیاں ''دھندلے علاقے'' میں انجام دینا پڑتی ہیں جو قانون کی حدود سے ماورئ ہے' اس لیے سیکورٹی سروسز کو قانونی تکلفات سے معاف رکھا جائے اور انحراف کی اجازت دی جائے۔''

اس مؤقف کو مسترد کرتے ہوئے کمیشن نے نوٹ کیا کہ ''داخلی سکیورٹی سروس'' کے افسر سولہ سال سے عدالتوں میں مسلسل جھوٹ بولتے رہے ہیں اور ملزموں سے اقبالی بیانات لینے کے لیے بے خوف و خطر قانون شکنی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ اس صورتحال کی ذمہ داری یکے بعد دیگرے تعینات ہونے والے سربراہانِ سروس اور ان کے مشیروں کے سر ہے جو اپنے ماتحتوں کو اس ڈگر پر چلاتے رہے ہیں' حتیٰ کہ جبر و تشدد اور جھوٹ و غلط بیانی اس سروس کی مسلمہ روایت بن گئی۔ افسروں کی دروغ حلفی کی عادت کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے متشددانہ طریق تفتیش کو سامنے لانے پر تیار نہ تھے کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں عدالتیں ان کے حاصل کردہ اقبال بیانات کو مسترد کردیتیں۔ اس صورتحال سے بچنے کا یہ واحد طریقہ تھا۔'' عدالت میں یہ طریقہ اختیار کرنا کسی پالیسی یا کسی سوچے سمجھے فیصلے کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اس راہ پر چلتے چلتے یہ ان کی عادت بن گئی جو پختہ سے پختہ تر ہوتی چلی گئی۔ نئے نئے ریکروٹ آتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنے سینئر افسروں کو جو کچھ کرتے دیکھا' اسی کو اپنا لائحہ عمل بنالیا اور یہ سمجھا کہ یہ معاملات یوں ہی ہوتے آئے ہیں اور یوں ہی چلتے رہیں گے۔

کمیشن نے اپنے فیصلے میں اس اصول کی حمایت کی کہ قانون کو دہشت گردی کی روک تھام اور تفتیش کے لیے مناسب فریم ورک مقرر کرنا چاہیے۔ کمیشن نے تفتیش کنندگان کی رہنمائی کے لیے ایک دستاویز بھی تیار کی لیکن یہ دستاویز' ایک راز ہی رہی۔ بتایا گیا ہے کہ کمیشن نے ماضی میں ہونے والی اچھی تفتیش کے چند اصولوں کو یکجا کردیا تھا تاہم تفصیلاً کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ اس حوالے سے صرف چند اشارے ملتے ہیں کہ جسٹس لنداؤ کے ذہن میں کیا تھا؟ جن میں ایک یہ تھا کہ تفتیش کنندگان کو ملزموں پر نفسیاتی دباؤ ڈالنا چاہیے۔ تھوڑا بہت دھوکہ یا لالچ دینا بھی درست ہے' تشدد نہیں کرنا چاہیے' اس کی بجائے طویل اور سخت قسم کی پوچھ گچھ کی جاسکتی ہے۔ کچھ دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہو تو وہ بھی استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

مختصر یہ کہ یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ شین بتھ کو ایک مشکل اور اہم کام انجام دینا پڑتا ہے۔ وہ سخت طریقے استعمال کرنے کی مجاز ہے مگر دہشت پسندوں سے سچ اگلوانے کے لیے وحشیانہ طریقے استعمال نہیں کرسکتی۔ یہ بھی تسلیم کرلیا گیا کہ اس کا رول'' پولیس کے رول سے مختلف ہے۔ پولیس کو عدالت سے سزا دلوانے کے لیے اس کے سامنے شہادتیں پیش کرنا پڑتی ہیں۔ سکیورٹی سروسز کو دہشت گردی روکنے کے لیے جن شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں خفیہ رکھنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ملزم کو کبھی بھی عدالت کے روبرو نہیں لایا جاسکتا۔

سکیورٹی سروس کے اس فلسفے کے جواز میں کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ایک گمنام مقولہ شامل کیا جو مبینہ طور پر اس سروس کے اعلیٰ افسر کی تحریر سے لیا گیا تھا اس کے مطابق:

> ''جو ٹیٹ ورک ایسے معاملات نمٹاتا ہے' اس کا اپنا ایک مخصوص طریق کار ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص انداز میں معلومات اکٹھی کرتا ہے۔ جنہیں کسی عدالت کے سامنے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہم کسی اور کو مطمئن کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہم جب کسی جرم کے ذمہ دار شخص کو پکڑتے ہیں تو مسئلے کو اس کی حد تک حل کرلیتے ہیں' پھر اگلے مرحلے کی طرف یعنی اگلے مشکوک آدمی کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔''

کمیشن نے اس توقع کا اظہار کیا کہ شین بتھ موجودہ قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ایک نئے اور بے داغ صفحے سے اپنی تاریخ کا آغاز کرسکتی ہے' اسے اس کی فی الواقع ضرورت ہے۔ کیونکہ اس وقت رپورٹ کے مطابق' اس سروس کی جو تصویر سامنے آئی ہے وہ کئی کارناموں کے باوجود مایوس کن اور قابل ملامت و افسوس ہے۔ اس نے سالہا سال بلاروک ٹوک قانون شکنی کا راستہ اختیار کیے رکھا اور اس کے افسروں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ وہ دیدہ دلیری سے عدالت میں جھوٹی گواہیاں پیش کرتے رہے۔

✿ ✿ ✿ ✿

حصہ پنجم

ناگ اور دوستی

انور سادات کا بچاؤ

جو سلسلہ واقعات اسرائیل اور مصر کے لیڈروں کے مابین پہلی تاریخی ملاقات کا باعث بنا' وہ 1973ء میں مشتبہ افراد کی نگرانی سے شروع ہوا تھا۔ موساد کے ایک ایجنٹ نے بیروت میں اشارہ دیا کہ ودیع حداد کے پاپولر فرنٹ کے دو ممبر ایک خاص مشن پر لندن اور پیرس جانے والے ہیں۔ اس پر ایک مبصر گروپ کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ اس مشن کی نوعیت اور مقصد کا پتہ لگائے۔ چند ہفتوں کے بعد صرف یہ معلوم ہو سکا کہ پاپولر فرنٹ بیس خصوصی طور پر منتخب گروپ کو ایک انتہائی خفیہ مشن کے لیے تربیت دے رہا ہے۔ اس پر موساد کی ٹیموں نے زبردست دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ کئی اپارٹمنٹس پر چھاپے مارے' سینکڑوں دستاویزات پکڑیں اور اسلحہ سپلائی کرنے والوں پر دباؤ ڈالا۔ بالآخر فیلڈ مینوں نے معلوم کر لیا کہ یہ فلسطینی گروپ لیبیا کی مدد اور تعاون سے مصر کے صدر سادات کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

قتل کے منصوبے کا آغاز اس واقعہ سے ہوا کہ اسرائیلی ایئر فورس نے لیبیا کا ایک مسافر طیارہ بوئنگ 727 مقبوضہ سینائی میں مار گرایا' اس میں سوار 108 افراد ہلاک ہو گئے۔ یہ طیارہ راستہ بھٹک کر ادھر جا نکلا تھا' اس پر لیبیا کا صدر قذافی سخت مشتعل ہوا' اسرائیلی فضائیہ نے اپنے اقدام کی یہ توجیہہ کی کہ ہم نے پائلٹ کو وارننگ دی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہمارے ہیڈ کوارٹر کا فوری فیصلہ یہ تھا کہ ممکن ہے یہ طیارہ ''کامی کاز'' (خودکشی) مشن پر ہو اور کسی اسرائیلی شہر پر گر کر تباہی مچا دے' اس لیے اسے مار گرایا گیا۔ صدر قذافی اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور اس نے انتقاماً حیفہ پر حملے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن مصری صدر نے اسے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر قذافی نے دوسرا منصوبہ بنایا جس کے لیے اس نے مصر سے ایک آبدوز کرائے پر مانگی۔

منصوبے کی تفصیل یہ تھی کہ برطانوی بحری جہاز ''کوئین الزبتھ'' یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو لے کر اسرائیل کے قیام کی 25 ویں سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کے لیے ''اشدود'' (Ashdod) لانے والا تھا' اس آبدوز کے ذریعہ جہاز کو تارپیڈو مار کر تباہ کرنا تھا۔ آبدوز کا مصری کپتان اس مشن پر روانہ ہوا تو اس نے دوراندیشی کے تحت سکندریہ کے نیول ہیڈکوارٹر کو خفیہ پیغام بھیج کر پوچھا کہ کیا ان احکامات کی توثیق ہوچکی ہے؟ مصری صحافی اور مصنف محمد حسین ہیکل کے مطابق صدر سادات کو ایک بجے رات بیدار کر کے اس سگنل کے بارے میں پوچھا گیا' جس پر صدر نے قذافی کے حکم کو فوراً منسوخ کر دیا۔ آبدوز اپنے پیغام کا جواب پانے کے لیے دوبارہ سطح آب پر ابھری تو دو گھنٹے کی تاخیر واقع ہوچکی تھی۔

اس واقعہ سے صدر قذافی کے غم و غصے کی کوئی حد نہ رہی۔ اسے اپنے حالیہ دورۂ قاہرہ کی ناکامی کا پہلے ہی کافی صدمہ پہنچا ہوا تھا کیونکہ اس دورے میں اس کا شایانِ شان استقبال ہونا تو کجا' اس کے ساتھ تو ایک شیخی بگھارنے والے دہقان جیسا سلوک ہوا تھا۔ مصری خود کو زیادہ تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ سمجھتے تھے۔ جبکہ صدر قذافی خود کو صدر ناصر کا حقیقی جانشین سمجھتا تھا' ایک نئی بات یہ بھی پیدا ہوچکی تھی کہ اب مصر اور اسرائیل کے درمیان مصالحت کے آثار نمودار ہونے لگے تھے چنانچہ صدر قذافی نے صدر سادات کو ختم کرانے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے جس شخص کا انتخاب کیا وہ پاپولر فرنٹ کا شعلہ نوا لیڈر ودیع حداد تھا۔ پاپولر فرنٹ (PFLP) 'تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) کا ٹوٹا ہوا بازو تھا جس نے اس سے علیحدگی کے بعد طیارے اغوا کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا' اس کی سرگرمیوں کا دنیا بھر میں چرچا ہو رہا تھا۔ موساد نے ودیع اور پاپولر فرنٹ پر خاص طور پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے پیرس اور لندن میں اس کے نیٹ ورک کا پیچھا کرنے کے لیے جو سپیشل ٹیمیں بھیجی ہوئی تھیں' انہوں نے صدر سادات کے قتل کے منصوبے کی تفصیلات اکٹھی کر لی تھیں منحائم بیگن' لیکوڈ پارٹی کی انتخابی جیت کے نتیجے میں ملک کا وزیراعظم منتخب ہو چکا تھا' موساد کے سربراہ نے اسے اور سابق وزیراعظم اسحاق رابن کو اس منصوبے کی تفصیلات سمجھا دیں لیکن انٹیلی جنس کے لوگوں کو بیگن کی یہ بات سن کر بے حد حیرت ہوئی کہ صدر سادات کو بتا دیا جانا چاہیے کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ موساد نے پہلے تو اس تجویز کی مخالفت کی لیکن بیگن جیسا زیرک سیاستدان جانتا تھا کہ وہ ایسا کر کے صدر سادات کے ساتھ جو خیر سگالی کے تعلقات قائم کرلے گا' اس کے نتیجے میں مغربی عرب دنیا سے کٹ جائے گا' ایک طرف وہ غدار پائے گا اور

دوسری جانب اس کے اسرائیل کے ساتھ پرامن مصالحت کے امکانات بڑھ جائیں گے' چنانچہ کابینہ اس کی ہم خیال بن گئی کہ صدر سادات کو بتا دیا جانا چاہیے اب سوال پیدا ہوا کہ یہ کام کیسے کیا جائے؟

اسرائیل میں عرب لیڈروں کو ایسی اطلاعات پہنچانے کی پہلے سے مثالیں موجود تھیں۔ اردن کے شاہ حسین کو اس کا تختہ الٹنے کی سازش کی بروقت اطلاع ملنا' موساد ہی کی جاسوسی کا نتیجہ تھی۔ اسی طرح مراکش کے شاہ حسن کے قتل کی سازش کا پتہ بھی اسی نے چلایا تھا اور سی آئی اے کی وساطت سے شاہ کو اس سے مطلع کر دیا تھا۔ جب موساد نے یہ واقعات بیگن کو بتائے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' کیونکہ وہ ان سے بالکل بے خبر تھا' لیکن اس بار اس نے یہ کام اپنے طریقے سے کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ صدر سادات کو اسرائیل براہ راست اطلاع دے گا۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنے ایک پبلک بیان میں اس کی طرف لطیف پیرائے میں اشارہ کرتے ہوئے کہا— ''ہمیں ایک سنجیدہ ماخذ سے قتل کے ایک منصوبے کی اطلاع ملی ہے' ہم نے اسے خفیہ نہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے' متعلقہ حکام کو اس سے باخبر کر دیا جائے گا۔''

اس فیصلے سے کچھ مسائل پیدا ہوگئے کیونکہ ایک دشمن ماخذ سے موصول ہونے والی رپورٹ کے بارے میں اس کا شک میں پڑ جانا بالکل فطری بات تھی۔ اور یہ بھی ناممکن تھا کہ موساد کے سربراہ کو ایک دشمن ملک میں بھیج کر قتل کی سازش کا انکشاف کر دیا جائے۔ بالآخر شاہ حسن کے ذریعہ اطلاع پہنچانا' زیادہ موزوں دکھائی دیا۔ مراکش سے اسرائیل کے خفیہ سفارتی رابطے پہلے ہی قائم ہوچکے تھے اور شاہ حسن' عرب دنیا کی طرف سے کافی مذمت کا نشانہ بننے کے باوجود اسرائیلیوں کے ساتھ قریبی تعلقات بڑھا رہا تھا۔ جس پر کرنل قذافی نے اسے بھی غداری کی سزا دینے کے لیے اس کے قتل کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ شاہ حسن کے باڈی گارڈ موساد کے تربیت یافتہ تھے اور خفیہ اطلاعات کے باہمی تبادلے بھی ہوتے رہتے تھے۔ اکتوبر 1976ء میں اسحاق رابن وزیراعظم ہوتے ہوئے بھی بھیس بدل کر مراکش جا چکا تھا تاکہ صدر سادات سے خفیہ روابط کی کوئی سبیل نکالی جاسکے۔ اس نے اس ملاقات میں میزبان شاہ حسن سے مصری صدر سے ملاقات کے انتظام کی فرمائش کی تھی۔ شاہ حسن نے محتاط انداز میں صدر سادات سے بات کی مگر وہ ابھی اتنا بڑا قدم اٹھانے سے ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اسے نہ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ غالباً اس لیے کہ اسے تشویش تھی کہ اگر اسرائیل اور مصر کی آپس میں بات چیت شروع ہوگئی تو خطے میں امریکی اثر و رسوخ کمزور پڑ جائے گا۔

لیبیا کے خوفناک منصوبے کی فائل مصری انٹیلی جنس — ''مخابرات'' کے سربراہ جنرل کمال حسن علی کے حوالے کرنے کی ذمہ داری موساد کے سربراہ جنرل اسحاق ہوفی کو سونپ دی گئی۔ پھر بھی یہ ضروری سمجھا گیا کہ یہ کام مراکش کے گواہوں کی موجودگی میں ہونا چاہیے کیونکہ ہوسکتا تھا کہ مصر اور لیبیا کے حکام اس معاملے میں آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ گواہوں کی موجودگی کا اہتمام اس لیے بھی ضروری سمجھا گیا کہ مصری انٹیلی جنس کا سربراہ کہیں اسے اسرائیلی انٹیلی جنس سے مات کھا جانے کی شرمندگی سمجھ کر دبا ہی نہ لے۔

رپورٹ میں انور سادات کو قتل کرنے کے دو متبادل منصوبوں کا انکشاف کیا گیا تھا۔ ایک یہ تھا کہ اسے فوجی پریڈ کے دوران مارا جائے یا اس کے بعد اس کے سکندریہ والے گھر میں اس پر بحریہ کے ہیلی کاپٹر کے ذریعہ حملہ کیا جائے۔ تفصیل میں اس سات رکنی ٹیم کا ذکر تھا جسے لیبیا میں خصوصی تربیت دی گئی تھی اور اس جگہ کا بھی ذکر کیا گیا تھا جہاں سے لیبیا کے سفارتی بیگوں کے ذریعہ اسلحہ مصر میں منتقل کیا گیا تھا۔

بیشتر مصری حکام کو ان تفصیلات کے درست ہونے کا یقین نہ آیا تھا۔ محمد حسین ہیکل نے جو صدر سادات کا مداح اور اس کا نہایت قریبی تھا' اسے ناقابل عمل اور بے سروپا کہانی قرار دیا تھا۔ انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مخابرات انٹیلی جنس اپنے ملک کے صدر کے قتل کے منصوبے کا پتہ چلانے میں ناکام رہی ہے اور دشمن ملک اسرائیل کی ایجنسی اس کا انکشاف کررہی ہے۔ اسے کیسے ہمدردی پیدا ہوگئی ہے؟ تاہم صدر سادات نے احتیاط ہی کو پیش نظر رکھ کر اپنے حفاظتی انتظامات مزید بہتر بنا لیے اور مصری پولیس نے خفیہ ریکارڈ میں مذکور تمام افراد کو گرفتار کرلیا۔ ان سے کی گئی پوچھ گچھ سے اسرائیلی رپورٹ کے مندرجات کی بڑی حد تک تصدیق ہوگئی۔ قاہرہ میں معاملے کو خفیہ رکھا گیا۔ لیکن اخبار میں صرف اتنی خبر آسکی کہ متعدد افراد کو ملک کی سالمیت کے خلاف سازش کے الزام میں پھانسی دے دی گئی ہے۔

اس کے ایک ہفتے بعد جولائی 1977ء میں صدر سادات نے سرحد پر فوجیں جمع کرکے لیبیا پر حملے شروع کرادیئے' جو اس امر کا اعلان تھا کہ کرنل قذافی کی سازش بے نقاب ہوچکی ہے اور حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ ناکام بنا دیا گیا ہے۔ یہ حملے چھ دن جاری رہے ان میں تبروک کے جنوب میں الایدم تک فضائی حملے بھی شامل تھے۔

دریں اثنا مصر اور اسرائیل کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے شاہ حسن کی وساطت سے جو سفارتی کوششیں کی جارہی تھیں موساد کے انکشافات نے انہیں مزید مؤثر بنا

دیا تھا۔ صدر سادات نے مسٹر بیگن سے خفیہ ملاقات کے لیے حامی بھرلی۔ یہ ملاقات اگست 1977ء میں بخارسٹ میں بیگن کی آمد کے موقع پر ہوئی جہاں مصر کا پارلیمانی وفد رومانیہ کے صدر چاؤشسکو سے ملنے آیا ہوا تھا۔

موساد سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ مصر اور اسرائیل کے درمیان اس اعلیٰ سطح کے رابطے کے بارے میں امریکہ کو دھوکے میں رکھے۔ جہاں تک اسرائیلی گورنمنٹ کا تعلق تھا' اس کے لیے فی الحال کافی خطرے موجود تھے۔ وہ عربوں کے بارے میں سخت گیر رویے کی بنا پر برسراقتدار آئی تھی ملک میں اس کا حلقۂ انتخاب اس بات پر کبھی خوش نہیں ہوسکتا تھا کہ بیگن نرم پڑچکا ہے اور مصالحت کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور اگر اس کی یہ کوششیں ناکام ہوجائیں تو اشتعال بھی پھیل سکتا تھا۔ بیگن کو اپنی خفیہ ڈپلومیسی کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اس کے خفیہ رہنے میں ہی اس کی خیریت تھی۔ کسی راز کو راز میں رکھنے کے معاملہ میں امریکہ کا ریکارڈ چنداں قابل رشک نہیں تھا۔ مصر اور اسرائیل کی مصالحتی کوششوں کا قبل از وقت افشا ہی ان کی کامیابی کو مشکوک بنا سکتا تھا۔ اسرائیل میں یہ شبہ پایا جاتا تھا کہ امریکہ جو مصر سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کے لیے بے چین ہورہا ہے وہ اسرائیل اور مصر کے درمیان پیار کی پینگوں پر ہرگز خوش نہیں ہوگا کیونکہ اس سے اسے طاقت کا توازن بگڑنے کا خدشہ تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر معاملے کو اخفا میں رکھنا' بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ موساد نے وزارت خارجہ کے شعبۂ خصوصی تعلقات سے مدد طلب کی جو ان ممالک سے رابطہ رکھتا ہے جن میں اسرائیل کے سفارت خانے نہیں ہیں۔ یہی شعبہ مصری حکام سے روابط بڑھا رہا تھا۔ اس موقع پر انٹرنیشنل اٹامک سنٹر کے سابق مصری ڈیلیگیٹ محمد حسن تہامی کے ساتھ وی آنا میں ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ وہ اس سنٹر کا نائب صدر بن چکا تھا اور مصری خفیہ سروس کا افسر رابطہ بھی تھا۔

وزیر خارجہ اسرائیل موشے دایان نے 16 ستمبر 1977ء کو برسلز میں نیٹو کے سپریم کمانڈر جنرل الیگزینڈر ہیگ سے ملاقات کو محض ایک بہانہ بنایا اور خفیہ طور پر مراکش جا پہنچا۔ جہاں سے وہ سہ پہر کو صابینہ کی فلائٹ کے ذریعہ نیویارک جانے والا تھا۔ برسلز ایئرپورٹ پر اگرچہ موشے دایان اور اس کی بیوی راکیل دونوں ''چیک ان'' ہوئے تھے۔ لیکن نیویارک میں راکیل اکیلی پہنچی۔ وہاں سے پرواز سے چند لمحے قبل ایک کالے رنگ کی ''سٹرون 2 سی وی'' کار طیارے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ جنرل دایان بھیس تبدیل کرکے کالا چشمہ آنکھوں پر

چڑھائے اور سر پر ہیٹ رکھے فوراً اس میں بیٹھ گیا اور ایک اور رن وے پر جا پہنچا جہاں مراکش ایئر فورس کا طیارہ اسے طنجہ لے جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ طنجہ میں اس نے تنہائی سے ملاقات کی جس نے تصدیق کی کہ انور سادات اسرائیل جانے کے لیے تیار ہے مگر ایک شرط ہوگی۔ وہ یہ کہ اسرائیل سینائی سے اپنی فوجیں نکالنے پر رضامند ہو جائے۔ اگلے روز دایان پیرس میں تھوڑی دیر کے لیے نمودار ہوا پھر نیویارک روانگی سے قبل تل ابیب واپس آیا تاکہ اسرار کے پردے کو مکمل کر سکے۔

نومبر کے اوائل میں جب صدر سادات نے اعلان کیا کہ وہ یروشلم جانے کے لیے تیار ہے' سی آئی اے کو اس سے پہلے سے معلوم تھا کہ اب تک کیا ہوتا رہا ہے۔ اس اعلان کے دس دن بعد مصری لیڈر اپنے تاریخی دورے پر روانہ ہو گیا جس سے دونوں ملکوں کے درمیان ایک ایسا دور شروع ہو گیا جسے اگر دوستی نہیں کہا جا سکتا تو دشمنی کا خاتمہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ موساد کے افسر جو اس سے پہلے مصر کو اسرائیل کا سب سے بڑا دشمن سمجھنے کے عادی ہو چکے تھے' صدر سادات کے امن کے ''علمبردار'' روپ کو دیکھ کر مزید شبہات میں مبتلا ہو گئے اور اسے نئی چال سے تعبیر کرنے لگے۔ تاہم مصالحتی کی کوششیں چونکہ شروع ہو چکی تھیں اس لیے اسرائیلی انٹیلی جنس نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصری خفیہ سروس ''مخابرات'' سے مفید تعاون کے لیے رابطے کچھ عرصہ پہلے سے قائم کر لیے تھے۔ اس کے جو افسر اپنی بیشتر زندگی ''مخابرات'' کے مقاصد کو سمجھنے میں صرف کر چکے تھے اور عرب دنیا کے بارے میں بے حد متجسس تھے' انہیں اچانک قاہرہ میں زندگی گزارنے کا موقع ملا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ تاہم سابق دشمن کو دوست کے روپ میں پانا جہاں ان کے لیے باعث حیرت تھا وہاں ایک چیلنج بھی تھا۔

موساد کی اوچھی حرکتیں:

موساد کے کچھ لوگ ان دنوں امریکہ میں بھی سرگرم عمل تھے۔ وہاں ان کا نشانہ اقوام متحدہ میں امریکہ کا سفیر اینڈریو ینگ تھا جو فلسطینی کاز کی بڑھ چڑھ کر حمایت کر رہا تھا اسرائیل کی پالیسی تھی کہ ہر ایسے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے جس کے نتیجے میں امریکہ کو تنظیم آزادئ فلسطین (پی ایل او) کو تسلیم کرنا پڑ جائے۔ مسٹر ینگ کی سرگرمیاں اسی سمت میں تھیں۔ موساد کے سربراہ اسحاق ہوفی نے ینگ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی ایک سازش تیار کی جس کی اس نے وزیراعظم سے منظوری بھی لے لی۔ 1979ء میں اسرائیلی ایجنٹوں کو اپنے دو ذرائع

سے پتہ چلا کہ ینگ اس موضوع پر اقوام متحدہ میں فلسطینی نمائندے زاہدی لبیب کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے والا ہے اس کے لیے نشست کا اہتمام اقوام متحدہ میں کوبتی نمائندے نے کیا ہے۔ چنانچہ موساد کا ایجنٹ گفتگو کو ریکارڈ کرنے کے لیے پہلے ہی تقریب میں پہنچ گیا۔

اسرائیلی ایجنٹ نے ان کے تبادلۂ خیال کی ریکارڈنگ امریکی جریدے ''نیوز ویک'' کو پہنچا دی۔ مسٹر ینگ نے پہلے تو ایسی کسی ملاقات سے انکار کیا' لیکن جب جریدے نے زور دیا تو اس کا انکار' اقرار میں بدل گیا۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنی ملازمت کھو بیٹھا۔ کیونکہ اس غیر محتاط گفتگو سے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ تنظیم آزادئ فلسطین کو ایک لحاظ سے تسلیم کیا جا چکا ہے جبکہ امریکی انتظامیہ کی اس سٹیج پر یہ پالیسی نہیں تھی۔ یہ ڈس انفارمیشن پھیلانے کی ایک نئی تیکنیک تھی جس میں موساد نے خوب مہارت حاصل کر لی اور اس کے ذریعہ اس نے امریکنوں اور فلسطینیوں کے مابین بڑھنے والے اس رومانس کو ابتداء ہی میں ناکام بنا دیا جو اس کے خیال میں اسرائیلیوں کے دوررس مفادات کے لیے مضر تھا۔ اسرائیل کے اس آپریشن کو مکمل طور پر کامیاب قرار دینا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ جب موساد کی یہ حرکتیں مشہور ہو گئیں کہ یہ لوگ نیویارک میں سرگوشیاں سننے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں تو پھر یہ قیاس آرائیاں ہونے لگیں کہ اسرائیلیوں کا آئندہ نشانہ کون کون ہو سکتا ہے۔ ٹائم میگزین نے دعویٰ کیا کہ موساد نے واشنگٹن میں ان حرکتوں میں روسی خفیہ ایجنسی ''کے جی بی'' کو بھی مات دے دی ہے۔ اس سے امریکہ میں ''ایک فارن سروس'' کی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات کا انبار لگ گیا۔ موساد نے فوراً مسٹر ینگ کے معاملے میں ملوث ہونے کی تردید کر دی مگر امریکہ کے شبہات کو دور کرنے میں ناکام رہی۔

اسرائیل کا یہی رجحان کہ کسی نے پی ایل او سے گفتگو کرنے کی طرف ذرہ سے بھی میلان کا اظہار کیا' یہ اس سے بدگمان ہو گیا' اس کے لیے بڑی پیچیدگیوں کا سبب بنا رہا۔ جس حلیف پر بھی اسے پی ایل او سے مذاکرات یا رابطے کا شبہ ہوتا یہ اس سے بدک جاتا۔ اس کا یہ رویہ مغربی جرمنی سے اس کے دوستانہ تعلقات کی راہ میں بھی رخنہ بنا رہا۔ اس سے دونوں ملکوں کو سفارتی تبادلوں اور خفیہ سروسز کے مابین رابطوں میں مشکلات پیش آتی رہیں۔ ایک خاص عمر کے اسرائیلیوں کے ذہنوں پر جرمنی کا وہی تصور مسلط رہا جو 1935ء سے 1939ء تک کے زمانے میں یہودیوں کے قتل عام کی وجہ سے قائم ہوا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہاں ایک جمہوری اور آزاد خیال مملکت معرض وجود میں آ چکی تھی' جس نے ان سے بڑی فیاضی اور رواداری کا

رویہ اختیار کیے رکھا' پرانے زخم مندمل نہ ہو سکے۔ لبرل ذہن کے جرمنوں کی طرف سے فلسطینی کاز کی طرف ہمدردانہ میلان سے اسرائیل ہمیشہ شاکی رہا۔ مغربی جرمنی نے جب فلسطینیوں کے حق خودارادیت کے اصول کی حمایت کی تو اس پر برہمی کا اظہار کرنے والوں میں موئشے دایان واحد یہودی نہیں تھا۔ ساری یہودی آبادی سیخ پا ہو چکی تھی۔

1970ء کے عشرے میں جب مشرق وسطیٰ کے تربیتی کیمپوں میں پہلی بار جرمن دہشت گرد نمودار ہوئے اور "بادر مینہوف" نے فلسطینیوں کے ساتھ مل کر اپنے نیٹ ورک قائم کر دیئے تو بین الاقوامی دہشت گردی عروج پر پہنچ گئی۔ اس پر موساد کو جرمنوں کی انسداد دہشت گردی سروسز کی مدد کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا یوں یورپ میں "پولیس کوآپریشن" قائم ہو گیا۔ کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ "بی کے اے" اور "بی ایف ڈبلیو" میں دہشت گردوں کی سرگرمیوں کی رپورٹوں کی بھرمار ہونے لگی۔ ہائی جیکنگ کے منصوبوں کی بھی قبل از وقت اطلاعات آ رہی تھیں اور جرمن دہشت گرد گروپوں میں عرب ایجنٹوں کی موجودگی کی بھی مذمت ہونے لگی تھی۔

جب تک فرانس کا صدر ڈیگال' اسرائیل کی جارحانہ پالیسیوں پر معترض نہیں ہوا تھا' موساد کے لیے فرانس کا تعاون بہت بڑی نعمت تھا۔ پیرس' یورپ میں اس کا ہیڈ کوارٹر بنا ہوا تھا۔ یہ اسرائیلی سفارت خانے کے اندر تھا۔ سفارت خانہ' شانزے لیزے سے ذرا فاصلے پر ریور بالیز میں قائم تھا۔ وہیں اس کے "کولیکشن" ڈیپارٹمنٹ اور "پولیٹیکل ایکشن اینڈ لیزان" ڈیپارٹمنٹس کے علاقائی ناظمین کے دفاتر تھے۔ چھ روزہ جنگ چھڑنے سے پہلے موساد اپنے وسائل بڑی چابکدستی کے ساتھ فرانس سے حاصل تعاون و حمایت کو مضبوط بنانے پر صرف کر رہی تھی۔ جس سیکرٹ آرمی "او اے ایس" نے الجزائر پالیسی کی مخالفت کے سلسلے میں صدر ڈیگال کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی اس نے اس بنا پر اسرائیل کی حمایت کرنے کی کوشش کی تھی کہ دونوں مشترکہ طور پر عربوں کے دشمن تھے۔ موساد کے "او اے ایس" کے ساتھ یقیناً روابط تھے لیکن جب اس نے صدر ڈیگال کو قتل کرنے کی کوشش کی تو موساد نے اس کے منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے اپنے تمام وسائل صرف کر دیئے۔ اس مدد پر بھی صدر ڈیگال خوش نہ ہوا اور نہ ہی پہلے کی طرح کا تعاون بحال ہو سکا۔ بلکہ الٹا اس نے موساد پر سیکرٹ آرمی کی مدد کرنے کا الزام لگا دیا اور موساد کے لیے اپنی پوزیشن کی صفائی پیش کرنا ناممکن ہو گیا۔

موساد کو اپنے غیر ملکی روابط کے سلسلے میں سب سے زیادہ مشکل سوویت یونین اور

اس کی خفیہ سروس "کے جی بی" کے ہاتھوں پیش آئی' مشرق وسطیٰ کے پچھلے دو عشروں کے واقعات گواہ ہیں کہ سوویت یونین عربوں کا زبردست حامی رہا ہے اور انہیں کثیر مقدار میں اسلحہ فراہم کرتا رہا ہے۔ دوسری طرف وہ انہی کی وجہ سے اسرائیل کا بدترین دشمن بنا رہا ہے۔ روس ماضی میں بھی یہودیوں پر شدید مظالم ڈھاتا رہا تھا اور انہیں نقل مکانی کرنے کی اجازت دینے پر تیار نہ تھا۔ صرف ان کی ایک معمولی تعداد کو بڑی مشکل سے اجازت دینے پر راضی ہوا تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حالیہ تاریخ' ماضی سے مختلف تھی۔ روس ان ملکوں میں شامل تھا جنہوں نے سب سے پہلے اسرائیل کی نئی ریاست کو تسلیم کیا تھا۔ روسی اس بات سے آگاہ تھے کہ اسرائیل کے بہت سے ممتاز لیڈر یا تو روس میں پیدا ہوئے یا سوویت ایمپائر کی یورپین ریاستوں میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مشرقی یورپ کی زبانیں بولتے اور مشرقی یورپ کی ثقافت کو سمجھتے تھے اور شروع شروع میں کریملن کے حکام اپنے اس یقین کا اظہار کیا کرتے تھے کہ ایک سوشلسٹ سٹیٹ آف اسرائیل قائم ہو جائے تو وہ مشرق وسطیٰ میں روس کی نہایت مفید حلیف ثابت ہو سکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت روسیوں نے اسرائیلی ٹریڈ یونینوں اور بائیں بازو کے سیاسی گروپوں میں کافی عمل دخل حاصل کر لیا تھا۔ یہ توقع اور خواہش تو یقیناً پوری نہ ہو سکی لیکن کچھ عرصہ ان کی یہ آس معقول ہی دکھائی دیتی رہی کہ کبیوتس اور مشترکہ زرعی معیشت کے تجربات سے انتہائی بائیں بازو کے رجحانات فروغ پاتے پاتے کمیونسٹ اسرائیل کے قیام پر منتج ہو سکتے ہیں۔ شروع کے ایام میں کمیونزم پر ایمان رکھنے والے اسرائیلیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ ان میں سے بعض "کے جی بی" کے لیے کام کرنے پر بھی راضی ہو گئے تھے۔ "اسرائیل بیر" ڈیوڈ بن گورین کا نہایت گہرا اور معتمد ترین دوست تھا جس نے روسیوں کے لیے "کیبنٹ پیپرز" فراہم کیے تھے۔ اسی طرح پروفیسر کرٹ سیٹی کا کیس سامنے آیا تھا جو حیفہ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں ایٹمی طبیعیات کے ماہر کے طور پر تعینات تھا اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ سوویت ایجنٹ تھا۔

روس عرب دوستی کا راز:

1960ء کے عشرے میں سوویت لیڈر شپ کو جب محسوس ہوا کہ تیل کے بڑے ذخائر تو مسلمان ملکوں کے پاس ہیں تو اس نے آدرشوں کی سیاست چھوڑ کر مادی مفادات کی خاطر الٹی زقند لگا دی۔ بجائے اس کے کہ وہ اسرائیل کے کمیونزم کا گڑھ بننے کا انتظار کرتی اس

نے عربوں کی آزادی کی تحریکوں کی بھرپور پشت پناہی کرنا شروع کر دی۔ چھ روزہ جنگ کے بعد 1967ء میں روسیوں نے یروشلم میں اپنا سفارت خانہ بند کر کے اسرائیل سے اپنے تعلقات ختم کر لیے۔ البتہ دونوں ممالک نے موساد کے ذریعہ روابط برقرار رکھے۔ اگرچہ اس موضوع پر اخفا کے کئی پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن اس امر کے کئی اشارے ملتے ہیں کہ اس نے اپنی پس پردہ ڈپلومیسی کے تحت روس کے متعدد اداروں کے ساتھ اپنے طور پر روابط قائم کیے۔ اس نے اپنے یہودی بھائیوں کی خاطر کئی دوسرے ممالک سے جو در پردہ تعلقات عرصہ سے قائم رکھے تھے' وہ روس کے ساتھ کیوں نہ قائم کرتی؟ مثال کے طور پر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "انسٹی ٹیوٹ" نے اپنے یہودی بھائیوں کو اسرائیل میں لانے کے لیے یمن اور شمالی افریقہ سے سودابازی کی تھی تو سوویت یونین کے ساتھ اسی نوعیت کی سودابازی کرنے میں کیا مضائقہ تھا۔ عربوں کے ساتھ روسیوں کے تعلقات گہرے ہو جانے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ موساد اپنا اصل مشن ترک کر دیتی۔

"موساد" اور "کے جی بی" کے در پردہ روابط کی صرف ایک شہادت 1989ء میں چھپنے والی ایک خودنوشت سوانح — "دی وائپرس" ("زہریلا سانپ") میں منظر عام پر آئی۔ اس کا مصنف "ہارون موشل" ہے جو موساد کا ایجنٹ رہ چکا تھا اور آج کل مغربی جرمنی میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے' مصنف کے مطابق وہ ایک خاصے عرصہ تک جرمن نیشنل سوشلسٹ (Neo-Nazi) گروپوں میں "در پردہ جاسوس" (Mole) کے طور پر کام کرتا رہا تھا۔ اسے 1963ء میں ایک دفعہ چھٹی کے روز اچانک واپس بلا کر بیروت پہنچنے اور برطانوی غدار "کم فلبی" (Kim-Philby) سے رابطہ قائم کرنے کا حکم دیدیا گیا۔ یہ "کے جی بی" کے لیے بطور ڈبل ایجنٹ کام کر رہا تھا۔ اسے یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ برٹش انٹیلی جنس اسے عنقریب گرفتار کرنے والی ہے۔ اگر اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے تو بتائے۔

اس کتاب سے کچھ سراغ ان اسباب کے بھی ملتے ہیں جن کی بنا پر "انسٹی ٹیوٹ" برطانیہ کی بجائے روسیوں کے لیے کام کرنے لگی تھی' حالانکہ اس وقت برطانوی سیکرٹ سروس "M16" صرف اپنے ایک غدار کو لندن واپس بلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اہارون موشل بتاتا ہے کہ:

— "میں مغربی بیروت میں کموڈور ہوٹل میں اپنے ٹھکانے پر موجود رہتا تھا جہاں سے میں دن میں کئی بار فلبی کے اپارٹمنٹ کے چکر کاٹتا تھا

تاکہ اس کی نگرانی کرتا رہوں۔ ایک بار میں اس سے اس وقت ملا جب وہ تنہا بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا اور مجھے یہی جملہ کہنے کے لیے ہدایت دی گئی تھی — "میں کوہلمین کی طرف سے آداب و تسلیمات پہنچانے آیا ہوں"۔ فلبی اس جملے میں ملفوف پیغام کو فوراً سمجھ گیا۔ لزل کوہلمین' فلبی کی پہلی بیوی تھی۔ یہ آسٹریا کی رہنے والی عورت یہودن کمیونسٹ تھی — کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ فلبی در پردہ اسرائیل کے مفاد کے لیے بھی کام کر رہا تھا؟۔ کیا وہ اس بے ڈھب طریقے سے ڈبل ایجنٹ کا کام نہیں کر رہا تھا؟"۔

تاہم برطانوی جاسوس نے لبنان سے باہر سمگل ہو جانے کے لیے اس کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے لیے موساد نے اتنی احتیاط سے اہتمام کیا تھا — اس نے جواب دیا:

"— نہیں' ظاہر ہے کہ تم میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں کسی نے بھیجا ہے۔ تم اسے میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ میں اس بات کو نہیں بھولوں گا۔ باقی مسئلہ یہ ہے کہ میں صرف اپنے دوستوں پر انحصار کرنے کو ترجیح دوں گا"۔

بعد ازاں کیم فلبی جنوری 1963ء میں "کے جی بی" کی مدد سے جب بیروت سے فرار ہو کر سوویت یونین پہنچا تو موساد اس کے اختیار کردہ روٹ کی مسلسل نگرانی کرتی رہی۔ اس کی اطلاع کے مطابق۔ "وہ ٹیکسی کے ذریعہ دمشق گیا' پھر وہاں سے روس نواز کرد باغیوں کی زیر حفاظت شمالی عراق کے گاؤں "دوگو بازیت" میں پہنچا' جہاں سے "کے جی بی" کے ایجنٹوں نے اسے اپنی نگرانی میں لے کر سوویت یونین پہنچا دیا۔

فلبی کے پراسرار کیریئر کے اس نازک ترین مرحلے پر اس کے فرار میں موساد کی اتنی گہری دلچسپی سبب یہ بتایا گیا کہ اس نے کچھ عرصہ موساد کے ساتھ بہت قیمتی تعاون کیا تھا۔ غالباً اس نے روس کی سیکورٹی کے ایک شعبے کے اندر اس کی رسائی کرا دی تھی۔ یہ مہا غدار نفسیاتی طور پر اپنے باپ سینٹ جان فلبی کی نفرت کا نشانہ بنا تھا۔ وہ بھی ایک سیکرٹ ایجنٹ تھا اور اپنے دوست ٹی ای لارنس کی طرح عرب تہذیب کے مطالعے کا دلدادہ اور تخیل پرست ادیب تھا۔ سینٹ جان فلبی نظریاتی طور پر انتہائی دائیں بازو کے خیالات کا حامی تھا' اپنے

نازی نواز خیالات اور یہود دشمن میلانات کا کھلم کھلا اظہار بھی کر دیتا تھا' اس کی یہ سوچ' اس کے بیٹے کم فلبی پر بھی اثر انداز ہوئی جس کی وجہ سے وہ سوویت کمیونزم کا حامی بن گیا۔ تاہم یہ ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ خاندانی تنازعے نے اسے اس حد تک اسرائیل کا حامی بنا دیا ہو کہ وہ اپنے باپ کی مبغوض موساد کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک غیر ملکی نامہ نگار کے طور پر کام کرتے ہوئے اسے اسرائیلی سیکرٹ سروس سے رابطوں کے بہت سے مواقع ملے ہوں جن کی وجہ سے ذاتی دوستیاں بھی قائم ہو گئی ہوں۔

کے جی بی کو اسرائیلی سیکرٹ سروس کے ذرائع سے خفیہ معلومات حاصل ہونے کے کچھ اشارات ''پولارڈ'' کے معاملے سے بھی ملتے ہیں۔ جب امریکی حکام' اسرائیل کے لیے اس کی جاسوسی کے مضر اثرات کا جائزہ لینے لگے تو ان پر — بہت سے انکشافات ہوئے تھے۔ امریکی محکمہ خارجہ کے ایک ترجمان نے 1988ء میں دعویٰ کیا تھا کہ جوناتھن پولارڈ نے ترکی' پاکستان اور سعودی عرب کے اسلحہ اور دفاعی ٹیکنالوجی سے متعلق بہت سی معلومات سوویت یونین کو منتقل کر دی تھیں اگر ایسا تھا تو وہ اسرائیلی انٹیلی جنس کے اندر موجود — ''مول'' (در پردہ کارندے) نے ہی پہنچائی ہوں گی۔

اس کی ایک اور وضاحت جس کی تائید امریکی تجزیہ کار کرتے ہیں' یہ ہے کہ روس کو یہ خفیہ معلومات اس سودا بازی کے جزو کے طور پر فراہم کی گئی ہوں گی جس کے ذریعے وہ مزید روسی یہودیوں کو رہا کرا کر اسرائیل پہنچانا چاہتے ہوں گے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ موساد کو عربوں کے دفاعی راز روس کے ہاتھ فروخت کر دینا کسی تشویش کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔

✿ ✿ ✿ ✿

سی آئی اے کے ساتھ اشتراک

موساد کے جتنے بھی سربراہ ہوئے ہیں وہ دوست ممالک کے ساتھ انٹیلی جنس کے شعبوں میں مضبوط تعاون کے حامی رہے ہیں اور امریکہ کے ساتھ تعاون تو ان کی اوّلین اور اہم ترین ترجیح رہی ہے۔ یہ تعاون کھلے اور خفیہ دونوں طریقوں سے سال ہا سال سے جاری ہے۔ ''موساد'' اور ''امن'' نے امریکہ کے جن شعبوں سے تعاون حاصل کر رکھا ہے ان میں سی آئی اے' ایف بی آئی' ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی' نیشنل سکیورٹی ایجنسی' فارن ٹیکنالوجی ڈویژن اور فارن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سنٹر شامل ہے۔ اگر کوئی دوسرے ممالک ان کی ضرورت پوری کر سکتے ہوں تو انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ فرانسیسی انسداد جاسوسی کے شعبے ''ڈی ایس ٹی'' (Direction de La Surveillance du Territoire) کو غیر ملکی جاسوسوں کو پکڑنے کا جو تجربہ حاصل تھا اس نے اس سے شین بتھ اور موساد دونوں کو مستفید کیا ہے۔

امریکہ میں اس اہم شعبے کا بانی جیمز جیزز اینگلٹن تھا۔ وہ ایک دبلا لمبا اور اپنے آپ میں مگن قسم کا آدمی تھا لیکن جاسوسی کے فن سے بے حد دلچسپی رکھتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ نئے قائم ہونے والے تزویری حکمت عملی کے شعبے "OSS" (Office of Strategic Service) میں کام کرتا رہا جو آگے چل کر سی آئی اے بن گیا۔ اینگلٹن نے لندن میں زیر زمین کام کرنے والے یہودی لیڈروں سے رابطے قائم کیے۔ بعد ازاں جب اس کا روم میں تقرر ہوا تو اسے یہ کام سونپا گیا کہ جنگ میں تباہی کے کنارے پہنچے ہوئے اٹلی کو کمیونسٹوں کے قبضے میں نہ جانے دے۔ وہ یہودیوں کے خفیہ کارندوں کے ساتھ مل کر بھی کام کرتا رہا جو بعد میں نئی قائم ہونے والی اسرائیلی مملکت کی انٹیلی جنس سروس کے اوّلین سینئر افسروں میں شمار ہونے لگے۔ 1945ء میں ''او ایس ایس'' ختم کر کے اس کی

جگہ سی آئی اے (کریمینل انویسٹی گیشن ایجنسی) قائم کردی گئی تو اینگلٹن اس میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ بعدازاں وہ شعبہ انسداد جاسوسی (کاؤنٹر انٹیلی جنس سٹاف) کا سربراہ بن گیا۔ اس حیثیت سے اس نے اپنے سابق اسرائیلی دوستوں سے تجدید روابط کی اور امریکہ اور اسرائیل کی انٹیلی جنس سروسز کے مابین قریبی تعاون کا اہم ترین ستون بن گیا۔ اسے اپنے ملک کو بیرونی جاسوسی سے بچانے اور ان کے کارندوں کو پکڑنے میں خصوصی دلچسپی تھی۔ روسی خفیہ ایجنسی ''کے جی بی'' کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے جال پر اس کی خصوصی نظر تھی' دوسرے ہموطنوں کی طرح قدرتی طور پر وہ بھی اپنے ملک کو اس کے داؤ پیچ سے بچانا چاہتا تھا' اسے یقین تھا کہ اس کام میں اسرائیل بہت مفید کردار ادا کرسکتا ہے کیونکہ اس کے شہریوں کو روس میں جن نامساعد حالات اور ہر وقت کی پکڑ دھکڑ سے دوچار رہنے کا تجربہ حاصل تھا وہ اس کے بے حد قیمتی حلیف ثابت ہوسکتے ہیں' بشرطیکہ وہ انہیں اپنا ہمنوا بنا سکے اور اپنے کارڈز صحیح طور پر کھیل سکے۔

موساد کے ساتھ اس کی دوستی بڑی مفید رہی' بالخصوص اپریل 1956ء میں سی آئی اے کو اس سے بے حد فائدہ پہنچا تھا۔ سوویت یونین کی چند ایسی دستاویزات موساد کے ہاتھ لگ گئی تھیں جن میں کمیونسٹ پارٹی کی 20 ویں سالانہ کانفرنس میں خروشیف کی خفیہ تقریر کا ہو بہو متن موجود تھا۔ اس تقریر میں کریملن کے باس نے پارٹی کے لیڈروں کو پہلی بار آنجہانی سٹالن کی غلط کاریوں اور جرائم سے آگاہ کیا تھا۔ مغرب کو اس وقت اس تقریر کا صرف ایک خلاصہ ہی دستیاب ہوسکا تھا اور ہر ملک کی خفیہ ایجنسی کے اہلکار اس کی زیادہ سے زیادہ تفصیل جاننے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے امریکی سی آئی اے کا سربراہ ایلن ڈلس تو خاص طور پر پوری کی پوری تقریر پر ایک نظر ڈالنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ موساد کے یورپی نیٹ ورک نے خروشیف کی یہ تقریر کیسے حاصل کی تھی اس کا تو کبھی پتہ نہیں چل سکا لیکن اشارتاً صرف اتنا بتایا گیا کہ یہ مشرقی بلاک کے ایک سفارت کار کے ذریعہ موصول ہوئی جس نے موساد کے ہاتھ اس کی کاپی فروخت کردی اور منہ مانگے دام پائے تھے۔ موساد کے سربراہ ایسر ہیرل نے اپنی حکومت کو پروپیگنڈے کا ایک بہت بڑا ہتھیار پکڑوا دیا کہ وہ جس طرح چاہے اسے استعمال میں لائے اور اس عظیم کارنامے سے دنیا کو چونکا کر رکھ دے۔ آخر کافی سوچ بچار اور باہمی مشاورت سے فیصلہ ہوا کہ اسے امریکہ کے حوالے کرکے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے عوض اسرائیل کو امریکہ کے ایسے مواد تک براہ راست رسائی حاصل ہوگئی جو پہلے صرف سی آئی اے کی وساطت سے ممکن تھی۔ موساد کو یقین ہوگیا کہ وہ امریکیوں کے

ساتھ اس دوطرفہ منافع بخش تجارت کو جتنا چاہے گی وسعت دے سکے گی۔

1957ء میں اینگلٹن نے موساد کے ساتھ معاملات طے کرنے کے لیے سی آئی اے میں ایک خصوصی رابطہ یونٹ قائم کردیا جسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ دونوں ملکوں کے لیے مشرق وسطیٰ سے خفیہ اطلاعات حاصل کرے۔ جوں جوں سرد جنگ بڑھتی رہی امریکہ خوش ہوتا رہا کہ اسے چند مراعات کے بدلے' موساد سوویت یونین کے اندر کی بیش قیمت معلومات فراہم کررہی ہے۔ چند سال کے اندر دونوں حکومتوں نے رازوں کے تبادلے کے لیے ایک باقاعدہ معاہدہ کرلیا۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی نے بھی اسرائیل کو ٹاپ سیکرٹ آلات سپلائی کرنے کی یقین دہانی کرادی جن میں جدید ترین کمپیوٹر بھی شامل تھے۔ یہ کمپیوٹر رمزی تحریروں کا فوراً تجزیہ بھی کرسکتے تھے۔ ساتھ ہی موساد کے عملہ کو ان آلات کو استعمال کرنے کی تربیت دینے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ لیکن اینگلٹن کے زیادہ اختیارات کی وجہ سے سی آئی اے کے اندر اس کے بہت سے دشمن بھی پیدا ہوگئے۔ نوجوان آفیسر اسے ''بے ڈھنگا اور پرانا سکی'' آدمی کہتے۔ اس کا سب سے بڑا حریف ولیم کولبی تھا۔ اور جب 1974ء میں کولبی' ایجنسی کا ڈائریکٹر بنا تو اس نے اینگلٹن کو نہ صرف کاؤنٹر انٹیلی جنس کمان سے فارغ کیا بلکہ برطرف بھی کردیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا قائم کردہ ''اسرائیل ڈیسک'' ختم کرکے اس ملک کے امور سے متعلقہ ذمہ داریاں ایجنسی کے ریجنل ڈائریکٹر کو سونپ دیں۔ سی آئی اے نے وقتی طور پر خود کو موساد سے دور کردیا' حتیٰ کہ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر از خود آپریشنز بھی شروع کردیئے۔

1975ء میں جب تیل کا بحران گہرا ہوگیا اور امریکہ میں یہ احساس شدت اختیار کرگیا کہ مغرب کی معیشت کا سارا دارومدار مشرق وسطیٰ کے تیل پر ہے تو سی آئی اے نے عرب ریاستوں کے ساتھ اپنے روابط مضبوط تر بنانا شروع کردیئے۔ سعودی عرب' چونکہ تیل کے ذخائر میں سب سے بڑھ کر تھا اور ہتھیاروں اور ٹیکنالوجی کی برآمد کے لیے بھی بڑی مارکیٹ تھا' اس کے ساتھ دوستی بڑھانے پر زیادہ توجہ دی گئی۔ قاہرہ دوبارہ سفارتی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا تھا۔ صدر سادات چونکہ امریکہ کی مدد سے برسراقتدار آیا تھا اس نے دیگر عرب ممالک کی بہ نسبت زیادہ معتدل اور نرم پالیسی اختیار کرلی۔ امریکیوں نے مشرق وسطیٰ کے سیاسی حل کے لیے توقعات قائم کرلیں اور عربوں کو اسرائیل کے خلاف جنگ کی کوششوں سے باز رکھنے کے لیے اس ملک کی فوجی قوت سے ڈرایا اور یہ خبر بھی بڑی ہوشیاری سے پھیلا دی کہ اسرائیل کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

واٹرگیٹ سکینڈل اسرائیل کی سوچ پر نہایت گہرے طور پر اثرانداز ہوا اور وہ امریکہ کی سیکورٹی کے بارے میں شبہات میں مبتلا ہوگیا۔ موساد کو اس کے اخلاقی پہلو سے غرض نہ تھی۔ وہ اس بات پر متفکر ہوگئی تھی کہ سی آئی اے کے ساتھ اس کے جو معاملات انتہائی رازدارانہ نوعیت کے ہیں سکینڈل کی تفتیش کے دوران وہ بھی سامنے آگئے ہیں۔ چنانچہ موساد خفیہ آپریشنوں کے سلسلے میں احتیاطاً امریکیوں کو اعتماد میں لینے سے گریز کرنے لگی۔ اس کے سربراہ مائرامیت نے برملا کہا ''واٹرگیٹ سکینڈل کے بعد امریکہ کی ساری سیکرٹ سروس بے نقاب ہوگئی ہے۔ ہمارے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ یہ انہی لوگوں کے ساتھ مل کر کیا جاسکتا ہے جو کسی حد تک رازداری کی گارنٹی دے سکتے ہوں۔ اگر ہم نے 1976ء میں سی آئی اے کو اطلاع دینا ہوتی تو شاید ہم پریس کانفرنس کے ذریعہ اسے مطلع کرتے۔''

وزیراعظم اسرائیل مناخم بیگن جولائی 1977ء میں امریکہ کے دورے پر گیا تو اس نے امریکی صدر کارٹر کو ایک فائل دی جس میں موساد کی طرف سے سی آئی اے کو سال ہا سال سے فراہم کردہ اطلاعات کا ریکارڈ تھا۔ اسے تعاون کی یہ طویل فہرست پیش کرتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا تھا' اس میں کچھ ایسی باتیں بھی تھیں جن کے بارے میں خود اسے ابھی ابھی پتہ چلا تھا کیونکہ یہ اس دور سے تعلق رکھتی تھیں جن میں وہ اپوزیشن میں ہوتا تھا' یہ فہرست پیش کرنے کا مقصد دونوں ایجنسیوں کے درمیان ماضی کے پرجوش تعاون کا ریکارڈ دکھا کر اسے متاثر کرنا تھا کہ تعلقات میں سردمہری زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہنی چاہیے۔ امریکہ میں یہودی لابی نے بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا کہ اسرائیل کو بحراوقیانوس کی اس جانب کے حلیف کی مضبوط پشت پناہی بدستور حاصل رہنی چاہیے۔ علاوہ ازیں اسرائیلیوں کے پاس بہت سی اور خفیہ معلومات بھی تھیں جو وہ اسے پیش کرنے کے متمنی تھے۔ اسرائیل کو امریکہ کی سرگرم حمایت اس لیے درکار تھی کہ عرب ممالک کو روس کا جدید ترین اسلحہ مسلسل مل رہا تھا اور میدان جنگ میں اس کے قبضے میں آئے ہوئے اسلحہ کی جانچ پڑتال کے دوران کئی اہم فوجی معلومات اس کے علم میں آئی تھیں جنہیں امریکہ کے حوالے کرکے وہ اپنی پوزیشن مضبوط بنانا چاہتا تھا۔ جب میں نے یوم کپور کے بعد ہونے والے سیزفائر کے فوراً بعد جنرل اسحاق ہوفی کے ہیڈکوارٹر میں اس کا انٹرویو کیا تو اس نے روسی ٹینک ''ٹی 72'' کا مینوئل میز پر پھینک کر ازراہ مذاق پوچھا— ''کیا اس کی ایک کاپی لینا پسند کرو گے؟''۔ میں نے جواب دیا یہ میرے کام کی نہیں۔ اس نے کہا— ''میں ان بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو فوراً اس پر جھپٹ پڑیں گے۔'' اگر مناسب

قیمت مل جاتی تو اسرائیلی انٹیلی جنس امریکی ٹیکنیشنوں کو پکڑے ہوئے ہتھیاروں کے سسٹمز کی جانچ پڑتال کا موقع دینے پر بالکل تیار تھی۔ تاہم امریکیوں نے اس کے بدلے اسرائیل کو ان ہتھیاروں کی کارکردگی کے بارے میں اپنا ''تجزیہ''—(Data Analysis) دے دیا جو اس نے اپنے اعلیٰ درجے کے الیکٹرانک سسٹم کی مدد سے کیا تھا۔

1967ء کی چھ روزہ جنگ اور بعدازاں 1973ء میں یوم کپور کے معرکہ کے بعد اسرائیل نے امریکہ کو نئے روسی میزائلوں کے نمونے فراہم کردیئے۔ ان میں فضا سے زمین اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے' دونوں میزائل شامل تھے۔ اس نے ٹینک شکن ہتھیار اور بھاری توپ خانے کے اہم اجزاء بھی تفصیلی جانچ پڑتال کے لیے بحراوقیانوس پار پہنچا دیئے تھے۔ امریکی فوجی ماہرین اور منصوبہ ساز' 1973ء کی جنگ میں شام اور مصر کے استعمال کردہ ٹی-72 ٹینکوں کے اہم پرزوں تک رسائی پانے پر بے انتہا خوش ہوئے۔ اس سے انہیں جو بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں ان میں ایک انفارمیشن یہ بھی تھی کہ ان میں جراثیمی جنگ کے خلاف دفاع کے لیے خصوصی فلٹر نصب تھے۔ ان معلومات کی بنیاد پر امریکیوں نے اپنے ہتھیاروں اور طریق حرب میں بڑی مفید اصلاحات کرلیں۔

اسرائیلی اور امریکی خفیہ ایجنسیوں کے مابین معاہدہ میں کئی سخت شرائط تھیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ جب پکڑے ہوئے ہتھیار' بحری جہاز کے ذریعہ امریکہ بھیجے جائیں گے تو اسرائیلی ماہرین بھی ساتھ جائیں گے اور ریسرچ کے دوران بھی موقع پر موجود رہیں گے تاکہ اخذ شدہ نتائج سے باخبر رہ سکیں۔ موساد کو بعض نیٹو ممالک کی انٹیلی جنس سروس کے قابل اعتماد ہونے پر سخت شکوک و شبہات تھے جس کی وجہ سے اس نے امریکہ کو اس امر کا پابند کر رکھا تھا کہ وہ حساس نوعیت کی معلومات اپنے ان اتحادیوں تک نہ پہنچنے دے۔ تل ابیب کے ہیڈکوارٹر کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ روسی ایجنٹوں کو مغربی فوجی اداروں کے اندر رسائی حاصل ہوچکی ہے عین ممکن ہے کہ وہ وہاں سے اسرائیلی اسلحہ اور جنگی حربوں کی اطلاعات اپنے عرب اتحادیوں کو پہنچا دیں۔

1983ء میں امریکی انتظامیہ کو یہ خوف لاحق ہوگیا کہ اسرائیل کی طرف سے گہرے تعاون کی پیشکش اسے طویل عرصہ کے لیے اسرائیلی ماخذوں کا دست نگر بنا کر رکھ دے گی جو اس کے لیے ایک پھندہ ثابت ہوگا۔ یہاں تک نوبت اس وقت پہنچی تھی جب اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم مناخم بیگن نے لبنان پر حملے کے دوران شامی ایئرفورس سے جھڑپوں کے دوران حاصل ہونے والی انتہائی اہم معلومات میں امریکہ کو شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔

اس نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ اسرائیل کی ''ایک ایجاد'' نے اسرائیلی ڈیفنس فورسز کو روسی ساخت کے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کو تباہ کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔ اس نے یہ خفیہ ہتھیار امریکہ کو دینے کی بھی پیشکش کردی۔ امریکی وزیر دفاع کیسپر وئنبرگ کو خدشہ تھا کہ اگر امریکہ نے یہ پیشکش قبول کرلی تو وہ اسرائیلی کاز کی حمایت کے لیے مزید مجبور ہوجائے گا جو اس کے لیے خطرناک ہوگا۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ امریکہ نے اس دوران متذکرہ روسی میزائلوں کو تباہ کرنے کی خود بھی تیکنیک وضع کرلی تھی۔ ادھر مزید اطلاعات آنے لگیں کہ شام' لبنان پر اسرائیلی حملے کے توڑ کے لیے مداخلت کی تیاریاں کررہا ہے اور وہاں صورتحال بہت گھمبیر ہورہی ہے۔ نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے' جس کی مشرق وسطیٰ کے بارے میں اطلاعات ہمیشہ بہت معتبر اور اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں' سفارش کی کہ ہمارا ''جھکاؤ'' اسرائیل کی طرف ہی ہونا چاہیے۔

اسرائیل کو اس وقت لبنان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات درکار تھیں اور وہ صرف جاسوس سیاروں (سیٹلائیٹس) سے حاصل ہوسکتی تھیں جنہیں امریکہ آپریٹ کررہا تھا۔ موساد اور دیگر ایجنسیاں اگرچہ ہمسایہ ممالک کے بارے میں انسانی ذرائع سے معلومات حاصل کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں تھیں لیکن اسرائیل جیسی چھوٹی ریاست' اپنی ایجنسیوں کے لوگوں کو ''خلائی جاسوسوں'' سے مسلح کرنے کی عیاشی کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ تاہم اسرائیل نے دیگر شعبوں میں امریکہ کے لیے بہت سی خدمات بجالانے کے عوض' سی آئی اے کے نئے ڈائریکٹر ''ولیم کیسی'' کو آمادہ کرلیا کہ وہ مواصلاتی سیارہ کے ذریعہ بنائی گئی تصاویر اور دیگر معلومات فراہم کرے گا۔ اس سے پہلے صدر کارٹر کے انٹیلی جنس چیف ایڈمرل سٹینز فیلڈ نے اسرائیل کو ایسے میٹریل کی فراہمی روک دی تھی۔ لیکن 1984ء میں ''امن'' کے سربراہ میجر جنرل یہوشوا سیگائی نے دعویٰ کیا کہ سی آئی اے' اسرائیل کو نہ صرف انفارمیشن بلکہ فوٹوگراف بھی فراہم کررہی ہے۔ اسرائیل' امریکہ کے بلند پرواز جاسوس طیاروں ''ایس آر 71'' کے ذریعہ کھینچی گئی تصاویر اور دیگر معلومات سے بھی مستفید ہوتا رہا۔ یہ طیارے قبرص سے مشرق وسطیٰ پر پروازیں کیا کرتے تھے۔ امریکہ اسرائیل کو یہ معلومات اس لیے فراہم کرتا تھا کہ عربوں اور اسرائیل کے درمیان نئے سرے سے جنگ چھڑنے کے امکانات کم کیے جاسکیں اور اگر کہیں بھی جنگی تیاریاں ہورہی ہوں' ان کی خبر رکھی جائے اور دوسرے فریق کو اپنے دفاع کے انتظامات کا موقع دیا جائے۔

سی آئی اے کا نیا ڈائریکٹر ''ولیم کیسی'' جیمز اینگلٹن کی طرح ''او ایس ایس'' کا سابق عہدیدار تھا اور صدر ریگن کا قریبی دوست تھا اور اس پوزیشن میں تھا کہ اپنے اسرائیلی دوستوں کو جتنا چاہے نوازتا رہے۔ ادھر اسرائیلی انٹیلی جنس برادری میں سیٹلائٹ انفارمیشن کو ''یہودی کا تحفہ'' قرار دیا جانے لگا۔ دوسری طرف امریکیوں میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ ''امن'' اور ''موساد'' کو اتنی فیاضی سے مہیا کی جانے والی معلومات پتہ نہیں کیسے استعمال ہوں؟ کہا جانے لگا کہ مشرق وسطیٰ میں اپنے حلیف کو عربوں کی جارحیت سے اپنا دفاع کرنے کے قابل بنانا الگ چیز ہے اور اسے ایڈوانس انٹیلی جنس فراہم کرکے عربوں پر حملہ آور ہونے کے قابل بنانا' دوسری چیز ہے اور بالآخر وہی ہوا جس کا انہیں خدشہ تھا۔ اسرائیلی ایئرفورس نے خلا سے لی گئی تصاویر کی مدد سے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر حملہ کردیا۔ امریکیوں کو جب اسرائیل کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے ایک طرف اپنی انٹیلی جنس انفارمیشن تک اسرائیل کی رسائی محدود کردی اور دوسری جانب اسرائیل کے ''دفاعی مقاصد'' اور اس کے ''جارحانہ مقاصد'' میں فرق ملحوظ رکھنا شروع کردیا۔ امریکہ اسرائیل کو متحارب عرب ریاستوں کی جنگی تیاریوں سے متعلقہ معلومات مہیا کرنے پر تو تیار رہتا تھا مگر اردن اور مصر کی مسلح افواج کی تیاریوں کی حالت کے بارے میں بالعموم اسے کچھ نہیں دیتا تھا' کیونکہ آخرکار وہ امریکنوں کے حلیف تھے۔

تل ابیب اور یروشلم کے انٹیلی جنس حکام کی اوّلین کوشش تھی کہ ان کا اپنا جاسوس سیارہ (سیٹلائیٹ) ہونا چاہیے جسے وہ خود فضا میں چھوڑ سکیں لیکن یہ کوشش ناکام ہوگئی تو انہوں نے امریکی ایڈمنسٹریشن پر زور دینا شروع کیا کہ امریکی سیارہ جب مشرق وسطیٰ پر سے اپنے مشاہدات کی ترسیل (Transmission) کرتا ہوا گزر رہا ہو تو اسرائیل کو اس تک براہ راست رسائی حاصل ہونی چاہیے۔ یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوسکی۔

اسرائیلی اور امریکی خفیہ ایجنسیوں کے مابین اس مسئلے پر مستقل رسہ کشی موجود رہی۔ مسئلہ یہ تھا کہ امریکی ایجنسیاں اسرائیلی ایجنسیوں کو جتنی سہولتیں دیتی تھیں' یہ اس سے ہمیشہ زیادہ کی طلب گار رہتی تھیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ یہ بالکل یکطرفہ معاملہ تھا۔ بہت سے امور میں امریکن بھی فائدہ اٹھاتے رہے۔ موساد انہیں مشرقی یورپ اور سوویت بلاک کے بارے میں چٹپٹی معلومات مہیا کرتی رہی۔ سوویت یونین سے ہر سال جو یہودی ارض موعود میں پہنچتے تھے' ان سے روس کے بارے میں بہت سی پوچھ گچھ ہوتی تھی اس میں متعدد باتیں امریکہ کی دلچسپی کی حامل ہوتی تھیں چنانچہ موساد وہ معلومات امریکی

ایڈمنسٹریشن کے گوش گزار کردیتی تھی۔ یہ معلومات اگرچہ زیادہ سنسنی خیز نہ ہوتی تھیں لیکن ان سے کیمونسٹ سپر پاور کی تازہ ترین تصویر سامنے آجاتی تھی۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ امریکہ نے دنیا میں جو کامیاب آپریشنز کیے ان میں اسے موساد کی مدد اور تعاون حاصل تھا۔ امریکہ نے روسی ساخت کا بہت سا اسلحہ دوبارہ قابل استعمال بنا کر افغانستان اور وسطی امریکہ میں سپلائی کیا جو اینٹی کیمونسٹ گوریلوں کو اپنی جدوجہد میں کام آیا۔ اسرائیل نے ان گوریلوں کی تربیت اور اسلحہ کی سپلائی میں اس کا ساتھ دیا۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ موساد کو اپنے اصل خطے یعنی مشرق وسطی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہوتیں۔ چنانچہ اس نے امریکہ کو اس خطہ میں ہونے والے واقعات کی قبل از وقت یا بروقت اطلاع دے کر اس کے کام کو آسان بنایا اور اس سے خراج تحسین وصول کیا۔

امریکی ایجنسیوں کو فلسطینی گروپوں کے بارے میں اس کی فراہم کردہ بیش بہا معلومات کی بدولت دہشت گردی کے خلاف مہم میں بڑی مدد ملی۔ 1985ء میں جب ایک فلسطینی گروپ نے اٹلی کا بحری جہاز پکڑ کر اس کے عرشے پر ایک امریکی مسافر کو قتل کیا تو یہ موساد ہی تھی جس نے امریکیوں کو اس جہاز— ''آچل لارو'' کی پوزیشن بتائی۔ اس سے بھی زیادہ مفید اطلاع اس مصری طیارے کے بارے میں دی تھی جس میں وہ قزاق بحری جہاز کو چھوڑنے کے بعد تیونس واپس جا رہے تھے۔ جونہی طیارہ فضا میں بلند ہوا' اسرائیلیوں نے اس کے شناختی نشان اور اس کے روٹ کے بارے میں امریکیوں کو آگاہ کردیا۔ اس سے ذرا پہلے امریکی اس گروہ کا ''ٹریک'' کھو چکے تھے۔ یہ موساد کی انٹیلی جنس ہی تھی جس نے چھٹے بحری بیڑے سے لڑاکا طیارے کو اس کا پیچھا کرنے کے قابل بنایا اور اس نے مصری طیارے کو سسلی میں نیٹو کے ''بیس'' پر اترنے پر مجبور کردیا' نتیجتاً گروہ کا سرغنہ گرفتار کرلیا گیا۔

ہر مغربی انٹیلی جنس ایجنسی مشرق وسطی اور یورپ میں عرب دہشت گردوں کے نیٹ ورک کی نشاندہی کرنے پر موساد کے زیر بار احسان ہے۔ اس کے ایجنٹ' دہشت پسند گروپوں کے اندر گھس کر ان کے حالات معلوم کرنے اور ان کے حربوں کا تجزیہ کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس سے برطانوی' فرانسیسی اور امریکی ایجنٹوں کو حوصلہ ملا کہ وہ دشمن کے اندر پہنچ کر اپنی جگہ بنائیں اور پھر اس پر ضرب لگائیں۔ دہشت گردوں کے خطرے سے نمٹنے کے لیے اسرائیلیوں نے جس ہنرمندی اور جذبے کا مظاہرہ کیا۔ اس کی شاید ہی کوئی اور مثال

موجود ہو۔ موساد کے کارناموں اور قوت عمل سے امریکی سوچ پر گہرے اثرات پڑے۔ اس کا اعتراف امریکی وزیر خارجہ جارج شلز نے جون 1984ء میں اپنے ایک بیان میں کیا۔ جس میں اس نے دہشت گردوں کے خلاف فوجی اقدام کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر تربیت یافتہ انٹیلی جنس نیٹ ورک کے قیام کی ضرورت پر بھی زور دیا:

''دہشت گردی اور اس کے سرپرست ممالک نے دنیا میں جو صورتحال پیدا کی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک خالصتاً اطاعت گزار قسم کی دفاعی فورس کا وجود کافی نہیں۔ اس کے لیے ایک سخت جان اور نسبتاً زیادہ فعال ذریعہ دفاع کی ضرورت ہے جو دہشت گرد گروپوں کے سر اٹھانے سے پہلے ان پر ضرب لگا سکے۔ ہمیں اپنی انٹیلی جنس کی صلاحیتوں اور اس کی قوت عمل کو بڑھانا ہوگا۔ ہمارے لیے انسانی ذہانت خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے۔ ہمارا معاشرہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہوں پہلے اس کا ایک واضح نقشہ مرتب کریں۔ ہمیں سالہا سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ دہشت گردوں پر ضرب کاری لگانے کا بہترین طریقہ ان پر یہ واضح کردینا ہے کہ ایسا کرنے والوں کی لازماً سرکوبی ہوگی۔''

یہ نقطۂ نظر ایک کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا' جس کا اہتمام ''جوناتھن انسٹی ٹیوٹ'' نے کیا۔ یہ ادارہ اسرائیل نے دہشت گردی کے مطالعے اور اس کے انسداد کے لیے قائم کیا تھا اور اس کا نام اینٹیبی ایئرپورٹ پر چھاپہ مار کارروائی کے ہیرو کے نام رکھا گیا تھا۔ (جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔) اس ادارے کا قیام' اسرائیل کی اس سوچ کا آئینہ دار ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے فرسٹ کلاس انٹیلی جنس اور قوت عمل اور قبل از وقت کارروائی کو کتنی اہمیت دیتی ہے۔

اسرائیلیوں کی قائم کردہ نظیر (Precedent) کے کچھ مضر اثرات بھی تھے۔ جو اس وقت سامنے آئے جب وہ امریکہ کے سرکاری عقیدے (ڈاکٹرین) کا حصہ بنے۔ یہاں ہمارا اشارہ 1986ء میں ٹی ڈبلیو اے کے طیارے کو اغوا کرکے بیروت لے جانے کے بعد کی ''سودابازی'' کی طرف ہے۔ امریکی رائے عامہ کو امریکی بحریہ کے ایک غوطہ خور کے حزب اللہ کے دہشت گردوں کے ہاتھوں مارے جانے پر شدید دھچکا لگا تھا۔ وہ اس طیارے پر محض ایک مسافر کے طور پر سفر کر رہا تھا۔ اسرائیل کو ہائی جیکروں کے ساتھ مذاکرات میں' اس لیے

شامل کرلیا گیا تھا کہ انہوں نے اسرائیل میں قید کیے گئے فلسطینیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔ امریکیوں اور اسرائیلیوں کی جانب سے پبلک طور پر بے لچک رویہ اپنائے جانے کے باوجود ہائی جیکروں سے مذاکرات شروع ہوگئے۔ بدقسمت مسافروں کو چھوڑ دیے جانے کے بعد قیدیوں کی رہائی عمل میں آگئی۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ دہشت گردوں کے ساتھ مذاکرات ہوئے۔ اگرچہ وہ پبلک کے سامنے ایسے طرزِ عمل کی مذمت کرتے ہیں لیکن سودا بازی کرلی جاتی ہے۔

ٹی ڈبلیو اے کے واقعہ کے بعد جب حزب اللہ اور دیگر شیعہ تنظیموں کے ہاتھوں بیروت میں یرغمال بنائے گئے امریکیوں اور انگریزوں کی قسمت کا معاملہ اٹھایا گیا تو آرچ بشپ آف کینٹربری کے نمائندے ٹیری ویٹ نے اغوا کنندگان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی ان کا شکار بن گیا۔ ادھر آلیور نارتھ جو خود بھی ٹیری ویٹ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور لبنان میں ایرانیوں سے بھی رابطے میں تھا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ موساد کے ایجنٹوں کے اختیار کردہ راستے پر چل رہے تھے جنہوں نے یہ راستہ بہتر طور پر طے کیا تھا۔ مگر امریکیوں کے مقاصد چونکہ ان کے مقاصد سے کم اہم تھے اور عالمِ اسلام کے ساتھ معاملات طے کرنے کے ان کے طریقے بھی کم یقینی تھے۔ اس لیے یہ ایرانی انقلابیوں سے معاملہ کرنے میں بری طرح پھنس گئے تھے۔

اسرائیلی انٹیلی جنس نے ایران کے ساتھ اسلحے کا خفیہ سودا کرکے ایک بری مثال قائم کی۔ چوری چھپے اسلحہ کی فروخت 1980ء میں امریکی ساخت کے جیٹ لڑاکا طیاروں کے 259 سپیئر ٹائروں کی فروخت سے شروع ہوئی۔ اگلے سال انہوں نے 6 کروڑ ڈالر کے ہتھیار بیچے۔ جب غیر ملکی چارٹرڈ طیاروں میں سے ایک قبرص سے تہران جاتے ہوئے لاپتہ پایا گیا تو اس وقت پتہ چلا کہ یہ تو ان بارہ طیاروں میں سے ایک ہے جو عراق کے خلاف جنگ میں اسرائیل کی طرف سے ایران کے لیے ٹینک کے پرزے اور دیگر ہتھیار لے کر گیا ہے ایسے سودے موساد کی خفیہ تجارت کا صرف ایک حصہ تھے۔

دنیا کے کئی خطوں میں ایسا ہی ہوا' جہاں بھی سی آئی اے پہنچی' وہاں موساد نے بھی چھلانگ لگادی۔ جہاں کہیں بھی اسے اپنا قومی مفاد دکھائی دیا اس کے لیے اس نے ڈکٹیٹروں' موقع پرست جرنیلوں اور حتیٰ کہ ناپسندیدہ ترین حکومت سے بھی سودا بازی کرنے میں کوئی اخلاقی کرب محسوس نہیں کیا جو کوئی بھی ادائیگی کرسکتا تھا وہ اسے خوشی خوشی اسلحہ مہیا کرتی رہی۔ صرف ایک شرط ٹھہراتی تھی کہ معاملہ راز میں رہنا چاہیے۔

مثال کے طور پر اسرائیل نے اقوامِ متحدہ کی طرف سے جنوبی افریقہ کو اسلحہ کی سپلائی کے بائیکاٹ کے اعلان کے باوجود پریٹوریا گورنمنٹ کو چھ جنگی جہاز فراہم کیے۔ اس نے اسے پٹاخین اور سینچورین ٹینکوں کے علاوہ مارٹر اور گیبرائیل راکٹ بھی سپلائی کیے۔ یہ سودے حل ابیب میں کور (Koor) کمپنی اور اس کے ذیلی اداروں ٹیڈیران (Tadiran)' اسکور (Iskoor) اور ٹلکور (Telkoor) کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچائے گئے۔

موساد کا سابق سربراہ مائر امیت 1978ء تک کمپنیوں کے اس بڑے مجموعے (Conglomerate) کا جنرل منیجر ہوا کرتا تھا۔ اسرائیل نے اس اسلحہ کے بدلے جنوبی افریقہ سے یورینیم حاصل کی۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسے صحرائے کالاہاری میں ایٹمی اسلحہ ٹیسٹ کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ ایسے سودوں پر امریکہ سخت برہم ہوا مگر اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا۔

یہ اسرائیل کی عام عادت بن گئی تھی کہ امریکہ جن ممالک کا بھی بائیکاٹ کرتا یہ دھم سے وہاں جا پہنچتا اور انہیں اسلحہ کی سپلائی شروع کردیتا۔ ان میں جن معاملات پر سے پردہ ہٹا ہے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس نے 1976ء میں چلی کو فضا سے فضا میں مار کرنے والے ''سافر'' (SAFIR) میزائل سپلائی کیے۔ پھر جب امریکہ چین سے مصالحت کی پالیسی پر گامزن ہوتے ہوئے 1978ء میں تائیوان کو خطرناک ہتھیاروں کی سپلائی روک دی تو اسرائیل نے اسے 50 ''کفر'' — (KFIR) لڑاکا بمبار فراہم کردیے۔ اس کے انتظامات میں موساد نے سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ اسی سال جب صدر کارٹر نے نکاراگوا میں خانہ جنگی کے باعث ''سموسا'' (SAMOSA) کی حمایت ترک کردی تو اس خلا کو پر کرنے کے لیے اسرائیل آگے بڑھ گیا اور اسے بڑے پیمانے پر اُوزی (UZI) آٹومیٹک ہتھیار اور فوجی ٹرک سپلائی کردیے جس سے نہ صرف خانہ جنگی کے شعلے مزید بھڑکے بلکہ اس کی طوالت بھی بڑھ گئی۔ ایسے ملکوں کو اسلحہ سپلائی کرتے ہوئے اس نے امریکہ کے احتجاج کو سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور اس طرح بدمعاش ملکوں کا باہمی اتحاد قائم کردکھایا۔ 1970ء کے عشرے میں اسرائیل کی اسلحے کی تجارت تین گنا بڑھ گئی جو اس کی صنعتی سرگرمیوں کا نقطۂ عروج تھا۔ موساد اور سائنٹیفک انفارمیشن سروس کے ادارہ لیکم (LEKEM) کے آفیسرز کو ایسے خفیہ سودوں میں امتیازی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہ کام ان کے جاسوسی کی اصل سرگرمیوں کے علاوہ تھے۔ یعنی انٹیلی جنس کے لوگ اسلحہ ڈیلرز کا روپ بھی دھار چکے تھے۔

حصہ ششم

موساد اور ایٹمی اسلحہ

''لیکم''

دنیا بھر میں جو خفیہ ایجنسیاں اپنے اپنے ملک کے لیے صنعتی اور فنی راز باہر سے چوری کر کے لا رہی ہیں' ان میں اسرائیلی انٹیلی جنس' روسی ''کے جی بی'' سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اسرائیلی وزیر دفاع شمعون پیریز نے 1960ء کے عشرے میں سائنسی اور فنی معلومات اکٹھی کرنے کے لیے ایک تنظیم قائم کی تھی جو ابتداء میں ''ایٹمی (نیوکلیئر) انٹیلی جنس باڈی'' کے طور پر قائم ہوئی۔ اس کا سربراہ ''بنیامین پلمبرگ'' تھا۔ یہ سیکورٹی کے امور کا وسیع تجربہ رکھنے والا شخص تھا۔ پھر اسے ''بیورو آف سائنٹیفک ریلیشنز'' کا سربراہ بنا دیا گیا۔ عبرانی زبان میں اس کا نام — ''لیشکت کیشر مداؤ'' بنتا ہے جس کے ابتدائی حروف کو ملانے سے ''لیکم'' بن جاتا ہے۔ ''لیکم'' میں شامل ہونے والے افسروں کو سائنسی اور فنی معلومات (DATA) اکٹھا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی' خاص طور پر ایسی معلومات لانے کے لیے کہا گیا تھا جو دفاعی آلات اور ہتھیاروں کے نظاموں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان میں سے بہت سے لوگ بیرونی ممالک میں بطور سائنس دان یا بزنس مین' چلے گئے' جبکہ بعض کو اسرائیلی سفارت خانوں میں سائنسی اتاشی مقرر کر دیا گیا۔

اس منصوبے کا زیادہ تر کام پردۂ اخفا میں ہے لیکن بعض مقامات پر اس نوعیت کا کام کرنے والے ایجنٹ بے نقاب ہو گئے اور بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکے۔ جبکہ بعض شعبوں میں انہیں توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی۔ اسرائیل کا اپنے فائٹر طیارے بنا لینا' انہی کامیابیوں کا ثمر تھا۔ 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں فضائی جھڑپوں کے دوران اس کے 10 فیصد جیٹ فائٹر تباہ ہو گئے اور اس سے کہیں زیادہ طیاروں کو نقصان پہنچا۔ اس بھاری نقصان کی فوری تلافی کی ضرورت تھی اور بہت سے فالتو پرزے درکار تھے تاکہ جلدی جلدی مرمت کر کے انہیں دوبارہ قابل پرواز بنایا جا سکے۔ مغربی ممالک نے مشرق وسطیٰ کے لیے سامان

جنگ کی برآمد پر پابندی لگا کر یہ کام مشکل بنا دیا تھا۔ فرانس کے صدر ڈیگال نے خاص طور پر اسرائیلی فوج کی طالع آزمائیوں پر اظہار ناپسندیدگی کے لیے اسے میراج لڑاکا بمباروں اور مسٹیئر لڑاکا طیاروں کی سپلائی بہت کم کر دی۔ اسرائیلی فضائیہ فرانس پر بڑا انحصار کرتی آئی تھی۔ یہ اس زمانے کی بات تھی جب دونوں ملک ایک دوسرے کے بہت قریبی حلیف ہوا کرتے تھے۔ اسرائیل نے اگرچہ خود طیارہ سازی کے منصوبے بنائے ہوئے تھے لیکن وہ اس وقت اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ جنگ کے دوران پیدا ہونے والے بڑے خلا کو پُر کر سکتا۔

فرانس کو منانے کی کافی کوشش کی گئی اور اس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے ماہرین بھیج کر خود دیکھ لے کہ حقیقی جنگ میں اس کے طیاروں میں کیا کیا خامیاں پیدا ہوئی ہیں' انہیں دور کرنا اور فالتو پرزے فراہم کر کے نقصان کی تلافی کرنا اس کا فرض بنتا ہے مگر ڈیگال پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسرائیل نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ اس نے سوئس حکومت سے رابطہ قائم کیا جس نے اپنی فضائیہ کے لیے فرانسیسی جنگی طیارے خریدے ہوئے تھے۔ اس نے اسے فوری طور پر 15 کروڑ سوئس فرانک نقد ادا کر کے انجنوں کے فالتو پرزے خریدنے کی کوشش کی لیکن سوئس حکومت نے یہ پیشکش مسترد کر دی کیونکہ اس نے فرانس سے جن شرائط پر طیارے خریدے تھے ان میں یہ شق واضح طور پر موجود تھی کہ یہ طیارے اور ان کے فالتو پرزے کسی تیسرے فریق کے ہاتھ فروخت نہیں کیے جائیں گے۔

جب ''سیدھی انگلیوں گھی نکلنا'' ناممکن ہو گیا تو اسرائیل نے وہی حربے اختیار کیے جو وہ اب تک کرتا آیا تھا' اس نے ''لیکم'' اور ''موساد'' کے حکام کو طلب کر کے اپنے لڑاکا طیارے بنانے کے لیے ہر قیمت پر ٹیکنیکل انفارمیشن حاصل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس پلاٹ کے لیے انہوں نے اپنے چہیتا پرزہ قسم کے ''سوئس جاسوس'' الفریڈ فرینکش کی خدمات حاصل کر لیں جس نے انہی فرانسیسی میراج III جیٹ طیاروں کے اس ڈیزائن کے بلیو پرنٹ مہیا کرنے کی حامی بھر لی جو خاص طور پر سوئٹزرلینڈ کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ ان کا وزن دو ٹن تھا اور یہ انہیں ہر ہفتے 110 پاؤنڈ وزنی بنڈلوں کی صورت میں پہنچائے گئے۔ اس بڑے پیمانے کی جاسوسی کے کارنامے کی بدولت اسرائیل خود ''کفر'' (KFIR) لڑاکا طیارے بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ازراہ مذاق ''میراج کا بچہ'' کہا جانے لگا۔

یہ کامیابی اس نے کیسے حاصل کی؟ واقعہ یہ ہوا کہ الفریڈ فرینکش ایک طیارہ ساز کمپنی ''ونٹرتھر سلزبرادرز'' کے فائٹر ڈویژن میں بطور چیف انجینئر کام کر رہا تھا' اسرائیلی

ایجنٹوں نے اس سے میراج سکویڈرنز کے لیے سپیئر پارٹس کی فراہمی کی بات کی' اس نے کہا کہ پرزوں کی بات چھوڑ دو میں اس پوزیشن میں ہوں کہ طیارے بنانے کے کئی منصوبے تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر ایجنٹ حیران رہ گئے کہ کیا ایسا بھی ممکن ہے؟ فرینکش کی کہانی یہ تھی کہ وہ پہلے سے اسرائیل کی مدد کے لیے ذہنی طور پر تیار بیٹھا تھا۔ اسے یہودی نہ ہونے کے باوجود یہودیوں سے اس لیے ہمدردی تھی کہ اس کے نزدیک نازیوں نے ان پر ناروا مظالم توڑے تھے۔ اس طرح وہ خود کو بھی اس ظلم میں شریک پاتا تھا اور اس کی تلافی کے مواقع کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ معاملہ سیدھا ہو گیا۔

اس نے اپنی کمپنی کو تجویز پیش کی کہ ان لڑاکا طیاروں کے خاکوں کی فوٹو کاپیاں بنوا لیے جانے کے بعد ان کا کوئی مصرف باقی نہیں ہے لہٰذا انہیں نذر آتش کر کے ان کے سٹور کرنے کی جگہ بھی بچا سکتے ہیں اور حفاظت پر آنے والی لاگت بھی بچ سکتی ہے۔

اس نے انہیں میونسپل کمیٹی کی بھٹی میں ''جلانے'' کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور سوئس سکیورٹی آفیسر کی ''نگرانی'' میں یہ کام شروع کرا دیا۔ تاہم فیکٹری اور بھٹی کے درمیان صرف وہ اور اس کا کزن (جو بطور ڈرائیور کام کر رہا تھا) پانچ منٹ کے لیے ایک پرائیویٹ گیراج میں ٹھہرے۔ یہ گیراج اس نے کرائے پر لیا ہوا تھا اور اس میں دوسرے ناکارہ بلیو پرنٹس بھر دیئے تھے جو سوئس پیٹنٹ آفس سے خریدے گئے تھے۔ پھر میراج طیارے کے منصوبے اس میں بھر کر پرانے کاغذات' سوئس سکیورٹی کی ''باخبر'' آنکھوں کے سامنے نذر آتش کر دیئے گئے۔ ان سکیورٹی افسروں نے ان کی جانچ پڑتال کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔

آپریشن کے دوسرے مرحلے میں ''ہینز سٹریکر'' نام کا ایک پراسرار شخص بھی شریک ہو گیا۔ وہ ایک ایسی کمپنی کا ٹرانسپورٹ منیجر تھا جس نے مغربی جرمنی کے سرحدی قصبے ''کیسراسٹ'' میں متعدد گودام لے رکھے تھے۔ ''ہینز سٹریکر'' کا ابتداءً موساد کے ایک ایجنٹ کرنل نہیمیہ کے ''دوست'' کے طور پر تعارف کرایا گیا تھا۔ کرنل نہیمیہ یورپ میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ یہاں اس کا کام یہ تھا کہ فرینکش کی مرسیڈیز کی ڈگی میں سے کاغذوں کے کارٹن نکال نکال کر انہیں جرمنی کی ایک چھوٹی ایئر فیلڈ پر پہنچائے اور پھر وہاں سے انہیں تھوڑے تھوڑے کر کے بذریعہ طیارہ اٹلی اور پھر اسرائیل پہنچاتا رہے۔ یہ آپریشن پورا سال نہایت احتیاط اور رازداری کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن معاملہ خفیہ نہ رہ سکا۔ گوداموں کے قریب رہنے والے لوگوں نے ان کے مالکان ''رونزنگر برادران'' کو شکایت کی کہ ایک عجیب قسم کا

آدمی ہر ہفتہ کے روز باقاعدہ یہاں آتا ہے اور کارٹن لے کر چلا جاتا ہے۔ مالکان نے جب معاملے کی تفتیش کی تو شکایت کو درست پایا مگر یہ تو ان کا اپنا ہی ملازم تھا جو گھبرا کر فرار ہو گیا۔ جلدی میں اس سے ایک کارٹن گر گیا۔ جب کارٹن کو کھولا گیا اور دستاویزات دیکھی گئیں تو ان پر یک سطری مہر لگی تھی۔ ''ٹاپ سیکرٹ' یہ سوئس ملٹری ڈیپارٹمنٹ کی پراپرٹی ہے''۔

سوئٹزرلینڈ کے سیکورٹی حکام نے تفتیش کے بعد فرینکش کو گرفتار کر لیا۔ اس ہوشیار انجینئر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میراج طیاروں کے معاملے کا انکشاف سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے تعلقات پر کس طرح اثر انداز ہوگا' اس نے نہایت دلیری کے ساتھ پیشکش کی کہ اگر اسے رہا کر دیا جائے تو وہ ساری عمر اپنی زبان بند رکھنے کی ضمانت دیتا ہے' اس طرح ملک سیاسی بحران سے بچ جائے گا۔ یہ پیشکش مسترد کر کے مقدمے کی کارروائی جاری رکھی گئی۔ اٹھارہ ماہ بعد پیشی ہوئی تو اس نے بلا جھجک بلیو پرنٹ چوری کر کے اسرائیلی ایجنٹ کے حوالے کرنے کا اعتراف کیا اور یہ اعلان بھی کیا کہ اس کے پاس اسرائیل کی مدد کرنے کے سلسلے میں معقول جواز موجود ہے۔ عدالت نے اپریل 1971ء میں اسے صنعتی جاسوسی اور سوئس ملٹری سیکورٹی کی خلاف ورزی پر ساڑھے چار سال قید کی سزا دے دی۔ سزا کاٹنے کے بعد وہ 1975ء میں اس امید پر اسرائیل گیا کہ اس کا پرتپاک استقبال کیا جائے گا اور یہودی بچھ بچھ جائیں گے مگر وہاں تو کوئی بھی اعتراف کرنے والا موجود نہ تھا۔ حالانکہ اس کی مدد سے انہوں نے جو ''کفر فائٹر'' طیارے بنائے تھے وہ یوم کپور کی جنگ میں نہایت مؤثر ہتھیار ثابت ہوئے تھے۔ اسرائیلیوں نے اظہار تشکر اور پرجوش استقبال سے اس لیے گریز کیا کہ ایسا کرنے سے یہ کھلا ثبوت سامنے آجاتا کہ انہوں نے غیر جانبدار سوئٹزرلینڈ میں جاسوسی آپریشن کیا تھا۔ اسرائیل اس وقت ان لڑاکا طیاروں کے عوض فرینکش کی طلب کردہ رقم کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ قیمت ادا کرنے کے لیے بخوشی تیار تھا۔ اس نے تو صرف 2 لاکھ ڈالر (85000 پاؤنڈ) بطور انشورنس پالیسی مانگے تھے تاکہ معاملے کا انکشاف ہو جانے کی صورت میں یہ رقم اس کی بیوی کو مل جائے۔

اس معاملے میں ''لیکم'' نے اپنی افادیت اور سیکرٹ سروسز کی قابل اعتبار ساتھی ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کر دیا تھا۔ اس کے سائنسی اور فنی معلومات اکٹھی کرنے میں کامیابی کے دعوے پر اگرچہ کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا تاہم جب تک امریکہ میں جوناتھن پولارڈ والا واقعہ سامنے نہیں آیا' یہ اپنی گھات میں سر چھپائے بیٹھی رہی۔

غالباً اس لیے کہ اسے بے حد محتاط رہ کر اپنے فرائض انجام دینا تھے' اسرائیل سے

تعاون کرنے والی مغربی ڈیفنس انڈسٹریز کی خیریت بھی اسی میں مضمر تھی۔ تاہم جب امریکہ میں مصروف عمل اس کے ایک یونٹ سے بے احتیاطی سرزد ہوئی تو سکینڈل بننے میں دیر نہیں لگی اس سے ایک شور مچ گیا جس کے نتیجے میں ''لیکم'' کو ختم کر دینا پڑا تاہم سرکاری طور پر خاتمے کے باوجود اس کا کام بدستور جاری ہے۔ وزارت دفاع' وزارت سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں اپنے دوستوں اور رفقاء کی مدد اور موساد کے تعاون سے نئے اور بہتر ہتھیاروں کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہتی ہے۔ موساد اپنے طور پر بھی قوم کی دفاعی صلاحیتوں میں اضافے اور توسیع کا طویل ریکارڈ رکھتی ہے۔ اس کی سرگرمیوں کا ایک اہم میدان عربوں کو روس کی جانب سے فراہم ہونے والے جدید ترین ہتھیاروں کے معیار کی کڑی نگرانی ہے تاکہ اسرائیل ان کے مقابلے میں بہتر اسلحہ بنا سکے یا کہیں سے حاصل کر سکے۔

مائر امیت موساد کا سربراہ مقرر ہوا تو اسے ایئر فورس کے کمانڈر جنرل موردشائی ہود کی طرف سے خصوصی درخواست موصول ہوئی کہ ''انسٹی ٹیوٹ'' سے کہا جائے کہ وہ اسے ایک مگ 21 لڑاکا طیارہ مہیا کرے تاکہ اس کی کارکردگی کا صحیح طور پر جائزہ لیا جا سکے۔ ایلی کوہن نے اس نئے طیارے کی ایک تصویر فراہم کی تھی لیکن اس سے ایئر فورس کے ماہرین کسی تسلی بخش نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ یہ طیارہ اس وقت روس کا جدید ترین اور حیران کن حد تک مؤثر جیٹ فائٹر تھا اور مصر' عراق اور شام اسے نہایت کامیابی سے استعمال کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے اسرائیل کے ایئر کمانڈوز اس کی خصوصیات اور صلاحیتوں کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ انہیں نہ اس کی رفتار کا پتہ تھا' نہ اس میں نصب توپوں' مشین گنوں اور جوابی کارروائی والے الیکٹرانک کی کارکردگی کی کوئی تفصیلات معلوم تھیں۔ کسی بھی فضائی لڑائی کے لیے اسرائیل کے پاس ان معلومات کا موجود ہونا' ازبس لازم تھا۔ چنانچہ ایئر فورس کی طرف سے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے موساد ہیڈ کوارٹر نے ایک مگ طیارہ حاصل کرنے کے لیے کئی منصوبے تیار کیے لیکن بالآخر وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ اگر کسی عرب پائلٹ کو طیارے سمیت یہاں آنے کی ترغیب دی جا سکے تو سب سے بہتر ہوگا۔

جس شخص کے انتخاب پر ماہرین متفق ہوئے وہ ایک عراقی سکواڈرن لیڈر منیر ردفہ تھا جو ایک خوشحال میرونی عیسائی خاندان کا فرد تھا اور عراقی حکومت کے طرز عمل سے ناخوش تھا۔ اس سے میل ملاقات کے لیے موساد کے کئی ایجنٹ تاجر کے روپ میں عراق میں گئے۔ متعدد ملاقاتوں کے بعد ردفہ اپنے مگ سمیت تل ابیب پہنچنے پر رضامند ہوا مگر اس نے یہ شرائط

پیش کیں۔ اول یہ کہ پانچ لاکھ برطانوی پاؤنڈ معاوضہ پیشگی ادا کیا جائے اور دوسری یہ کہ اس امر کی ضمانت دی جائے کہ اس اقدام سے قبل اس کی بیوی' بچے اور والدین بشمول اس کے دادا دادی' چچاؤں' ماموؤں' چچیوں اور ممانیوں سب کو باہر سمگل کر دیا جائے۔

آخری مطالبہ خطرناک ہونے کے علاوہ پیچیدہ بھی تھا۔ مگر طیارے کے حصول کے شوق اور اس ضرورت کی شدت کے باعث مائر امیت نے موساد کا غیر متنازعہ سربراہ ہونے کی حیثیت سے اسے ضمانت دے دی کہ اسرائیل اس کی سب شرائط کو من وعن پوری کرے گا۔

اس نے فعال ترین ٹیمیں تیار کیں' ''امن'' اور ملٹری انٹیلی جنس سروس سے بھی کمک طلب کی۔ روفہ کی پوری فیملی کے انخلا کے لیے کردستان میں سرگرم عمل ایجنٹوں کے ذریعہ کرد باغیوں سے بھی مدد لینا پڑی اور ایران کے باغیوں سے بھی اعانت طلب کی گئی جہاں کہ ان لوگوں کو ہیلی کاپٹر کے ذریعہ پہنچانا تھا۔ مزید بیرونی مدد کی بھی ضرورت تھی جس کے لیے مائر امیت خود واشنگٹن گیا اور سی آئی اے سے تعاون کی درخواست کی۔ ادھر سی آئی اے بھی مگ۔21 طیاروں کے بارے میں پوری تفصیل جاننے کے لیے اتنی ہی بے تاب پائی گئی۔ چنانچہ اس نے بغداد میں ایک امریکی سفارت کار کو روفہ سے ملاقات کی ہدایت کی اور اسے یقین دلایا کہ مغربی حلیفوں اور اسرائیل کو مگ طیارے کی صلاحیت کار معلوم کرنے کی شدید خواہش ہے اور اس کے اغوا کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

روفہ اتنی ترغیب اور قدر افزائی دیکھ کر کارروائی پر راضی ہوگیا چنانچہ وہ اگست 1966ء میں شمالی عراق میں موصل کے قریب ایک ایئربیس سے طیارے کے ٹینک پٹرول سے بھروا کر ٹریننگ مشن پر روانہ ہوگیا۔ فضا میں بلند ہوتے ہی اس نے ترکی کی طرف رخ کرلیا جہاں امریکی فضائیہ کے فٹم اسے اپنی حفاظت میں لے کر سی آئی اے کے ایک خفیہ اڈے پر پہنچانے کے لیے منتظر کھڑے تھے۔ وہاں سے ایندھن بھروا کر وہ بحیرۂ روم کی طرف روانہ ہوگیا۔ جہاں محو پرواز اسرائیلی طیاروں نے اسے اسرائیل پہنچا دیا۔ یہ ایک بڑا خطرناک آپریشن تھا جسے زبردست مہارت اور ہمت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا۔ یہ انہی کارناموں میں سے تھا جن کی وجہ سے موساد کو ایک ایسی ایجنسی کہا جانے لگا کہ وہ ایسے معرکوں کو سر کرلیتی ہے کہ دوسری ایجنسیاں ان کے بارے میں سوچتی تک نہیں۔

اس سروس کے پرانے لوگ 1960ء کے عشرے والے پرانے دنوں کو فخر وانبساط کے ساتھ یاد کرتے ہیں جب انہیں کوئی چیز بھی ناممکن نظر نہیں آتی تھی اور معرکہ برائے معرکہ

شروع کیا جاتا تھا اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا تھا۔ اس مگ طیارے کے اغوا کے تین سال بعد ''انسٹی ٹیوٹ'' کو حکم دیا گیا کہ وہ اسرائیلی ڈیفنس فورسز (آئی ڈی ایف) کے لیے جدید اسلحہ فراہم کرے' اس بار بحریہ کے لیے جہاز درکار تھے جو ابھی تک دوسری جنگ عظیم کے پرانے جنگی جہازوں سے کام چلا رہی تھی۔ یہ اسرائیلی مسلح افواج کا فراموش کردہ شعبہ بنی ہوئی تھی۔ بحریہ کو میزائلوں سے لیس پٹرول بوٹس کی ضرورت تھی اور اس کے لیے آٹھ ایسے جہاز مغربی جرمنی کے یارڈ میں زیر تعمیر تھے۔ جرمنی عربوں کی جانب سے دباؤ پڑنے پر اس معاہدے سے دستکش ہوگیا اور تکمیل معاہدہ کا کام فرانسیسی بندرگاہ شیر برگ کے شپ بلڈرز کو منتقل کر دیا گیا۔ 1969ء میں فرانس کا صدر اگرچہ اسرائیل کی پالیسی پر بدستور ناراض تھا اور اس کا اظہار اس کے لیے ہتھیاروں کی پابندی لگانے سے کیا تھا۔ پٹرول بوٹس' یہ مؤقف اختیار کر کے اس پابندی سے اس طرح بچ نکلیں کہ وہ فوجی اسلحہ سے لیس ہو کر سفر نہیں کریں گی۔

ان میں سے ایک موٹر بوٹ کے لیے روانگی کا پرمٹ پہلے ہی جاری کیا جا چکا تھا کہ مشرق وسطی میں ایک واقعہ رونما ہوگیا جس کی وجہ سے صدر فرانس نے اسرائیل کو کسی قسم کا بھی اسلحہ نہ فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ واقعہ یہ تھا کہ 28 دسمبر کو اسرائیلی کمانڈوز نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ بیروت ایئرپورٹ پر حملہ کر کے مڈل ایسٹ ایئرلائنز کے 13 طیاروں کو کھڑے کھڑے تباہ کر دیا۔ اس پر حکومت فرانس نے فوراً شیر برگ پورٹ میں کھڑے جنگی جہازوں کو روک لینے کا حکم جاری کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد جہازوں کا تھوڑا سا عملہ چھپ کر ان میں سے تین ایسی میزائل بوٹوں میں سوار ہوگیا جو تقریباً تیار ہو چکی تھیں اور انہوں نے انہیں انتہائی مصروف اوقات میں روانگی کے لیے تیار کرلیا' ان کے انجنوں کو حرکت میں لا کر اسرائیل کا قومی پرچم ''سٹار آف ڈیوڈ'' لہراتا ہوا سمندر میں داخل ہوگیا۔ باقی پانچ میزائل بوٹیں جو تکمیل کی منتظر تھیں سخت سکیورٹی کے انتظامات کے تحت بحریہ کی ڈاک یارڈ سے نکل گئیں۔

اسرائیل ان جہازوں کو لینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا کیونکہ اسے اپنی بحریہ کے لیے ان کی اشد ضرورت تھی۔ بیروت میں فلسطینیوں کے خلاف خطرناک مشنوں کے عادی ہو جانے کی وجہ سے اس کے فوجی اور دیگر سینہ زور عناصر فرانس سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہوگئے۔ باقی ماندہ گن بوٹوں کو چھیننے کی باتیں بھی ہونے لگیں جنہیں آج کی اصطلاح میں "Coup De Main" (اچانک بھرپور حملہ) کہا جاتا ہے بعض حلقوں کی طرف سے بیچ بچاؤ کرایا گیا جس پر موساد نے ذرا دھیما لہجہ اپنایا۔ تاہم اس نے ملٹری انٹیلی جنس کی مدد سے ایک سپیشل یونٹ قائم

کر دیا۔ جس نے مخصوص کوڈ ..... ''کشتی نوح کا سفر'' کے عنوان سے اپنا کام جاری رکھا۔

ابتدائی قدم کے طور پر ایڈمرل مورد یشائی لیمن نے جو خریداری مشن پر فرانس گیا تھا' اس پیچیدہ مسئلے پر مذاکرات کا آغاز کیا کہ جنگی جہازوں کی تعمیر کی عدم تکمیل کا ازالہ کیسے ہو؟ مذاکرات شروع ہونے سے اس امر کی ضمانت مل گئی کہ جب تک یہ جاری رہیں گے اسرائیلی انجینئرز' جنہوں نے یہ بوٹس ڈیزائن کی تھیں' وہ شیر بورگ میں جہازوں کی تکمیل تک موجود رہیں گے اور یہ کہیں اور فروخت کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ فرانسیسی حکام کو ان کی ''فروخت'' کے بارے میں اپنے ارادے کا یقین دلانے کے بھی انہوں نے ''انتظام'' کر دیا۔ وہ یوں کہ ناروے کی شپنگ کمپنی کا ڈائریکٹر مارٹن سائم' اسرائیلیوں کے فرنٹ مین کے طور پر شیر بورگ میں آموجود ہوا اور اعلان کیا کہ ان کی کمپنی ان بوٹس کو تیل کی تلاش کی مہم میں استعمال کرنا چاہتی ہے۔ بظاہر تو یقین نہیں آتا تھا کہ جنگی مقاصد کے لیے ڈیزائن ہونے والی بوٹس سے ایسا کام بھی لیا جا سکتا ہے؟ تاہم فرانس کی کمیٹی برائے برآمد سامان حرب' نے اس سودے کی منظوری دے دی۔ اگر کمیٹی نے اس پر زیادہ توجہ دی ہوتی تو اسے پتہ چل سکتا تھا کہ یہ نارویجن کمپنی جو پانامہ میں رجسٹر ہوئی ہے' اسے اسرائیل کی سب سے بڑی شپنگ کمپنی ''میری ٹائم فروٹ'' اپنے خاص مقصد کے تحت یہاں لے کر آئی ہے۔

منصوبہ یہ تھا کہ مذاکرات کے دوران ہی نئی کمپنی کی طرف سے فرانس اور ناروے کے ملاح ان جہازوں کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ تقریباً 60 افراد جن کی شکلیں کسی حد تک فرانسیسیوں اور کسی حد تک نارویجین باشندوں سے مشابہہ تھیں' شیر بورگ کی بندرگاہ میں سمگل کر دیئے گئے تاکہ جونہی چال کامیاب ہو وہ پھرتی سے ان بوٹس کو وہاں سے نکال کر کھلے سمندر (رودبار انگلستان) میں پہنچا دیں۔ ان لوگوں کو موساد اور ملٹری انٹیلی جنس والوں نے' چھوٹے چھوٹے گروپوں کی شکل میں 1969ء کی کرسمس سے ذرا پہلے لا کر شیر بورگ کے قریبی مقامات پر' مختلف ہوٹلوں میں ٹھہرایا تھا۔ غالباً جاسوسی کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ اتنے آدمی کاغذ کی سلپوں سے ''مسلح'' ہو کر ان ہدایات کے ساتھ یہاں پہنچے تھے کہ انہیں کس وقت کونسی حرکت کرنی ہے؟

اس مقصد کے لیے انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کرسمس کا موقع منتخب کیا تھا کہ جب اہل فرانس خوشیاں منا رہے ہوں اور محافظ بھی چنداں سنجیدگی سے ڈیوٹی نہ دے رہے ہوں۔ یہ لوگ چونکہ کرسمس سے پہلے آئے ہوئے تھے' مقامی آبادی کو ان کے چہروں سے ان

کی اجنبیت کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا' انہوں نے خود پر تہوار کا سا ہی موڈ طاری رکھا۔ ''سیفے ڈی تھیز'' میں ان کے ڈنر کے لیے ایک بڑی ٹیبل بک کرا دی گئی تھی۔ بالآخر سب کچھ تیار ہو گیا۔ کرسمس کا دن تھا' پانچ کپتانوں نے بیک وقت اپنے انجن سٹارٹ کر دیئے اور ''شیر بورگ کی گن بوٹس'' دھاڑتی ہوئی کھلے سمندر میں دوڑنے لگیں' ان کا رخ اسرائیل کی طرف تھا۔ راستے میں میری ٹائم فروٹ کمپنی کے ٹینکر جو مختلف فاصلوں پر منتظر تھے انہیں ایندھن فراہم کرتے رہے۔ جنرل ڈیگال کی جگہ فرانس کی صدارت پر متمکن ہونے والے حکمران نے اعتراف کیا ..... ''ہمیں مکمل طور پر بے وقوف بنا دیا گیا۔'' ہم نے اپنی لاپروائی اور اپنے سول حکام کی ذہنی سازش کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔'' موساد نے اس سازش کو کسی تشدد کے بغیر اور مکاری اور فریب کاری کی تیز دھار کے بل بوتے پر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

''انسٹی ٹیوٹ'' نے دو دن کے اندر اپنی مہارت کا ایک اور مظاہرہ کر دکھایا۔ اس بار مصر کو کمانڈو ایکشن کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ یوں کہ اس کی سپیشل فورسز کی ایک ٹیم بحیرۂ احمر میں ''راس غالب'' کے بحری اڈے میں اچانک داخل ہو گئی' آناً فاناً محافظوں کی مزاحمت پر قابو پانے کے بعد سات ٹن وزنی راڈار سسٹم کے اجزاء کو الگ الگ کر کے پیک کیا اور ہیلی کاپٹروں میں لاد کر اسرائیل پہنچا دیا۔ یہ راڈار سینائی میں اسرائیلی اڈوں سے اڑنے والے طیاروں کی حرکات پر نظر رکھتے تھے۔ یہ راڈار کچھ ہی عرصہ پہلے مصری ڈیفنس سسٹم کو مضبوط بنانے کے لیے یہاں نصب کیے گئے تھے۔

✿ ✿ ✿ ✿

کھلی بدمعاشی

نومبر 1984ء کی ایک سہ پہر کو واشنگٹن کے اسرائیلی سفارت خانے میں موجود درجن بھر ایف بی آئی کے کارکن گیٹ سے اندر آنے والی ایک سبز رنگ کی مستانگ کار کو دیکھ رہے تھے جس میں سے جوناتھن جے پولارڈ' اپنی بیوی اور اپنی پالتو بلی ''ڈسٹی'' سمیت اترا' اس نے سکیورٹی گارڈز کو بہ آواز بلند مخاطب کرتے ہوئے کہا..... ''میں ایک اسرائیلی جاسوس ہوں''۔ ایف بی آئی کا عملہ اس کا یہ اعلان سن کر دم بخود رہ گیا۔

یہ اسرائیل کی جاسوسی کی تاریخ کی ایک انتہائی عجیب و مضحکہ خیز کہانی کا نقطۂ اختتام بھی تھا اور حرفِ آغاز بھی۔ جس نے امریکہ اور اسرائیل کے قریبی تعلقات کو جڑوں سمیت جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ پولارڈ ایک یہودی تھا اور اپنی خاص طرز کا' شوقیہ جاسوس بھی۔ شیخی باز بھی بلا کا تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس سے کوئی رابطہ قائم ہونے سے بھی پہلے اس نے دوستوں میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ موساد میں بہت اونچی چیز ہے۔ وہ امریکی بحریہ کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیز میں بھی کام کر چکا تھا۔ 1979ء میں اسے واشنگٹن میں امریکی بحریہ کے انٹیلی جنس آفس میں بطور تجزیہ کار (Analyst) ملازمت مل گئی تھی۔

ویسے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت آدمی تھا' اسرائیل کی فتوحات پر بھرپور فخر و مباہات کا اظہار کرتا اور اس کی انتلاؤں اور ناکامیوں پر رنجیدہ ہو جایا کرتا تھا۔ اسرائیل کے ہیروؤں کو خوب داد دیتا اور خود بھی اس کے لیے کچھ کر گزرنے کی تمنا کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ پھر اس کے لیے سچ مچ ایک موقع اس وقت پیدا ہو گیا جب اس کا ایک دولتمند رشتہ دار نیویارک آیا۔ اس نے اسے اسرائیلی فضائیہ کے زندہ ہیرو کرنل ایوائم سیلا سے اپنی ملاقات کا حال بتایا۔ کرنل سیلا نے اس سکوڈرن کی قیادت کی تھی جس نے عراقی ایٹمی ری ایکٹر تباہ کیا تھا۔ یہ

آجکل اسرائیل کے لیے چندہ جمع کرنے کی مہم پر امریکہ آیا ہوا تھا۔ اس نے اسے فضائی لڑائیوں میں اپنے حصہ لینے کے واقعات بھی سنائے تھے۔ جن میں اسرائیلی فضائیہ نے شامی میگ لڑاکا سکوڈرنوں کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔ بہادری اور مہارتوں کی داستانیں سن کر پولارڈ کا جذبۂ جاں سپاری کو مہمیز لگ گئی۔ اس نے کہیں سے کرنل سیلا کے لیے ایک تعارف نامہ حاصل کیا۔ اس سے جا کر ملا اور اسے بہت سی خفیہ فائلیں دکھانے کی فوری پیشکش کر دی جن سے طویل فیلڈ ورک کے دوران اس کی رسائی ہو گئی تھی۔

کرنل سیلا ایک ''فائٹنگ ایئر مین'' تھا لیکن اسے جاسوس کے آپریشنوں کا بہت تھوڑا تجربہ تھا۔ اس نے یہ پیشکش فوراً اپنے ملک کی انٹیلی جنس ایجنسیز کو پہنچا دی۔ موساد پولارڈ کے بارے میں پہلے سے کچھ نہ کچھ جانتی تھی' اس کا نام اس کے ریکارڈ میں موجود تھا۔ واشنگٹن میں اس کے نمائندے اسے ایک مشکوک شخص اور اس کی عجیب و غریب شخصیت اور بلند بانگ دعوؤں کی بنا پر اس کی پیشکش کو قبول کرنے سے کتراتے تھے۔ اس فن میں مہارت رکھنے والے لوگ' چونکہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں' اس لیے کوئی بھی ایجنسی جوشیلے اور بڑبولے افراد کی باتوں میں آ کر خطرات مول نہیں لے سکتی تھی۔ مبادا کہ کسی جال میں پھنس جائے۔ اس شخص کے بارے میں تو انہیں شبہ تھا کہ یہ کہیں سی آئی اے کا بچھایا ہوا جال نہ ہو اور وہ یہ دیکھنا چاہتی ہو کہ موساد ایک دوست ملک کی سرزمین کو کس مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ اس ہچکچاہٹ کا ایک مزید سبب یہ تھا کہ موساد نے ایک بنیادی اصول مقرر کیا ہوا تھا کہ دوسرے ممالک کے یہودیوں کو ہرگز بھرتی نہ کیا جائے' کیونکہ ایسے اشخاص کے پکڑ لیے جانے کے بعد ان ملکوں میں آباد ان کے دیگر ہم مذہب لوگوں کی شامت آ جاتی ہے۔

''انسٹی ٹیوٹ'' کے نظریات سے ''لیکم'' کے بعض کارکنوں کو اتفاق نہیں تھا۔ ''لیکم'' کا قیام اس لیے عمل میں آیا تھا کہ یہ وزارت دفاع کو سائنسی مواد فراہم کرے' یہ عموماً کھلے ذرائع سے مواد جمع کرتی تھی لیکن ایسا ممکن نہ ہو تو خفیہ ذرائع سے بھی کام لے لیتی تھی۔ ''لیکم'' کے نمائندے نیویارک' بوسٹن اور لاس اینجلس کے اسرائیلی قونصل خانوں میں تعینات تھے۔ نیویارک کے قونصل خانے میں جوزف یاگور نامی ایک سائنسی اتاشی تھا' اس سے پولارڈ کے بارے میں مشورہ کیا گیا' اس نے جواباً تل ابیب کے ہیڈ کوارٹر کو اپنی رپورٹ بھیجی۔ ہیڈ کوارٹر کا اس وقت کا سربراہ رافیل ایٹان تھا وہ اس پر چونک پڑا۔ ایٹان اس سے پہلے موساد کا ڈپٹی چیف آف آپریشنز رہ چکا تھا اور بیس سال خدمات انجام دینے کے بعد فارغ کر دیا گیا تھا۔

اسے اسرائیل میں ......''رفی......دی سٹنکر'' ......(بمعنی' بدبودار شخص) کہا جاتا تھا۔ وہ بیگن اور جنرل ایریل شیرون کا قریبی دوست اور لیکوڈ پارٹی میں ایک بااثر شخصیت تھا اور اس وقت اسے وزیراعظم کے دفتر میں انسداد دہشت گردی کا مشیر بھی مقرر کردیا گیا تھا۔ اپنی دوسری حیثیت میں ''لیکم'' کا باس ہوتے ہوئے رافیل ایتان کا ستارہ اس لیے بھی عروج پر تھا کہ اس تنظیم کو ''سائنٹیفک ڈیٹا'' اکٹھا کرنے میں حال ہی میں زبردست کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ پولارڈ کو منظر پر آیا ہوا پاکر ایتان نے اسے اپنے کمالات دکھانے کا ایک اور موقع جانا اور اپنے اعلیٰ حلقوں کے روابط اور اثرورسوخ استعمال کرکے کرنل سیلا کو اس امریکی ''ذریعہ'' (Source) سے رابطے اور نجی ملاقات کا اختیار دلوا دیا۔

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو پولارڈ نے اپنی پیشکش کی تجدید کرتے ہوئے کہا کہ وہ متعدد اہم معلومات فراہم کرسکتا ہے جس پر کرنل سیلا نے اسے خود سے ''پبلک ٹیلی فون'' کے ذریعہ رابطے کا خفیہ کوڈ بتایا اور چند بنیادی ہدایات دیں اور عبرانی زبان کے حروف ابجد کا استعمال بھی بتایا تاکہ پیغام رسانی محفوظ رہے۔

پولارڈ سے کام تو نیویارک کے قونصلر جوزف یاگور نے لینا تھا لیکن رافیل ایتان نئے ایجنٹ سے خود ملاقات کا متمنی تھا۔ چنانچہ اس نے 1984ء میں جوناتھن پولارڈ اور اس کی بیوی کو یورپ کے دورے کی دعوت دی جہاں ان سے پیرس میں اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ دورے کے اخراجات تو یقیناً اسرائیلیوں نے برداشت کیے تھے اور اصرار کیا تھا کہ جیسا کہ سب انٹیلی جنس سروسز کیا کرتی ہیں کہ وہ اپنی خدمات کا معاوضہ قبول کرے۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ جاسوس اپنے آپ کو پابند اور ذمہ دار سمجھے۔ اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اس کا دوست معمول سے کہیں بڑھ کر اخراجات کررہا ہے تو وہ یہ بہانہ بناتا ہے کہ یہ فرانس میں میرے ایک دولتمند انکل کی مہربانی سے ہو رہا ہے۔ جوناتھن پولارڈ نے پہلے تو تنخواہ قبول کرنے سے انکار کیا' لیکن بعد میں قبول کرلی۔ اس طرح اس کا 30,000 ڈالر سالانہ مشاہرہ مقرر ہوگیا اور سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں جمع کرانا طے پا گیا۔ اتنی بڑی رقم پاکر اس کی بیوی ''این'' نے پر پرزے نکالنا شروع کردیے اور اس کی خطیر شاپنگ مہم چل نکلی۔

ادھر جب پولارڈ نے امریکہ میں ''نئی ذمہ داریاں'' نباہتے ہوئے خفیہ کاغذات کے پلندے نکالنا شروع کیے تو ان میں کچھ وہ بھی تھے جن کی تل ابیب کے حکام کو خصوصی طور پر ضرورت تھی اور وہ خاص عنوان اور دستاویز نمبر کے حوالے سے مانگے گئے تھے۔ پولارڈ کی

زیادہ تردد کے بغیر انہیں نکالنے میں کامیاب ہورہا تھا کیونکہ وہ اس کی بحری انٹیلی جنس کی ذمہ داریوں کی ذیل میں آتے تھے' اور اس کا امریکی رول دہشت گردی اور اس کے انسدادی اقدامات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے اسرائیلی آقاؤں نے اس کے جوش وخروش کے غبارے میں سے یہ کہہ کر خاصی ہوا خارج کردی کہ انہیں دہشت گردی سے متعلقہ دستاویزات کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں تو عربوں کے ایٹمی ہتھیار حاصل کرنے کی سمت پیش رفت سے متعلقہ مواد درکار تھا' عراق اور شام کی ان فیکٹریوں کا محل وقوع معلوم کرنا تھا جو کیمیکل وارفیئر کے لیے میٹریل تیار کررہی تھیں۔ اسرائیل کو عربوں کے ایٹمی قوت بن جانے اور کیمیائی مواد حاصل کرلینے کا خوف لگا رہتا تھا۔ یہ خوف انہیں اس زمانے سے لاحق تھا جب مصر کے صدر ناصر نے 1950ء کے عشرے میں جرمن سائنس دان بھرتی کیے تھے۔

اس پر پولارڈ میاں بیوی نے یورپ کا ایک اور دورہ کیا' یہ دورہ جولائی 1985ء میں ہوا جس میں اس نے رافیل ایتان سے مزید صلاح مشورہ کیا اور نئی ہدایات مانگیں۔ دو ماہ بعد جوناتھن پولارڈ نے ایک اور امریکی ایجنسی سے لیبیا' تیونس اور الجزائر کے دفاعی نظاموں کی تفصیلی معلومات حاصل کیں کیونکہ ان کی روشنی میں اسرائیل عربوں کی طرف سے کسی ممکنہ دہشت گردی کے جواب میں اپنے اقدامات کی منصوبہ بندی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بحیرہ روم میں روسی' فرانسیسی اور امریکی جہازوں کی نقل وحرکت کی تفصیلات بھی مہیا کردیں۔

اس کی فراہم کردہ معلومات سے استفادے کا موقع بہت جلد ستمبر ہی میں پیدا ہوگیا کیونکہ اسرائیل نے قبرص میں ''لارناکہ'' پر فلسطینیوں کے حملے کا انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس حملے میں تنظیم آزادیٔ فلسطین کی ''فورس 17'' سے تعلق رکھنے والے دو عرب گن مینوں اور ایک برطانوی ریکروٹ نے وہاں ایک چھوٹی گودی میں اسرائیلی کشتی پکڑلی اور مزاحمت کرنے پر تین اسرائیلیوں کو قتل کردیا تھا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتے بعد اسرائیلی فضائیہ کے 8 'ایف سولہ' طیاروں نے بحیرۂ روم پار تیونس سے ذرا باہر ''حمام چ'' پر یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کردیا' جس میں 60 افراد ہلاک ہوگئے ان میں ''فورس 17'' کا کمانڈر محمد نطور بھی شامل تھا۔ تمام طیارے بحفاظت واپس آگئے اور ان کے مشن کی کامیابی میں کافی حد تک امریکی ایجنٹوں اور امریکی مواصلاتی سیارے کی تصاویر کا بھی حصہ تھا جن میں یاسر عرفات کے ہیڈ کوارٹر اور اس کے فضائی دفاع کی پوزیشن کا پتہ چل رہا تھا۔ یہ تصاویر جوناتھن پولارڈ نے فراہم کی تھیں۔

اپنی اس کامیابی پر خوش ہوکر امریکہ میں اس ایجنٹ نے مزید جوش وخروش سے کام

شروع کر دیا اور انتہائی خفیہ فائلوں کی وسیع پیمانے پر چھان بین شروع کر دی۔ وہ جس سیکورٹی ایریا میں کام کرتا تھا وہاں سے دستاویزات کے بڑے بڑے بنڈل نکال نکال کر باہر رکھتا پھر انہیں گاڑی میں لاد کر ایک اپارٹمنٹ بلاک میں پہنچا دیتا۔ اس دوران ذخیرے کی نگرانی اسرائیلی سفارت خانے کے سائنسی اتاشی کی سیکرٹری ''اریت ارب'' کرتی رہتی تھی۔ وہ اس مواد کو اسی بلاک میں ایک اور محفوظ اپارٹمنٹ میں لے جاتی جو خفیہ طور پر کرائے پر لیا گیا تھا اور اس میں سپیشل فوٹو کاپی کرنے' سیٹلائٹ فوٹوز اور دیگر خفیہ دستاویزات کی ہینڈلنگ کے انتظامات کیے گئے تھے۔ پولارڈ بعد میں یہ کاغذات اصل ٹھکانے پر پہنچا دیا کرتا تھا۔ بعدازاں ''لیکم'' کی پوری ٹیم خفیہ معلومات کے اس انبار کی پراسیسنگ میں جت جاتی۔ اس دوران' پولارڈ کے کام کا نیا انچارج آ گیا۔ یہ ایک پراسرار شخصیت کا مالک ..... ''اوزی'' تھا' جس کی حقیقی طور پر شناخت کبھی بھی نہیں ہو سکی۔ بتایا گیا تھا کہ وہ امریکہ میں اسرائیل کا آرمز مرچنٹ ہے جس نے ''ایران گیٹ'' سکینڈل کے دوران ایران کے ہاتھ اسلحہ فروخت کیا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔

اب جوناتھن پولارڈ ''ون مین ایجنسی'' بن گیا تھا جو امریکی ایجنسیوں کی فراہم کردہ خفیہ معلومات کو دوسری شکل دے کر براہ راست موساد کے لیے بھیج رہی تھی۔ اس ''ری سائیکلنگ'' کے لیے وہ اتنا بے دھڑک ہو کر معلومات کا پیچھا کر رہا تھا کہ اس کے رفقائے کار کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اسے آفس کمپاؤنڈ سے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس حال میں نکلتا دیکھتے کہ اس کے ہاتھ میں حساس مواد کے خاص نشانات والی خفیہ دستاویزات ہوتیں۔ امریکی رفقائے کار کی سرگوشیاں اس کے باس ''جیری ایجی'' (Jerry Aggee) کے کانوں میں پہنچ گئیں۔ وہ بھی کچھ ٹھٹک گیا تاہم وہ محتاط ہو کر اس کے کام کا جائزہ لینے لگا۔ اس دن' جیری ایجی نے اس کے دفتر سے رخصت ہو جانے کے بعد دیکھا کہ وہ جن فائلوں کو سامنے رکھ کر ان کے خلاصے تیار کرتا رہا ہے ان میں تو روسیوں کے ویپن سسٹم اور عربوں کی فوجی صلاحیت کے بارے میں مواد تھا' یہ وہ کام تو نہیں تھا جس کے لیے امریکن بحریہ پولارڈ کو تنخواہ دے رہی تھی۔ اس پر خاصا غور و فکر کرنے کے بعد اس کی ایک ہی وضاحت اس کے ذہن میں آئی کہ پولارڈ کسی اور ملک کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس پر اس نے محکمہ سلامتی (سکیورٹی) اور فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن (ایف بی آئی) کو مطلع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران اس نے پولارڈ کے آفس میں خفیہ وڈیو کیمرہ نصب کرا دیا۔ جس کے ذریعہ وہ اسے کاغذات کی سارٹنگ کرتے'

بار بار ایک لسٹ پر نظر ڈالتے اور چیکنگ کرتے دیکھتا رہتا۔ ابھی اس نے ان چیزوں کے بارے میں اس سے براہ راست سوال نہیں کیا تھا اور نہ فی الحال اس کی گرفتاری عمل میں آئی تھی تاہم اسے کہا گیا کہ وہ اپنے گھر فون کر کے بیوی کو مطلع کر دے کہ دفتر میں اسے آج کچھ دیر ہو جائے گی۔ اس نے فون پر بیوی کو جب یہ بات کہی اس میں ''تھوہر'' (Cactus) کا لفظ استعمال کیا جس کا بعد میں پتہ چلا کہ یہ خفیہ اشارہ تھا جو پہلے سے ان کے مابین طے تھا کہ وہ جب خطرے میں ہو گا یہ لفظ بولے گا۔

اس کی نئی مصروفیات میں یہ واقعی بڑا نازک مرحلہ آ گیا تھا' اس رات پولارڈ کا کرنل سیلا کے ساتھ اکٹھا کھانا کھانے کا پروگرام طے تھا جس کے لیے وہ دوبارہ واشنگٹن آیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ پولارڈ کی بیوی ''این'' ٹیلی فون پر ''تھوہر'' کا لفظ سن کر خوفزدہ ہو گئی' اس نے فوراً کرنل کو فون کیا اور ملاقات کے لیے آ موجود ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد رات کے پچھلے پہر کرنل سیلا نے خود کو بھی خطرے میں پایا۔ اسے کوئی سفارتی تحفظ حاصل نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پولارڈ سے فوراً جو ''رابطہ'' پوچھا جائے گا' اس کے جواب میں لامحالہ اسی کا نام لیا جائے گا' لہٰذا اب بطور جاسوس اس کی گرفتاری یقینی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آ سکی۔ وہ یہ کہ جلدی جلدی امریکہ سے نکل جائے۔ واشنگٹن سے بیرون ملک جانے کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہ تھی۔ چنانچہ سیلا' اپنی بیوی سمیت کرائے کی کار لے کر نیویارک پہنچ گیا۔ جہاں صبح سویرے انہوں نے جعلی پاسپورٹ دکھا کر لندن کے لیے سیٹیں حاصل کر لیں۔

ادھر نیویارک میں اسرائیلی قونصل خانے میں ''جوزف یاگور'' کو ان کے معاملے کی اطلاع مل چکی تھی لیکن وہ ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ موساد کے پاس پروفیشنل انداز میں اپنے مصیبت میں گھرے ہوئے ایجنٹوں کو بچانے کے منصوبے ہمیشہ تیار رہتے تھے لیکن یہ ''آپریشن'' باہر کے آدمی ''چلا'' رہے تھے ''لیکم'' کو ایسے کاموں کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ پولارڈ کے معاملے کو ''چلانے'' والے تمام اسرائیلی سفارت کاروں میں بھگدڑ مچ چکی تھی اور وہ سفارتی تحفظ حاصل ہونے کے باوجود خوفزدہ تھے۔ چنانچہ جوزف یاگور' اریت ارب اور ایک دوسرا اسرائیلی سائنٹیفک آفیسر ''ایلار ریوڈ'' عجلت میں ملک سے بھاگ نکلے۔

جوناتھن پولارڈ' دوسروں کے معاملات سے بے خبر تھا مگر کافی گھبرایا ہوا تھا۔ اسے اگرچہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ جس اسرائیل کی محبت میں آ کر اس نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ اس

کا احسان مند ہے وہ اسے بچانے کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔ تفتیش کنندگان کے سوالوں کا جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے وہ صرف ایک ہی بات کہے جا رہا تھا..... ''میں نے امریکہ کے خلاف کوئی جاسوسی نہیں کی اور نہ ہی میں امریکہ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔'' وہ اسے مضبوط شہادتوں کے بغیر گرفتار کرنے سے گریزاں تھے۔ مقدمہ چلنے کے لیے جس قسم کا ثبوت درکار تھا وہ فی الحال ان کے پاس نہ تھا۔ اس کے باوجود کاروں میں بیٹھے ہوئے ایف بی آئی کے آدمی دور سے اس کے گھر کی نگرانی کر رہے تھے۔ پولارڈ اور اس کی بیوی نے یہ جانے بغیر ہی کہ انہیں کیا کرنا چاہیے' اپنا سامان پیک کیا اور اپنی بلی کو بھی ساتھ لے کر کار میں سوار ہو گئے۔ کار ایک لمبا روٹ اختیار کر کے بالآخر بلیوسٹار فلیگ والی عمارت کے اندر داخل ہو گئی اور ایک سفارتی کار کے پیچھے جا ٹھہری۔ یہ اسرائیلی سفارت خانہ تھا۔ ایف بی آئی کی ٹیم بھی پیچھے پیچھے آ پہنچی تھی اور اس کی متحیر نگاہوں کے سامنے اس نے سکیورٹی گارڈ سے گفتگو شروع کر دی جسے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ وہ اسے صرف ایک جملہ کہے..... ''یہاں سے دفع ہو جاؤ''۔ اسرائیل ایک گرفتار شدہ جاسوس کی اپنے سفارت خانے کی حدود میں موجودگی کو اپنے لیے باعث بدنامی سمجھتا تھا۔ جوناتھن پولارڈ الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ جونہی اس کی کار گیٹ سے باہر نکلی' اسے فوراً گرفتار کر لیا گیا۔

یروشلم میں بے پناہ کھلبلی مچی ہوئی تھی' حکام بھی اتنے ہی خوفزدہ تھے جتنے کہ امریکہ سے فرار ہو کر یہاں پہنچنے والے اسرائیلی سفارت کار گھبرائے ہوئے تھے۔ انٹیلی جنس کے حکام نے پہلے تو گہری خاموشی اختیار کیے رکھی تاکہ دھچکے کا اثر کم پڑ جائے۔ اس نقصان کی تلافی پر بھی غور ہوتا رہا۔ اس کے بعد مختلف سیکرٹ سروسز کے درمیان ایک دوسری کے خلاف الزام تراشی کی علامات ابھرنے لگیں۔ موساد نے پولارڈ آپریشن کو نوآموز لوگوں کے ہاتھ دے دینے کا شاخسانہ قرار دیا اور کہا کہ اگر یہ معاملہ اس پر یعنی موساد پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ روز بد کبھی نہ دیکھنا پڑتا۔ اس اثنا میں جوناتھن پولارڈ کی طرف سے رافیل ایٹان کے بارے میں لعنت و ملامت کے تیز و تند جملے استعمال ہونے کی اطلاعات ملیں۔ بعدازاں اس نے یروشلم پوسٹ کے نمائندہ وولف بلیزر سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ''رافیل ایٹان انتہائی ناپختہ کار اور مجرمانہ حد تک غیر ذمہ دار شخص ہے۔'' اسرائیلی وزارت خارجہ کے ترجمان ایوائم پینزر کا مختصر ترین تبصرہ یہ تھا..... ''ہمیں تو اس معاملے کا پتہ تک نہیں' اچھا پتہ کرتے ہیں''۔

واشنگٹن کے حکام کا ردعمل شدید حیرت اور آزردگی کا تھا جو صدر ریگن کے اس مختصر

سوال میں مضمر تھا..... ''یہ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' اسرائیل کے وزیراعظم شمعون پیریز اور اس کے وزیر خارجہ اسحاق شمیر پر یہودی امریکی لیڈروں کی طرف سے لعنت و ملامت اور بھیجے ہوئے جملوں کی بارش ہونے لگی تو انہوں نے امریکی وزیر خارجہ جارج شلز کے نام اپنے پیغام میں کہا..... ''ہمیں خود بھی اس پر بڑی حیرت ہوئی ہے''۔ بعدازاں انہوں نے تمام ایجنسیوں کے سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے ان سے استفسار کیا کہ ہم سے کہاں غلطی سرزد ہوئی ہے؟..... مسٹر ایٹان نے کئی توجیہات اور وضاحتیں پیش کیں' جن میں سے بعض خاصی مضحکہ خیز تھیں۔ مثلاً اس نے کہا ''ہم ان دستاویزات میں سے یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کہیں امریکہ اسرائیل کی جاسوسی تو نہیں کر رہا ہے''۔ اس نے یہ تسلی بھی دلائی کہ اس واقعہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ ہم نے امریکی مفادات کے منافی جاسوسی نہیں کی ہے۔ ایٹان نے یہ بھی کہا کہ یہ اس کا محض مفروضہ تھا کہ ''لیکم'' ایسے آپریشن کرنے کی مجاز تھی۔ اس کے مجاز یا غیر مجاز ہونے کا سوال اٹھا ہی نہیں تھا اس لیے اس نے اسے جوں کا توں قبول کر لیا۔

حکومت نے فوری طور پر انکوائری کا حکم دیا۔ جس کے لیے شین بتھ کے ایوراہام شلوم' وزارت خارجہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل حنان بارآن اور شمعون پیریز کے ایک وکیل دوست رام کیسپی پر مشتمل ایک پینل مقرر کیا گیا۔ نومبر میں موصول ہونے والی انکوائری رپورٹ میں کہا گیا کہ پولارڈ' ایک بدقماش ''انٹیلی جنس گیدرنگ یونٹ'' کا محض ایک پرزہ تھا' اور حکومت اس گروہ کی سرگرمیوں سے بالکل بے خبر تھی۔ اسرائیل کی مخلوط کابینہ نے انکوائری رپورٹ سے اتفاق کرتے ہوئے واقعہ کی ساری ذمہ داری قبول کر لی اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ اس واقعہ نے امریکہ کے ساتھ اس کے تعلقات کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ حکومت نے امریکی لاانفورسمنٹ ایجنسیوں کے ساتھ تعاون کا وعدہ کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ کے نتیجے میں جتنی قیمتی دستاویزات حل ابیب لائی گئی ہیں وہ واپس کر دی جائیں گی۔ امریکی وزارت خارجہ نے اس وضاحت اور یقین دہانی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیلی حکام اس واقعہ کی تہہ میں پہنچنے کا وعدہ پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ شمعون پیریز نے اپنے ایک بیان میں امریکی وزیر خارجہ مسٹر شلز کی ضمانت دی کہ ایسے واقعات کا اعادہ کبھی نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بیان میں ''لیکم'' کو توڑ دینے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

امریکہ میں جب تک پولارڈ اپنے خلاف مقدمے کی کارروائی شروع ہونے کا منتظر رہا' امریکہ کا ایک مضبوط قانونی وفد اسرائیل پہنچ گیا تاکہ موقع پر تفتیش کر سکے۔ وفد کی

قیادت وزارت خارجہ کا قانون مشیر ابراہام سوفائر کر رہا تھا' جن لوگوں سے سوال جواب کیا گیا ان میں رافیل ایٹان' یا گور' مس ارب' ریویڈ اور متعدد دیگر عہدیدار شامل تھے۔ سماعت ایک دیہی کلب میں ہوئی۔ اس مرحلے پر اگرچہ کرنل ایوائم سیلا کا کردار بھی زیر بحث آیا لیکن اس کا نام نمایاں طور پر سامنے نہیں آیا۔ کیونکہ اگر اس کا کردار ایک بار ریکارڈ پر آجاتا تو پھر یہ دعویٰ کرنا' ناممکن ہو جاتا کہ یہ آپریشن غیر سرکاری طور پر کیا گیا تھا۔ یہ بات عملاً تسلیم کر لی گئی تھی کہ اتنا اعلیٰ درجے کا اور اتنا معروف شخص اتنے بڑے پیمانے کی جاسوسی نہیں کر سکتا تھا' اگر وہ اس میں ذرہ بھر بھی ''ملوث'' پایا جاتا تو بات خفیہ نہیں رہ سکتی تھی ویسے بھی اسے اس سے پہلے ہی باہر بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ سوال و جواب کے لیے دستیاب ہی نہ ہو۔ حقائق تک رسائی نہ پا کر یہ قانونی ٹیم اتنی برہم ہوئی کہ اس کے سربراہ ابراہام سوفائر نے دھمکی دی اگر مزید معلومات فراہم نہ کی گئیں تو وہ سب کچھ چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔

ادھر ایف بی آئی کا اس وقت کا ڈائریکٹر ولیم ویبسٹر' جس کا ماتحت عملہ پولارڈ پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں کر رہا تھا' اس بات پر برہم ہو رہا تھا کہ اسرائیلی حقائق کو سامنے لانے سے گریز کر رہے ہیں' جو بات ان کی حمایت میں جاتی ہو اس کے بارے میں تو گواہیاں پیش کر دیتے ہیں اور جو خلاف پڑتی ہو اس سے متعلق گواہی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے پاس اس امر کے شواہد پہلے سے موجود تھے کہ اسرائیل جاسوسی کے اس پلاٹ کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے۔ امریکی قانون نافذ کرنے والے اداروں کو چند ماہ کے اندر ''پولارڈ آپریشن'' کی ساری تفصیلات معلوم ہو گئیں اور اس حد کا بھی پتہ چل گیا جہاں تک کرنل سیلا اس میں ملوث ہوا تھا۔ تاہم اسرائیلی گورنمنٹ برابر دعویٰ کرتی رہی کہ اس کی منظوری اعلیٰ ترین حکام کی طرف سے نہیں دی گئی تھی۔ سرکاری ترجمان کا بیان یہ تھا:

''یہ اسرائیل کے طے شدہ پالیسی سے ناجائز اور غیر قانونی انحراف کا واقعہ تھا۔ ہماری پالیسی ہے کہ امریکہ چونکہ اسرائیل کا سچا دوست ہے' اس کے خلاف نہ صرف جاسوسی نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے مفاد کے منافی کوئی دوسری حرکت بھی نہیں کی جائے گی۔''

یہ اظہار تاسف و ندامت' صرف وقتی بلا ٹالنے کے لیے تھا کیونکہ رافیل ایٹان کو ''لیکم'' کی سربراہی اور خصوصی مشیر برائے انسداد دہشت گردی کے عہدے سے برطرف کرنے کے فوراً بعد ایک سرکاری کمپنی ''اسرائیلی کیمیکلز'' کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ اس اقدام

سے' اس سرکاری بیان کی عملاً نفی کر دی گئی کہ ''جاسوسی کے واقعہ کو حکومت کی منظوری حاصل نہ تھی اور جاسوسی کرنے والوں نے امریکہ کے بارے میں سرکاری پالیسی سے انحراف کیا تھا''۔ اس واقعہ میں ملوث شخص کو دوبارہ اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا جانا امریکیوں کی نظر میں اسے جاسوسی کا انعام دینے کے مترادف تھا۔ کرنل سیلا کو اسرائیل کے دوسرے نمبر پر وسیع ترین ایئر بیس' ''ٹیل نوف'' کا کمانڈر مقرر کر دینا بھی اسی سلسلے کی کڑی سمجھا گیا' یہ ہوائی اڈہ امریکی امداد سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے امریکی رائے عامہ مزید مشتعل ہو گئی۔ حکام نے اس تقرر پر احتجاج کے طور پر وہاں کے امریکی عملے کو اڈے کا بائیکاٹ کا حکم دے دیا' اس پر اسرائیلیوں کی آنکھیں کھلیں' انہوں نے کرنل سے جبری استعفیٰ لکھوا لیا' اس کے اپنے بیان کے مطابق ''میں اسرائیل کی بھلائی اور امریکہ سے اچھے تعلقات کی خاطر مستعفی ہوا ہوں۔'' بعدازاں اس کو اسرائیلی ڈیفنس فورسز (IDF) سٹاف کالج کا سربراہ تعینات کر دیا گیا۔ امریکی عدالت نے 3 مارچ 1987ء کو کرنل سیلا پر اس کی غیر حاضری میں فرد جرم عائد کر دی۔ اس پر جاسوسی کے تین واضح الزامات تھے (i) امریکہ کے قومی دفاع سے متعلقہ معلومات منتقل کرنے کی سازش کرنا (ii) دستاویزات کی منتقلی کا سبب بننا اور (iii) غیر قانونی طور پر رازوں کی وصولی۔

اب اسرائیلیوں کو خیال آنا شروع ہو گیا کہ وہ واقعی زیادتی کے مرتکب ہو گئے تھے۔ جوناتھن پولارڈ کے مقدمے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے امریکی وزیر دفاع کیسپر وئنبرگر نے عدالت کے روبرو اپنے حلفی بیان میں' جس کے مندرجات وقتی طور پر مخفی رکھے گئے تھے' کہا کہ مدعا علیہم نے قومی سلامتی کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے ان کے خلاف کارروائی کا' ان الفاظ میں جواز پیش کیا:

''ممکن ہے عدالت پر واضح نہ ہو کہ مدعا علیہم کی سرگرمیوں نے کتنا زیادہ نقصان پہنچایا ہے' اس لیے میں فاضل عدالت میں اپنی تجزیاتی اطلاع پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کی روشنی میں مناسب سزا کا تعین ہو سکے۔ بعض خفیہ نوعیت کی اطلاعات خواہ وہ دوست ممالک ہی کو پہنچا دی گئی ہوں' پھر بھی وہ امریکی مفادات کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہیں' کیونکہ یہ امکان موجود رہتا ہے کہ وہ غیر ارادی مقاصد کے لیے استعمال ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی اطلاعات امریکہ کی ''صلاحیتوں اور علم'' کی تصویر بڑی کر کے پیش کر دیں یا بعض شعبوں میں اس کی کم علمی کا اظہار کر دیں۔ خفیہ معلومات کا جائز تبادلہ ہو رہا ہو تو اس میں ماخذ اور طریق تبادلہ کو تحفظ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواہ طریق تبادلہ انسانی ایجنٹ' یا الیکٹرانک یا

ڈوزیئر ایک دفتر میں رکھا جاتا ہے لیکن جب کوئی غیر ملکی حکومت [illegible] کے لئے معلوم کرنا چاہے تو اس کے لئے معلوم [illegible] حقیقی معلومات نہیں ہوتی۔" دراصل [illegible] جان بوجھ کر [illegible] معلومات کی اس طرح [illegible] حقیقی امریکی اور [illegible] کے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ پولارڈ نے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ اس نے ہائی [illegible] انٹیلی جنس [illegible] اسرائیل کو منتقل کیا ہے اس نے کم و بیش [illegible] خفیہ معلومات [illegible] منتقل کی تھیں۔

حکومت کا خیال تھا کہ اس خفیہ مواد کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے علاوہ اسرائیل امریکہ کی عالمی پالیسی کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس کی ایک مثال تیونس میں تنظیم آزادی فلسطین کے ہیڈ کوارٹر پر اسرائیلی حملے کے بارے میں امریکی مواد کی مدد سے اسرائیلی ہوابازوں نے ان دفاعی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا تھا۔ اس کارروائی کی وجہ سے عرب ممالک میں امریکہ کے دوست ممالک اس سے ناراض ہو گئے۔ امریکہ کو جس نقصان کا سامنا کرنا پڑا [illegible] پولارڈ کی وجہ سے وہ اسرائیل کے ساتھ معلومات کے تبادلے کا ایک موقع کھو بیٹھا۔ چونکہ اسرائیل نے خفیہ معلومات پولارڈ کے ذرائع سے حاصل کی تھیں اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس سے جائز طور پر ملنے والی معلومات میں شریک ہو سکتا۔ اس معاملے کو امریکہ اور اسرائیل کے انٹیلی جنس میں شرکت کے معاہدات کے لئے انتہائی نقصان دہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ جج نے پولارڈ کو عمر قید اور اس کی بیوی "این" کو شریک جرم کے طور پر پانچ سال قید کی سزا دی گئی۔

امریکہ کے لئے سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ اسرائیل کو پہنچائی گئی دستاویزات میں چند قابل شناخت انسانی ذرائع کا ذکر تھا جو امریکہ کو خفیہ اطلاعات فراہم کرتے رہے تھے۔ اب یہ [illegible] تھا کہ ان دستاویزات کی مدد سے اسرائیل انٹیلی جنس میں کام کرنے والے ان لوگوں سے [illegible] کام کرے گا۔ ان میں سے بعض عرب تھے اور ممکن تھا کہ موساد ان کا استعمال بھی کرے اور انہیں خطرے میں ڈال دے۔

پولارڈ نے امریکہ کو مشتعل کرنے اور اسرائیل کے [illegible] پیش کرنے پر پہلے ہوئے پولارڈ کے معاملے کے بارے میں اس کے دل میں گہرے شکوک و شبہات پیدا کرنے کے علاوہ اسرائیل اور [illegible] میں آباد یہودیوں کے باہمی تعلقات پر بھی دور رس اثرات مرتب ہوئے تھے۔ امریکی یہودیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ "مجرم" نے دانستہ طور پر امریکی وفاداری [illegible] چھوڑی

[illegible] میں شک و شبہات کے بیج بونے میں [illegible] شامل ہوا۔ اسرائیل کے بارے میں اب امریکی یہودیوں میں [illegible] ہو گئے تھے۔ جو صیہونی آنکھیں بند کر کے اسرائیل کی ہر بات پر ایمان لاتے تھے "اسرائیل" کی دل و جان سے حمایت کرتے تھے اور اس کی حمایت کرتے رہتے تھے اب ان سے پوچھا جانے لگا کہ تم ان لوگوں کی حمایت میں دلائل دیتے ہو جو ہمارے ہی ملک میں جاسوسی کرتے ہیں۔ اس کے بعد سے بیگن کی حکومت کے اقدامات کڑی تنقید کا نشانہ بننے لگے خاص طور پر جب سے اسرائیل کی حرکتوں کے خلاف عربوں میں مزاحمتی قوتیں سر اٹھانے لگیں یورپ میں بھی اسرائیل کی مخالفت بڑھنا شروع ہوئی۔ پولارڈ کا معاملہ سامنے آنے سے پہلے بھی لبنان پر اسرائیلی حملے کے بعد شکوک سر اٹھانے لگے تھے پھر جب صابرہ اور شتیلا کے قتل عام میں اسرائیلی شمولیت کی خبریں آئیں تو رائے عامہ نے اسرائیل کی مذمت کرنی شروع کر دی۔ جنوبی افریقہ کی نسل پرست انتظامیہ کو اسرائیل کی پشت پناہی حاصل ہوئی تو بیرونی ممالک میں آباد یہودیوں نے اس کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ اسرائیل کو ایک اور دھچکا روسی یہودیوں کی آباد کاری کے معاملے میں بے چینی کا اظہار کرنے پر لگا۔ اس کا اصرار تھا کہ ان لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسرائیل میں آ کر آباد ہوں لیکن امریکہ کے یہودی لیڈروں نے اس دلیل کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ سوویت یونین کو خیر باد کہہ دینے کے بعد ان کا حق ہے کہ وہ جہاں چاہیں جا کر آباد ہوں۔

جب پولارڈ کا مسئلہ پہلی دفعہ سامنے آیا تو نیویارک ٹائمز کے کالم نگار ولیم سفائر نے لکھا: "امریکی یہودیوں کے ساتھ دو بار دغابازی ہوئی ہے۔ ہم میں سے بہت سے امریکیوں کو پہلے اس وقت غصہ آیا جب ہم نے دیکھا کہ ہماری غیر ملکی امداد کے ڈالر امریکی سازوں کی خریداری پر صرف کئے گئے ہیں۔ پھر دوسری بار ہمارے ساتھ اس وقت دغابازی ہوئی جب اتفاق سے عاری اسرائیلی سیاسی ماسٹروں نے مسٹر پولارڈ کی صیہونیت کا استحصال کر کے اسے سازش میں ملوث کر دیا حتیٰ کہ وہ ان کے پیچھے چلتے چلتے قانون کے شکنجے میں پھنس گیا۔" امریکی یہودیوں کی اکثریت کی رائے تھی کہ اسرائیل کا امریکی انٹیلی جنس سروس کے اندر اپنے جاسوس داخل کرنا حماقت، ناعاقبت اندیشی اور پرلے درجے کی حماقت تھی۔ یہ ان کی حکومت کے خلاف ایک مجرمانہ کارروائی کا ارتکاب تھا اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ حرکت کر کے اس نے امریکہ کے ساتھ ان کی حب الوطنی پر مبنی وفاداری کو خواہ مخواہ مشکوک بنا دیا اور ان کی یہاں آئندہ زندگی کو مشکل بنانے کی کوشش کی ہے۔

کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم (سی بی ایس) نیوز اور نیویارک ٹائمز نے 1987ء میں رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے ایک سروے کیا تو امریکیوں نے کہا کہ پولارڈ کے واقعہ سے ان کے تعلقات پر پڑنے والے برے اثرات زیادہ عرصہ تک برقرار نہیں رہیں گے۔ جب یہ سوال یہودیوں سے پوچھا گیا تو بھاری اکثریت نے جواب دیا کہ امریکی یہودی اسرائیل کے مفادات کو امریکہ کے مفادات پر ترجیح نہیں دیتے۔ اسرائیل اور امریکہ کے مشترکہ مفادات کا تقاضا تھا کہ اس دھچکے کو برداشت کر لیا جائے اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور باہمی تعاون پر اس کے منفی اثرات نہ پڑنے دیئے جائیں دونوں ملک چونکہ ایک ہی جیسے سیاسی' اقتصادی اور فوجی مقاصد رکھتے ہیں اس لیے اتنا شرمناک سکینڈل بھی ان کے مشترک مفادات کو گزند نہ پہنچا سکا۔ لیکن یہ اشتراک مفاد ان کے درمیان بداعتمادی اور باہمی شکوک کو کچھ عرصہ تک طاری رہنے سے نہ روک سکا۔

امریکی انٹیلی جنس کے حکام نے امریکہ کے اندر اسرائیلی خفیہ اداروں کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کئی واقعات کا حوالہ دیا ہے جن میں غیر یہودی امریکی شہریوں نے اسرائیل سے ہمدردی کے جذبے کے تحت خفیہ معلومات ان تک پہنچا دیں۔ جسٹس ڈیپارٹمنٹ کی انٹرنل سیکورٹی کے ایک سابق سربراہ جان ڈیوٹ (Davitt) نے یہاں تک کہا کہ امریکہ میں اسرائیلی انٹیلی جنس سروسز' روسی کے جی بی کے بعد سب سے زیادہ فعال اور سرگرم پائی گئیں..... انہوں نے آدھا وقت امریکہ کو ہدف بنانے پر صرف کیا اور آدھا وقت عرب ممالک کو نشانہ بنائے رکھا۔

پولارڈ کے واقعہ کے بعد اسرائیلیوں پر اپنی سیکرٹ سروسز پر "غور و فکر" کا ایک اور "دورہ" پڑا' چنانچہ مزید تفتیش کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس حقیقت سے کہ تمام آرمڈ سروسز نے پولارڈ کو اپنی اپنی شاپنگ لسٹیں دی ہوئی تھیں' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو لازماً معلوم تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اگر اس جاسوس کو موساد نہیں چلا رہی تھی (جیسا کہ دعویٰ کیا گیا تھا) تو پھر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی روایتی مستعدی کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی اور اس نے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کہ اسی سروس کی ایک اور برانچ..... "لیکم"..... کن مشاغل میں مصروف تھی؟

1987ء میں حکومت کی دو رپورٹوں میں اسرائیل کی سیکرٹ سروسز کی قیادت' نگرانی اور انتظامی کنٹرول کے معاملات' سیاستدانوں کے بس سے باہر ہونے کی شدید مذمت کی گئی

تھی۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہاں اقتدار کی کرسی پر اسحاق شمیر اور شمعون پیریز باری باری براجمان ہو رہے تھے۔ دونوں اپنی اپنی پارٹیوں کے مفاد کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے مخلوط حکومت کا انتظامی کنٹرول بے حد کمزور تھا' اس لیے منہ زور تنظیمیں اور ادارے من مانیاں کر رہے تھے۔ جیسا کہ شمعون پیریز نے ایک دفعہ کہا تھا..... "ہم دراصل ایک ہی حکومت کے اندر بیٹھ کر ایک دوسرے کے خلاف انتخابی مہم چلا رہے ہیں"۔ ایسے حالات میں یہ بات باعث حیرت نہ تھی کہ انٹیلی جنس سروسز نے معاملات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ بھی قومی مفاد میں سمجھتیں' کر ڈالتی تھیں' بدقماشی کی مہمیں (Rogue Operations) بھی ان کے شتر بے مہار ہونے کا ثبوت تھیں۔ متعدد ممتاز اسرائیلی رہنماؤں نے ان سرکاری اداروں پر ریاستی کنٹرول کے فقدان کی مذمت کی تھی۔ ان میں ممتاز ماہر قانون اور سابق اٹارنی جنرل اسحاق زمیر بھی شامل تھا جس نے کہا..... "سیکورٹی سروسز کی سرگرمیوں پر سیاسی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے بڑی خوفناک صورتحال جنم لے رہی ہے' پولارڈ جیسی حرکتوں کا اعادہ نہیں ہونے دینا چاہیے۔ یہ سروسز جتنا اسرائیل کو نقصان پہنچا رہی ہیں' اتنا خود بھی اٹھا رہی ہیں"۔

✿ ✿ ✿ ✿

ڈائمونا

جب اسرائیلی لیڈر ملک کو ایٹمی دور میں لے جانے پر کمربستہ ہو گئے تو انہوں نے موساد کے آزمودہ کار عملے کو بھی ایک نئی دنیا کے تقاضوں کے مطابق ڈھلنے اور قومی توقعات پر پورے اترنے کا حکم دے دیا۔ یہ مہم اس لحاظ سے تو نئی تھی کہ ان سے کچھ ایسے کام لیے جانے والے تھے جن سے وہ اب تک آشنا نہیں تھے لیکن اس کے طریقے اور ''آداب'' وہی تھے جن سے وہ بطور سیکرٹ ایجنٹ اچھی طرح واقف تھے۔ اسرائیل کو پہلا ایٹمی پلانٹ قائم کرنے کے لیے خام مال کی ضرورت تھی جو غیر قانونی طور پر لانا تھا' اور یہ کام موساد ہی کر سکتی تھی جو دوسری اقوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ناجائز اسلحہ سمگل کرنے میں بدنامی کی حد تک ماہر ہو چکی تھی۔ اب اس سے ایٹمی صنعت کے لیے بڑے پیمانے پر یورانیم ڈھونے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کے کارکن ایک بار پھر اپنے پرانے حربوں کو آزمانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مواد کا استعمال مغرب میں امریکہ' برطانیہ اور فرانس تک محدود تھا جو ایٹمی کلب کے ارکان تھے۔ اس دیوار کی دوسری جانب روس اور چین تھے وہ بھی اسی کلب کے ارکان تھے۔ کسی حد ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ چھوٹے ممالک کو ایٹمی قوت تک رسائی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کلب نے ایٹمی اسلحے کا پھیلاؤ روکنے کے لیے یورانیم کی نقل و حمل پر کڑی پابندی لگا دی تھی جس پر عملدرآمد کے لیے بین الاقوامی ایجنسیاں مامور کر دی گئی تھیں۔ لیکن فوجی قوت بڑھانے کے لیے ایٹمی صلاحیت کے حصول کی اہمیت اسرائیل پر بھی اسی طرح واضح تھی جس طرح مسلم دنیا کے بعض ممالک اس کی اہمیت سے آگاہ تھے۔ اسرائیل ان سے پہلے ایٹمی قوت بننے کا تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے یورانیم کی ایک معقول مقدار حاصل کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تا کہ وقت آنے پر ایٹمی اسلحہ بنایا جا سکے۔ اسرائیل کے ایٹمی

پروگرام کی بنیادیں آزادی کے فوراً بعد قائم کر دی گئی تھیں۔ اس کا پہلا صدر خائم ویزمین خود ایک ممتاز بائیو کیمسٹ تھا' اس نے ملک کے اہم سائنسی اداروں میں ایک سپیشل نیوکلیئر فزکس ڈیپارٹمنٹ قائم کر کے اسرائیلی سائنس دانوں کو اس شعبے میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ یہ ڈیپارٹمنٹ اسی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ یہ نہ صرف صدر مملکت کی بلکہ دیگر بانیان ریاست کی بھی شدید خواہش تھی کہ ملک میں ایک ایٹمی ری ایکٹر تعمیر ہونا چاہیے۔ اس کے لیے موزوں ترین جگہ صحرائے نجف تھا جہاں یورانیم کے ذخائر پہلے ہی دریافت ہو چکے تھے۔ ''ڈائمونا نیوکلیئر سنٹر'' کے قیام کا جواز ملک کی بڑھتی ہوئی ایندھن کی ضرورت کے حوالے سے بھی موجود تھا۔ کیونکہ یہاں ایندھن کے روایتی ذرائع نہیں تھے۔ ماہرین زور دے رہے تھے کہ نیوکلیئر پاور کا انتظام ہونے سے سمندر کے کھاری پانی کو آبپاشی کے قابل بنانے کے پلانٹ (Desalinization Plant) کی ایندھن کی ضروریات بھی بطریق احسن پوری ہو جائیں گی۔

ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کا رسمی فیصلہ 1955ء میں ہو گیا تھا لیکن 1967ء کی چھ روزہ جنگ کے بعد اس میں نمایاں پیشرفت ہونے لگی کیونکہ امریکہ نے اسرائیل کے لیے اسلحہ کی سپلائی منقطع کر دی تھی اور روس عربوں کو دھڑا دھڑ اسلحہ دے رہا تھا۔ وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین نے اپنے ایک پالیسی بیان میں کہا تھا کہ اسرائیلی ریاست کو اپنے دفاعی ریسرچ پروگرام کی ضرورت ہے تا کہ ہم دوبارہ قربانی کے دنبے بننے سے محفوظ رہ سکیں۔

پروجیکٹ شروع کرنے کے لیے جس سائنس دان کا انتخاب عمل میں آیا وہ ارنسٹ ڈیوڈ برگمین تھا جو البرٹ آئن سٹائن کے ماتحت کام کر چکا تھا۔ وزارت دفاع کے سائنسی مشیر کے طور پر برگمین نے پروجیکٹ کے لیے یہودی سائنس دانوں کے انتخاب میں مدد دی۔ 1957ء میں ایک یا دو ایٹمی پلانٹوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا اور ڈائمونا کی تنصیبات کو ایٹم بم بنانے کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ شمعون پیریز جو اس وقت بن گورین کی ٹیم کا تیز طرار اور فعال ترین رکن تھا فرانسیسی حکومت کے ساتھ متواتر رابطوں اور لابی کی بدولت ڈائمونا میں ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر کے لیے مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1956ء میں جب گائی مولے کی سوشلسٹ حکومت ''سویز آپریشن'' کی منصوبہ بندی کرنے لگی تو وہ اس کے وزراء کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہا تھا۔ اس طرح، پوری ذہنی ہم آہنگی قائم ہو گئی تو اس نے ایٹمی امداد کا موضوع چھیڑ دیا۔

سویز آپریشن میں اسرائیلی مدد حاصل ہونے کے جواب میں فرانس کا وزیر دفاع

بورجز مانوری' بالآخر اس پر رضامند ہوگیا اور گائی مولے کے زوال کے بعد وزیراعظم کا منصب سنبھالنے کے بعد بورجز مانوری اور اس کے وزیر خارجہ نے ایک خفیہ ترین دستاویز پر دستخط کیے جس کے تحت اسرائیل کو ایک 24 میگاٹن کا ری ایکٹر' مع اس کے لیے مطلوبہ تربیت اور حسب ضرورت یورانیم بھی فراہم کردیا گیا۔ اسرائیل کی جانب سے معاہدے پر شمعون پیریز اور ایک معمر انٹیلی جنس آپریٹر اشر بن ناتن نے بطور نمائندہ وزارت دفاع دستخط ثبت کیے۔ معاہدے کو اتنے اخفا میں رکھا گیا کہ صرف 9 افراد کو اس کا علم تھا۔ 1958ء میں جب فرانس میں جنرل ڈیگال برسراقتدار آیا تو یہ پروگرام خطرے میں پڑ گیا۔ نئے صدر کو اسرائیل کے پاس ایٹمی ری ایکٹر موجود ہونے میں کوئی معقولیت دکھائی نہیں دے رہی تھی چنانچہ اس نے دو سال بعد ڈیوڈ بن گورین سے وعدہ لیا کہ یہ ری ایکٹر خالصتاً پُرامن مقاصد کے لیے استعمال ہوگا۔

ڈائمونا پروجیکٹ انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا' شمعون پیریز نے اس کے لیے ایک خصوصی ایٹمی انٹیلی جنس ایجنسی قائم کی تھی۔ نجف کا سارا علاقہ موساد اور شین بھ کی زیرحفاظت تھا جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ انہیں پلانٹ پر حملے کا اتنا خوف رہتا تھا کہ ایک بار ملٹری کمانڈر نے ایک اسرائیلی ایئرفورس کے ایک طیارے کو شوٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا جو ایک فضائی جھڑپ میں نقصان اٹھا کر واپس لوٹتے ہوئے ڈائمونا ایئرسپیس کی طرف آرہا تھا اور اس کی صحیح طور پر شناخت نہیں ہوسکی تھی کہ یہ اپنا ہے یا نہیں ہے۔

اتنے زبردست حفاظتی انتظامات کے باوجود اسرائیل اس پلانٹ کو امریکہ کی تیز نگاہوں سے اوجھل نہ رکھ سکا۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ مشرق وسطیٰ میں ایٹمی اسلحہ کا پھیلاؤ تو شروع ہوچکا ہے۔ ڈائمونا کا راز 1960ء میں اس وقت فاش ہوا جب امریکی یو۔2 جاسوس طیارے نے انتہائی بلندی سے اس کی تصویر لے لی۔ روس بھی اس صورت حال سے بےخبر نہ تھا۔ تاہم اسرائیل اصرار کیے جارہا تھا کہ یہ زیرتعمیر عمارت' ایک ٹیکسٹائل پلانٹ کی ہے۔ جبکہ کنیسٹ (پارلیمنٹ) کو بتایا گیا کہ صحرائی ایٹمی ری ایکٹر محض تحقیقی مقاصد کے لیے قائم کیا گیا ہے' وہاں ایٹمی اسلحہ تیار نہیں ہوگا۔

امریکی یورانیم کی چوری

ایک اور اجلاس میں یورانیم کی سپلائی کے متبادل ذرائع پر غور کیا گیا' اس اجلاس میں ارنسٹ ڈیوڈ برگمین اور ایسر ہیرل (موساد کا سربراہ) میں شریک تھے جبکہ امریکہ سے

معاملات طے کرانے کے لیے ایک صیہونی یہودی ڈاکٹر زلمان شاپیرو کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ یہ شخص دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ اور برطانیہ کے قائم کردہ مین ہٹن پروجیکٹ میں ریسرچ کیمسٹ تھا' اسی پروجیکٹ کے تحت پہلا ایٹم بم بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر شاپیرو کو امریکہ میں اسرائیل کا سائنسی مشیر مقرر کردیا گیا تھا۔ اس نے 1957ء میں ''نیومک'' (نیوکلیئر میٹریلز اینڈ ایکوپمنٹ کارپوریشن) نام سے وہاں ایک فرم قائم کردی جس کے لیے سرمایہ اسرائیل نے فراہم کیا تھا۔ تاہم سی آئی اے اس بات پر بہت مضطرب تھی کہ پنسلوانیا میں کارپوریشن کے ہیڈکوارٹر میں غیرملکی افراد کو انتہائی خفیہ دستاویزات اتنی آسانی سے کیسے دستیاب ہوگئیں اور اسے ڈاکٹر شاپیرو کا جلدی جلدی اسرائیل جانا اور واپس آنا بھی بری طرح کھٹکتا رہا اور وہ بے حد خفیہ اطلاعات سے اس کی ڈیلنگ پر بھی پیچ وتاب کھاتی رہی مگر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کیسے گرفت میں لائے۔ اٹامک انرجی کمیشن نے پلانٹ میں سے 206 پاؤنڈ افزودہ یورانیم غائب ہونے کی یقیناً تحقیق کی تھی مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا:..... ''اگرچہ یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ چوری یا منتقلی نہیں ہوئی ہے' سروے سے ان امکانات کی کوئی شہادت نہیں ملی۔'' اس دوران ''نیومک'' نے کام بند کردیا۔ سی آئی اے کو اپنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ 10 سال میں 200 پاؤنڈ سے زیادہ یورانیم غائب ہوئی تھی۔ اس میں سے کچھ حصہ خفیہ طور پر اسرائیل پہنچا دیا گیا۔ کارپوریشن کو 10 لاکھ ڈالر جرمانہ کردیا گیا۔

1967ء کی جنگ کے بعد یورانیم کی سپلائی روکنے کے امریکی قوانین سخت کردیے گئے' اس لیے اسرائیل کے لیے اس کا حصول زیادہ مشکل ہوگیا۔ جنگ نے صدر ڈیگال کے طرزعمل میں بھی ڈرامائی تبدیلیاں پیدا کردیں۔ سویز کے معاملے کے بعد فرانس اسرائیل کو فوجی امداد دینے پر رضامند ہونے والا پہلا ملک تھا کیونکہ جب تک الجزائر کا جھگڑا جاری رہا' یہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے فطری حلیف رہے لیکن تنازعہ ختم ہوجانے کے بعد ڈیگال نے اسرائیل کے ساتھ دوستی برقرار رکھنے کو عربوں کے ساتھ مصالحت کی راہ میں سنگین رکاوٹ پایا۔ جنرل ڈیگال نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس نے اسرائیل کے ساتھ ایٹمی تعاون بالکل ختم کردیا تھا۔ لیکن فرانسیسی ہائی کمشنر برائے ایٹمی قوت فرینکوائے پیر بن نے ایک پبلک بیان میں اعتراف کیا کہ فرانس 1957ء میں یورانیم تیار کرنے کے سلسلے میں ایک ری ایکٹر تعمیر کرنے پر رضامند ہوگیا تھا' اس نے کہا ''ہمارا خیال تھا کہ اسرائیل کے ساتھ ہمارا یہ خفیہ تعلق

روسکتا ہے بشرطیکہ اسرائیل رازداری کو برقرار رکھ سکتے ہوں۔''

یورانیم بھری ٹرکوں کا اغوا

جنرل موشے دایان جیسے سینئر کمانڈر دفاع کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کا ذخیرہ رکھنا ناگزیر ضرورت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب فرانس نے اصل معاہدۂ تعاون میں ردوبدل کر دیا تو مائیر امیت نے، جو اس وقت تک ایسر ہیرل کی جگہ موساد کا سربراہ بن چکا تھا، فیصلہ کرلیا کہ وہ ہر قیمت پر اور ہر حال میں ایٹمی مواد اور ایٹمی فزکس میں ہونے والی جدید ترین پیش رفت سے متعلق معلومات حاصل کرتا رہے گا خواہ ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ روکنے کا بین الاقوامی کنٹرول کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ مقصد یہ تھا کہ اسرائیل کم از کم 20' ایٹم بموں کے لیے درکار یورانیم ضرور حاصل کرے گا۔ چنانچہ موساد کی ماہرانہ خدمات میں زبردست اضافہ کر دیا گیا اور ماہرین سے کہہ دیا گیا کہ ڈائمونا پروجیکٹ کو ہر قیمت پر خام مال ملتے رہنا چاہیے۔ اسکے لیے انہوں نے جو طریقے اختیار کیے ان کی تفصیل امریکی رسالے ''رولنگ سٹون'' میں بتائی گئی ہے۔ ہاورڈ کوہن اور باربرا نیومین نے اپنی سٹوری میں بتایا کہ ''انسٹی ٹیوٹ'' نے ایک سپیشل یونٹ قائم کیا جسے ہدایت کی گئی کہ یورانیم خواہ کہیں سے بھی ملے حاصل کیا جائے' اس مقصد کے لیے یورپ میں ایک فرضی کمپنی قائم کردی گئی۔ ان صحافیوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک اسرائیلی ٹیم نے آنسو گیس کے کنستروں سے مسلح ہو کر فرانسیسی سڑکوں پر رواں' یورانیم سے لدے متعدد ٹرکوں کو اغوا کرلیا۔

اسرائیل نے امریکہ میں جو حرکت کی تھی وہ یورپ میں بھی کر ڈالی۔ یعنی موساد نے ہی وہاں ایک ڈمی کمپنی قائم کردی۔ اس دفعہ اس کا سربراہ' جرمن ایئرفورس کے سابق پائلٹ ہربرٹ شلزین کو مقرر کیا گیا جو ویزبادن میں قائم ایک ناکام کیمیکل کمپنی ''اسمارا کیمی'' کا پارٹنر تھا۔ اس سے ایک اسرائیلی ایجنٹ ایلیجاہ سخاروف نے ملاقات کرکے بتایا کہ وہ بیلجنگ کے کچھ آئلوں کا متلاشی ہے۔ ہربرٹ شلزین کا کوڈ نیم (اشاراتی نام) ''نازی پائلٹ'' تھا کیونکہ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس نے ''لوفتواف'' میں خدمات انجام دی تھیں اسی حوالے سے اسے یہ نام دے دیا گیا۔ اس کا ان دنوں ایک آپریشن ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ صحت یابی کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ موساد نے اسے صحت یابی کے دن اسرائیل میں گزارنے کی دعوت دی جو اس نے بخوشی قبول کرلی۔ وہیں اس سے بزنس کی بات کی گئی۔ بہرحال ایک خاص قیمت

لے کر وہ اپنی کمپنی کو یورانیم کی خریداری کے لیے بطور فرنٹ استعمال کرنے کی اجازت دینے پر رضامند ہوگیا۔

مارچ 1968ء میں شلزین نے بلجیم کی ایک کمپنی ...... ''سوسائٹی جنرل ڈی میرا'' سے رابطہ کیا جس کے پاس زائرے کی کانوں سے درآمد شدہ یورانیم آکسائیڈ کا خاصا سٹاک پڑا ہوا تھا۔ اس نے کمپنی کے یورانیم ڈویژن کے نائب سربراہ ڈینس ڈیوز سے کہا کہ اسے یہ میٹرل' اپنی فیکٹری میں پیٹروکیمیکلز کی تیاری میں بطور عمل انگیز مادہ (Catalyst) استعمال کرنے کے لیے درکار ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے کاسابلانکا (مراکش) لے جایا جائے گا۔ ڈینس ڈیوز کچھ شش و پنج میں پڑ گیا کیونکہ اس نے اس قسم کے ''عمل انگیز مادے'' کا کبھی نام نہیں سنا تھا۔ تاہم معاہدہ طے پا گیا جس پر ویزبادن میں شلزین کے گھر میں دستخط ہوئے۔ سودا 85 لاکھ جرمن مارک کے عوض ہوا اور ادائیگی ایک سوئس بینک کے ذریعہ ہوئی۔ ڈیویز نے یہ معلوم ہونے پر حیرت کا اظہار کیا کہ ''جرمن کمپنی' اتنا چھوٹا سا معاملہ ہے۔''!

موساد جس بات کو ملحوظ نہ رکھ سکی وہ یہ تھی کہ یورانیم کو قانونی طور پر مراکش لے جانے کے لیے یورپین اکنامک کمیونٹی (EEC) کی ایجنسی ''یوراٹم'' اجازت لینے کی ضرورت تھی۔ یہ ایجنسی تابکار مادوں کی نقل و حمل پر کنٹرول کے لیے قائم کی گئی تھی۔ اس پر موساد کے سپیشل یونٹ کے اندر جھگڑا اچل پڑا کہ اس اہم نقطے پر توجہ کیوں نہیں دی گئی؟ اس کے نتیجے میں ایک سینئر کنٹرولر کا فوراً تبادلہ کرکے اسے کسی اور جگہ بھیج دیا گیا۔ بعدازاں جلدی جلدی ایک اور منصوبہ بنایا گیا جس کے مطابق یورانیم اٹلی پہنچا دی گئی۔ وہاں میلان کی ایک ''سائیکا'' نامی کمپنی کے مالک فرانسیسکو سرٹیریو سے استدعا کی گئی کہ وہ اسے ''پروسیس'' کردے۔ اس کی فیکٹری نے پہلے ایسا کام کبھی نہیں کیا تھا' تاہم بہت زور دینے اور خطیر رقم کے عوض وہ راضی ہوگیا۔ اس کے لیے اسے خصوصی آلات خریدنا پڑے۔

منصوبہ یہ تھا کہ بلجیم سے خام مال' بذریعہ بحری جہاز اٹلی لے جایا جائے گا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسے وہاں ''پروسیس'' کیا جائے گا' یہ اقدام اس لیے قانونی تھا کہ بلجیم اور اٹلی دونوں ''یورپین کامن مارکیٹ'' کے ارکان تھے۔ اس میں واحد دشواری یہ تھی کہ سفر کا اتنا حصہ جہاز کو کامن مارکیٹ کے سمندر سے پرے ہٹ کر طے کرنا تھا۔ موساد نے اس بات پر جوا کھیلا کہ قانون کی اس شق کی خلاف ورزی کو اٹامک کنٹرول اتھارٹیز چیک نہیں کرسکیں گی۔ اس کا یہ اندازہ صحیح نکلا کوئی انسپکٹر خلاف ورزی چیک کرنے نہیں پہنچ سکا۔

دوسری طرف لائبیریا میں رجسٹر شدہ ایک 1062 ٹن وزنی جہاز ''شیرز برگ'' ہیمبرگ میں ایک لاکھ 60 ہزار پاؤنڈ نقد ادا کر کے خریدا گیا' اس کا خریدار ایک ترک تھا جس کا نام ''برہام بریسال'' بتایا گیا۔ یہ جلت میں قائم کردہ کمپنی جو اسے آپریٹ کرنے لگی تھی ''بسکین ٹریڈرز'' کے طور پر رجسٹر ہوئی تھی' اس کے چیئرمین کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ایک ڈنمارک نژاد اسرائیلی ایجنٹ ہے جس کا نام ڈین اربل ہے۔ اکتوبر میں یہ جہاز کیپٹن ''پری بارو'' کی زیر کمان آزمائشی سفر پر نیپلز کے لیے روانہ ہوگیا۔ کیپٹن پری بارو کو اس کے ماسٹر نے جو سرٹیفکیٹ جاری کیا تھا' اس میں اسے لندن کا رہائشی 35 سالہ جوان ظاہر کیا گیا' لیکن درحقیقت وہ اپنے دیگر ارکان عملہ کی طرح موساد کا ایک ایجنٹ تھا۔ اسے صرف اس وقت مشکل پیش آئی جب ''یوراٹم'' کے جرمن افسر ''ہرفلیکس اوبوسیئر'' نے اس سے عجیب اور غیر متوقع سوال کر ڈالا کہ کیا اٹالین کمپنی اس یورانیم کو واقعی بطور ''عمل انگیز عامل'' (Catalyst) استعمال کر سکتی ہے؟ تاہم اس نے اپنے اوسان کو بحال رکھتے ہوئے اسے یقین دلا دیا کہ ہاں ایسا کر سکتی ہے۔ مہینہ ختم ہونے پر ٹیم یہ سگنل دینے میں کامیاب ہوگئی کہ آپریشن ''پلامبیٹ'' شروع کرنے کے لیے سب کچھ تیار ہے۔

لفظ ''پلامبیٹ'' یورانیم کے تمام 560 بیرلوں پر اس وقت پینٹ کیا گیا تھا جب وہ بحری جہاز ''شیرز برگ'' میں شلزین کی زیرنگرانی لوڈ کیے جا رہے تھے۔ جہاز 15 نومبر کو اینٹورپ سے اٹلی کی بندرگاہ جینووا کے لیے روانہ ہوا تھا لیکن وہاں کبھی نہیں پہنچا اور اس کی بجائے دو ہفتے بعد مشرق کی جانب بحیرہ روم کے پار ایک اسرائیلی ٹینکر کے پاس آ لگا جو قبرص کے ساحل سے کچھ فاصلے پر اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ''پلامبیٹ'' بیرلز اس پر منتقل کر دی گئیں اور وہ انہیں لے کر حیفہ کی اسرائیلی بندرگاہ پر پہنچ گیا جہاں سے یہ ''ڈائمونا'' پہنچا دیے گئے۔ چنانچہ کابینہ کے فیصلے کے چودہ ماہ کے اندر موساد نے وہ کام کر دکھایا جس کے لیے کہا گیا تھا'' کہ ایٹم بم کے لیے درکار میٹریل ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کر لیا جانا چاہیے۔''

دسمبر تک ''شیرز برگ'' دوبارہ دکھائی نہیں دیا' پھر ترکی کی بندرگاہ سکندرون میں پہنچ گیا۔ اس کی لاگ بک میں سفر کے آخری دو ہفتے ریکارڈ نہیں ہوئے۔ کیپٹن بارو اور اس کے عملے کا بھی کوئی نشان نہیں ملا اور جب انٹرنیشنل شپنگ ریکارڈ کی تلاشی لی گئی تو انکشاف ہوا کہ کیپٹن بارو ایک فرضی شخص تھا جو اس آپریشن کے لیے ''ایجاد'' کیا گیا تھا۔ یورپین اٹامک کنٹرول آرگنائزیشن ''یوراٹم'' نے یہ ''دریافت'' کرنے پر سات ماہ لگا دیے کہ شیرز برگ میں

لدا ہوا سامان فی الواقع ''غائب'' ہوگیا ہے۔ پولیس انکوائری یہ معلوم کرنے میں ناکام ہوگئی کہ اصل میں کیا ہوا تھا؟ اس میں ملوث کمپنیوں نے بیان ریکارڈ کرانے سے بالکل انکار کر دیا۔ بالآخر یورپین کمیشن نے معاملے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ یہ ایک راز ہی رہے اور کسی کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنے۔

موساد کے کمانڈرز اپنے آپریشن کی کامیابی پر مطمئن تھے۔ ڈین اربل کو منصوبے کی کامیابی میں مؤثر کردار ادا کرنے پر ترقی دے کر ناروے میں تعینات کر دیا گیا۔ وہ چونکہ ڈنمارک ہی میں پلا بڑھا تھا اس لیے وہ موساد کے ان ایجنٹوں میں سے تھا جو سکنڈے نیویا ہی میں خوش رہتے تھے اور اسے 1971ء میں اسی بنا پر علی حسن سلامے کو تلاش کرنے والی ٹیم کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ سلامے میونخ کے قتل عام کا منصوبہ ساز تھا۔ اس کی تلاش کی مہم اس لیے ناکام ہوگئی تھی کہ غلط فہمی کی وجہ سے ٹیم کے ہاتھوں ناروے کا ایک اور آدمی ہلاک ہوگیا تھا۔ اس آپریشن کی ناکامی کے بعد جو ''ایجنٹ'' گرفتار کیے گئے تھے' ان میں ڈین اربل کے سوا کوئی اور نہ تھا اور یہی واقعہ تھا جس کی وجہ سے پلومبیٹ کے معاملے میں اس کا پہلے کا کردار عوام کے سامنے آ گیا تھا۔

موساد کے بھرتیوں کے شعبہ کے ذمہ دار حکام کو اگرچہ معلوم نہیں تھا کہ ڈین اربل ایک نفسیاتی مرض ''خوف محصوری'' (Claustrophobia) کا مریض تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران ڈر کے مارے کافی وقت ایک تنگ و تاریک جگہ پر بند رہ کر گزارا تھا' ناروے کی پولیس نے اسے ایک رات کوٹھڑی میں محبوس رکھنے کے بعد جب اس سے تفتیش شروع کی تو وہ معقولیت کی حد سے بھی بڑھ کر تعاون کرنے والا گواہ ثابت ہوا' اس نے اعتراف کیا ''شیز برگ میرا اپنا جہاز تھا''۔ حیرت زدہ تفتیشی افسر نے تھوڑا دباؤ اور ڈالا تو اس نے کہا...... ''اس میں یورانیم لوڈ کر کے اسرائیل پہنچائی گئی تھی۔'' اس طرح ساری کہانی ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے آ گئی۔ موساد نے شیز برگ کو دوسری بار 1969ء میں' فرانس کی بندرگاہ ''شیربرگ'' سے پانچ گن بوٹس چوری کرنے کے لیے استعمال کیا۔ اس جہاز کی دوبارہ فنڈنگ کی گئی تھی۔ اس کی ملکیت بسکین ٹریڈنگ شپنگ کارپوریشن کے پاس تھی اور اس کا مالک ڈین اربل تھا۔ ان گن بوٹوں کو سپین کی بندرگاہ ''کورونا'' کے قریب کھلے سمندر کو دوبارہ ایندھن اسی ''شیز برگ'' نے فراہم کیا تھا۔

گولڈ میئر کا تاریخی اعتراف

موساد کو اس بات کا یقیناً کریڈٹ ملتا تھا کہ وہ بم سازی کے پلانٹ کے ایندھن کے لیے ڈالمونا کے سائنس دانوں کو کافی مقدار میں سمگل شدہ یورانیم مہیا کرتی رہی لیکن بعد میں جب وہاں کے سائنس دانوں نے یورانیم کو موقع پر افزودہ کرنے کا نیا طریقہ دریافت کرلیا تو اس کے لیے موساد کی مدد کی ضرورت نہ رہی۔

اسرائیل میں یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی حکومتوں کی یہ پالیسی رہی کہ وہ اسرائیل کے پاس ایٹمی اسلحہ کی موجودگی کا انکار کرتی رہیں لیکن 1969ء میں وزیراعظم گولڈا میئر سے واشنگٹن میں امریکی صدر نکسن نے پوچھا کہ کیا اسرائیل کے پاس ''خطرناک کھلونے'' موجود ہیں تو اس نے چھپانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی اور جواب میں ''ہاں'' کہہ دی۔ اس جواب کی صداقت کا مزید ثبوت یوم کپور کی جنگ میں پیدا ہونے والے فوجی بحران کے دوران ملا۔ مصر اور شام کی فوجیں گولان کی پہاڑیوں کی طرف سے مسلسل آگے بڑھ رہی تھیں۔ شمالی محاذ کے کمانڈر جنرل اسحاق ہوفی کو یقین ہوگیا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ موشے دایان کو بھی یقین ہوگیا کہ آخری ہتھیار استعمال کرنے کا وقت آچکا ہے۔ صحرائے نجف کی سرنگوں میں ذخیرہ شدہ ایٹمی ہتھیار چلانے کے لیے تیار کرلیے گئے۔ یہ چوبیس گھنٹے قیامت کے لمحات محسوس ہونے لگے۔ ادھر کابینہ اس فیصلے کی سنگینی پر غور کررہی تھی' ادھر ''فنٹم'' اور ''کفر'' جیٹ طیاروں میں ایٹمی ہتھیار لادے جارہے تھے۔ یہ اقدامات امریکہ اور سوویت یونین دونوں کے علم میں آگئے کیونکہ وہ مواصلاتی سیاروں کے ذریعے مسلسل مشاہدہ کررہے تھے۔ روس نے دھمکی دی کہ وہ ایٹمی وار ہیڈز اور میزائل مصر کو بھیج رہا ہے' جواباً امریکہ نے بھی دھمکی دے دی۔ عالمی طاقتوں کو یوں دوبدو پاکر' صورتحال میں ٹھہراؤ آگیا۔ تاہم اسرائیل کے راز طشت ازبام ہوگئے۔

⚙ ⚙ ⚙ ⚙

''اسلامی بم'' اور اسرائیلی ری ایکٹر

اسرائیلی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو موساد نے ایٹمی اسلحہ کے لیے درکار مواد حاصل کرکے زبردست حب الوطنی کا مظاہرہ کیا تھا اور سائنس دانوں نے اس کی مدد سے ملکی دفاع کو مضبوط تر بنالیا۔ 1973ء کے موسم خزاں میں رونما ہونے والے ایٹمی بحران کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ اسرائیل عربوں کی پیش قدمی سے بچنے کے لیے اپنا آخری ہتھیار استعمال کرڈالے گا۔ لیکن اسرائیلی انٹیلی جنس دیگر پہلوؤں سے ایٹمی مسئلے میں پھنس گئی تھی۔ اپنے ملک کو ایٹمی قوت بننے میں مدد دینے کے بعد اس کے سامنے اس سے بھی بڑا چیلنج یہ تھا کہ عربوں کو کسی طرح بھی ایٹمی ہتھیار دستیاب نہ ہونے دیے جائیں۔ موساد سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا کہ جب کوئی حوصلہ مند قوم یورانیم اور اس کی پروسیسنگ کے لیے ری ایکٹر حاصل کرنا چاہے تو اس کی راہ میں کیا مشکلات ہوتی ہیں اور اس میں حائل بین الاقوامی قوانین کو کیسے جھکایا جاسکتا ہے۔ اس نے خفیہ ذرائع سے جو کچھ اپنے ملک کے لیے حاصل کیا تھا اس کی کوشش تھی کہ عرب ممالک بھی وہی ذرائع استعمال کرکے وہی کچھ حاصل نہ کرلیں۔ یہ محسوس کیا جارہا تھا کہ نام نہاد ''اسلامی بم'' بنالیا گیا تو اسرائیل کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔ چنانچہ ''موساد'' اور ''امن'' کا فرض بن گیا وہ اسلامی بم کو کسی قیمت پر حقیقت نہ بننے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ان کی ذمہ داری بن گئی کہ وہ شین بتھ سے گہرا رابطہ قائم کرکے قوم کی ایٹمی ریسرچ کے رازوں کو غیرملکی جاسوسوں کے ہاتھ نہ لگنے دیں۔

پاکستان کو خاص طور پر شبے کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا کیونکہ اس کے سائنسدانوں میں ایٹمی ہتھیار بنانے کے لیے مطلوبہ سائنسی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہ بات بھی مشہور تھی کہ برصغیر ہند میں کافی ایٹمی ریسرچ ہوچکی ہے' یہ اطلاعات بھی مل رہی تھیں کہ ایٹمی

پروجیکٹ کے لیے درکار سرمایہ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک فراہم کر رہے ہیں۔ دیگر اسلامی ممالک کی طرف سے بھی خطرات سامنے آ رہے تھے۔ لیبیا کے صدر معمر قذافی نے اپنے اس عزم کا کھلم کھلا اظہار کر دیا تھا کہ وہ ایٹمی ہتھیار بنائے گا' ایسا نہ ہو سکا تو خرید لے گا۔ اس نے کئی بار ایسا کرنے کی کوشش بھی کی تھی یا ایسے دوست ممالک کو فنڈز فراہم کیے تھے جو اس کے لیے ایٹمی اسلحہ تیار کر سکتے تھے یا کر رہے تھے۔

فوری خطرہ عراق کی طرف سے تھا۔ یہ ملک 1970ء کے عشرے میں' صدر صدام حسین کی زیر قیادت ایک طاقتور فوجی مملکت کے طور پر ابھرنے لگا تھا جس سے یہ گمان پیدا ہو گیا تھا کہ عراق ایٹمی ہتھیار بنانے والا پہلا عرب ملک ہوگا۔ اس نے فرانس سے 70 میگاواٹ کا ''اوسیریس'' (Osiris) ری ایکٹر خریدا تھا جو اس وقت دنیا کے جدید ترین تجرباتی ماڈلوں میں سے ایک تھا۔ اسے دوسرا ری ایکٹر ''ایسیس'' (Isis) بھی جلدی ملنے والا تھا' جس کی تنصیب کے لیے بغداد کے قریب جگہ کا تعین ہو گیا تھا۔ ان پر کل لاگت 27 کروڑ 50 لاکھ ڈالر آئی تھی اس میں 12 کلوگرام یورانیم کی قیمت بھی شامل تھی یہ 93 فیصد تک افزودہ تھی۔ یہ ''ویپن گریڈ'' ایندھن تھا جس سے تین یا چار ایٹمی ہتھیار بن سکتے تھے۔ اس معاہدے پر 1976ء میں دستخط ہوئے تھے' اس کے بدلے میں عراق نے فرانس کو تیل سپلائی کرنے اور اس سے روایتی ہتھیار خریدنے کی پابندی قبول کی تھی۔ فرانس کے لیے تیل سپلائی کی ضمانت حاصل کرنا اس لئے بہت ضروری تھا کہ یوم کپور کی جنگ کی وجہ سے دنیا میں تیل کا بحران آ چکا تھا' چنانچہ جاک شیراک کی فرانسیسی حکومت نے ری ایکٹر دے کر عراق سے تیل کے لیے معاہدہ کر لیا۔

صدر جسکارڈ ڈی ایستانگ نے معاہدے پر دستخطوں کے موقع پر یہ بات خاص طور پر کہی..... ''مذاکرات کے دوران میں نے ذاتی طور پر اس امر کی ضمانت حاصل کی کہ مشرق وسطیٰ میں ایٹمی ہتھیار متعارف نہ کرائے جائیں''۔ فرانس اور عراق کی جانب سے انکار کے باوجود' بغداد کی ایٹمی تنصیبات کا مقصد ہی اسلحہ تیار کرنا تھا اور اسرائیل کو بھی یقین تھا کہ صدر صدام حسین عراق کو پہلا ایٹمی عرب ملک بنانے کا خواہشمند ہے۔ ایسا ہونے سے وہ ''آقائے مشرق وسطیٰ'' بن کر ابھرے گا۔ ایٹم بموں کا ڈھیر لگا لینے کے بعد وہ اس خطے کے سارے ممالک کو خوفزدہ رکھے گا۔ اس کا اولین نشانہ اسرائیل ہوگا اس کے بعد وہ ایران اور مشرق کی جانب کے ممالک کا رُخ کرے گا۔

اسرائیل کو تشویش تھی اگر اس عرب ملک نے اپنے ایٹمی ہتھیار بنا لیے تو پھر اسرائیل کے لیے اپنے ''آخری ہتھیار'' کے استعمال کی دھمکی دینا بے اثر ہو جائے گا۔ چنانچہ موساد اور وزارت خارجہ نے عراق کے ایٹمی منصوبے پر خاص نگاہ رکھنا شروع کر دی اور اس کے فیلڈ ایجنٹوں اور سفارت کاروں نے ایک لحاظ سے ''چور شکاری'' ہونے کے باوجود ''محافظ شکارگاہ'' کا روپ دھار لیا۔ وہ اس گیم کے دونوں پہلوؤں سے آشنا تھے۔ انہوں نے چھپ چھپ کر ایٹمی مواد خریدا تھا اور خفیہ اسلحہ سمگل کر کے صحرائے نجف میں پہنچانے کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کیے تھے اور اس سلسلے میں انہیں جو تجربات حاصل ہوئے تھے' وہ انہیں یہاں ہمسایہ عرب ملکوں پر آزمانا چاہتے تھے تاکہ ان طریقوں کو اختیار کر کے کہیں وہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

فرانس میں اسرائیل نواز سائنسدان اور ٹیکنیشن اب بھی موجود تھے جو اس دور میں اس کے ساتھ فنی تعاون کرتے رہے تھے جب دونوں ملک ایک دوسرے کے حلیف ہوا کرتے تھے' لیکن جب ڈیگال کے برسر اقتدار آنے کے بعد پالیسی تبدیل ہو گئی اور اس سے فنی تعاون ختم کر دیا گیا تو بعض سائنسدانوں اور ٹیکنیشنوں کی پرانی دوستیاں پھر بھی برقرار رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موساد کی ٹیکنیکل ٹیم کو فرانس اور عراق کے معاہدے کی تمام تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ بغداد میں اس کے آدمی شروع ہی سے اسے ایٹمی تنصیبات کے بارے میں صحیح اطلاعات پہنچا رہے تھے۔ یہ تنصیبات دارالحکومت سے چودہ میل کے فاصلے پر ہی تو تھیں۔ عربوں کے اداروں کے اندر گھس کر ان کے بارے میں جاننا' انٹیلی جنس سروس کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ بغداد سے تو اس نے خصوصی روابط رکھے ہوئے تھے۔ بغداد کے سیاسی سوچ رکھنے والے عناصر کی اکثریت صدر صدام حسین کے ایٹمی کلب میں داخل ہونے کی مخالف تھی اور وہ ہر قیمت پر اسے باز رکھنا چاہتی تھی۔

فرانسیسی تعمیراتی کمپنی ''سی این آئی ایم'' (کانسٹرکشن نیوالیز ایٹ انڈسٹریلیز ڈی لا میڈی ٹیرینین) نے طولون کے مقام پر 1979ء کے موسم بہار میں عراق کے آرڈر پر دو ایٹمی ری ایکٹروں کی ''کورز'' پر کام بالآخر مکمل کر لیا۔ ان کے اصل نام قدیم مصری دیوتاؤں ''ایسس'' اور ''اوریس'' کے ناموں پر تھے اب ان کے نام..... ''تموز۔1'' (Tamuz-1) اور ''تموز۔11'' رکھ دیئے گئے۔ صدر صدام نے یہ تبدیلی صدر سادات اور مصر سے متعلقہ سب چیزوں سے اظہار نفرت کے طور پر کی تھی کیونکہ اس نے اسرائیل سے امن پر مبنی تعلقات قائم

کر لیے تھے۔ اب یہ ری ایکٹر طولون (فرانس) سے عراق منتقلی کے لیے بالکل تیار تھے۔ یہ واقعہ کہ کنٹینرز برآمد کے لیے بالکل تیار تھے اور ڈاک سائیڈ بلڈنگ کی ورکشاپ نمبر 3 میں مقفل کر کے رکھے ہوئے تھے' یہ صیغہ راز کی باتیں تھیں جو صرف فرانسیسی ٹیکنیشنوں اور سائنسدانوں کے ایک منتخب گروپ تک ہی محدود رہنی چاہئیں تھیں لیکن اتنی مضبوط سکیورٹی موساد کو ان معلومات تک رسائی حاصل کرنے سے نہ روک سکی۔ فیکٹری کے اندر موجود ذرائع نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اسے بتا دیا گیا کہ 8 اپریل کی رات کو ری ایکٹر کے اجزاء ٹرکوں پر لوڈ کر کے ''ماری'' (Marseilles) پہنچائے جائیں گے جہاں انہیں منتظر بحری جہاز پر لاد کر عراق پہنچا دیا جائے گا۔ ان معلومات کی روشنی میں موساد کی ایک ٹیم' دو دن پہلے ہی فیکٹری کے اندر پہنچ گئی اور پلاسٹک بموں سے نیوکلیئر ایکومینٹ کے اہم ترین اجزاء دھماکہ کر کے اڑا دیئے۔ یہ قدرتی بات تھی کہ اسرائیل کی سیکرٹ سروس اپنی فتح کا دعویٰ کرنے سے باز رہی لیکن فرانسیسی پولیس نے بعد میں اپنی تفتیش مکمل کرتے ہوئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں چھوڑا کہ یہ حرکت موساد کی تھی۔ ایک ایجنٹ نے جو بعد میں سروس سے علیحدہ ہو گیا تھا انکشاف کیا کہ اس کام کا نام ''آپریشن بگ لفٹ'' رکھا گیا تھا۔

پولیس کے تفتیش کنندگان نے ایک تین رکنی اسرائیلی ٹیم کا سراغ لگایا جو دھماکے سے دو روز قبل بذریعہ طیارہ پیرس سے طولون کی قریب ترین ایئرپورٹ پر پہنچی تھی۔ رپورٹ کے مطابق یہ لوگ 4 اپریل کو رات کی آخری پرواز سے آئے۔ تینوں نے الگ الگ ہوٹلوں میں قیام کیا اور انہوں نے اپنی شناخت کے لیے فرانسیسی دستاویزات دکھائیں اور کرایہ بھی پیشگی ادا کر دیا۔ طولون ریلوے سٹیشن پر سے انہیں ایک ''رینالٹ 12'' میں سوار کرایا گیا اور قصبے کے باہر ایک کرایہ پر لیے گئے ولا میں پہنچا دیا گیا جہاں' ان سے پہلے آئے ہوئے چار دیگر افراد بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔

اگلے روز پیرس سے آنے والی تین رکنی ٹیم نے لاسین کے مقام پر پہنچ کر فیکٹری کے گرد و پیش کا ابتدائی معائنہ کیا اور چند لوگوں سے ملاقات کر کے یہ معلوم کر لیا کہ ایک گارڈ نصف شب کو اور دوسری صبح تین بجے فیکٹری کا راؤنڈ کرتی ہے۔ جب چھاپے کی آخری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ساتوں افراد' دو ٹرکوں پر سوار ہو کر گوداموں کے واٹر فرنٹ پر پہنچے۔ وہاں ایک اونچی دیوار تھی جس پر وہ ''بریز بلاکوں'' کی مدد سے چڑھے' یہ بلاک اسی مقصد کے تحت وہ ہمراہ لائے تھے۔ پھر انہوں نے الارم سسٹم کو ناکارہ بنایا' جس کے بعد ان کا کام اس لیے

آسان ہو گیا کہ ان کے پاس گودام (شیڈ) کی ڈپلیکیٹ چابی تھی اور اندر ان کا مطلوبہ میٹریل موجود تھا۔

تفتیشی عملہ نے موقع کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ ملزموں نے ایکومینٹ کو بارود سے اڑانے سے قبل' باقی باڈی سے الگ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے پولیس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اصل میں ملزموں کو ری ایکٹر کی ''کوروں کے چند ضروری پارٹس'' چوری کر کے اسرائیل پہنچانے کے آرڈرز ملے ہوئے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ کاروں کی بجائے ٹرکوں میں ڈاک یارڈ آئے تھے۔ اور چونکہ سب ٹکڑوں کو الگ الگ کر کے ہٹانے کے لیے ان کے پاس کافی وقت نہ تھا یا اس میں کوئی اور دقت بھی پیش آ رہی ہو گی تو انہوں نے ہنگامی طریقہ استعمال کیا اور پلاسٹک بموں کو کام میں لا کر موقع پر ہی اہم کل پرزوں کو تباہ کر دیا۔ ٹیم نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ صرف عراق کو پہنچائے جانے والے میٹریل کو نقصان پہنچے۔ ری ایکٹر کے ان اجزاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیا گیا جو بلجیم اور مغربی جرمنی کو جانا تھے۔

حملے کے بعد اسرائیلی ٹیم کے تین ارکان حیفہ جانے والے ایک بحری جہاز پر بطور ارکانِ عملہ واپس گئے جبکہ باقی چار ایجنٹ گھر واپس لوٹنے سے پہلے کئی ماہ تک فرانس میں مقیم رہے۔ انہوں نے ایک کام یہ بھی کیا کہ اپنے پیچھے غلط شواہد چھوڑے تا کہ فرانسیسی پولیس کی توجہ کو منتشر کر دیا جائے۔ یہ ایسے کیا گیا کہ چند گمنام ٹیلی فون کالیں کی گئیں جن میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ سبوتاژ ''فرانسیسی تحفظِ ماحول گروپ'' نے کرایا ہے۔ ایٹمی اسلحہ چونکہ تابکاری پھیلاتا ہے اس لیے یہ اس کی طرف سے ایک احتجاجی اقدام ظاہر کیا گیا۔ حالانکہ اس نام کا کوئی گروپ فرانس میں موجود نہ تھا۔

حملے سے بغداد کے لیے تیار شدہ دونوں ری ایکٹروں کو شدید نقصان پہنچا' ان کا اندازہ تھا کہ صدام حسین کا ایٹمی پروگرام کم از کم دو سال کے لیے مؤخر ہو جائے گا۔ فرانسیسی حکومت نے تحقیقات کرائی اور مرمت وغیرہ کا کام بھی شروع کر دیا مگر اس دوران عراقیوں پر زور دیا کہ وہ اس کی بجائے ایک دوسرے ماڈل کا ری ایکٹر قبول کر لیں جو ''ویپن گریڈ'' یورانیم کی بجائے کم گریڈ کے یورانیم پر کام کرے گا۔ اس پر یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ ورکشاپ میں دھماکہ فرانسیسیوں نے خود کرایا تھا تا کہ اعلیٰ درجے کا ری ایکٹر نہ دینا پڑے؟ یہ حملہ موساد کی بڑی ہوشیاری سے کی گئی کارروائی تھا اور وہ اس سے جو نتائج حاصل کرنا چاہتا تھا' وہ برآمد ہو گئے۔

ایٹمی سائنسدان کی پُراسرار موت

ادھر بغداد میں بھی ایٹمی ری ایکٹر کے لیے مطلوبہ ڈھانچے کی تعمیر کا کام سست پڑ گیا' اس واقعہ سے حکومت کے جوش و خروش میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ ایک اور پراسرار واردات نے حکومت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا' وہ یہ تھی کہ 1980ء کے موسم گرما میں ایک 48 سالہ مصری ایٹمی سائنسدان پروفیسر یحییٰ المشہد کی مسخ شدہ لاش پیرس کے ایک ہوٹل کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ یہ فیشن ایبل ہوٹل ''محرابِ فتح'' (Arc de Triomphe) کے قریب واقع ہے۔ اسے ڈنڈوں اور چاقوؤں سے حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ مرحوم ایک چوٹی کا ایٹمی سائنسدان تھا جس نے پہلے امریکہ میں اور بعد میں ماسکو میں تربیت پائی تھی اور اس وقت عراقی نیوکلیئر اتھارٹی کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت کام کر رہا تھا اور فرانس میں فرنچ اٹامک ایجنسی کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا ہوا تھا۔ اس کی موت کی خبر فرانسیسی وزارت خارجہ کے آرڈر پر چار دن تک چھپائے رکھی گئی۔ اس پر اسرائیل کی جانب سے تبصرہ ایک نشریے کے طور پر آیا جس میں انتہائی پھوہڑپن کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اتنا کہا گیا کہ ''وہ چند گنے چنے عرب ماہرینِ طبیعیات میں سے تھا جو نیوکلیائی مہارت رکھتے ہیں' اس کی موت عراق کے ایٹمی اسلحہ کی تیاری میں دو سال کی تاخیر کا باعث بنے گی۔'' فرانسیسی پولیس نے کیس رجسٹر بند کر دیا' کوئی گرفتاری عمل میں نہ آ سکی لیکن موساد کے ایجنٹوں پر مضبوط شبہ تھا' کیونکہ تمام قرائن اسی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

مناخم بیگن کی حکومت اس پر مطمئن نہ تھی کہ اسلامی ایٹم بم کی تعمیر روکنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کر لیے گئے ہیں۔ اسرائیل کے ایک فوجی نامہ نگار زیف شیف نے ڈیلی ہارٹز میں اپنے ایک آرٹیکل میں اس بات پر اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا کہ ''اس شعبے میں عربوں کی پیشرفت روکنے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنی چاہیے اور اقدامات کرنے میں تاخیر سے بھی کام نہیں لیا جانا چاہیے۔'' مضمون کا اختتام اس جملے پر ہوا کہ ''اسرائیل کو سیاسی شعبے کے علاوہ دوسرے شعبوں میں بھی اپنی مساعی بروئے کار لانی چاہئیں۔''

عراق میں متعدد ''واقعات'' اور ''حوادث'' رونما ہوئے' جن کے پیچھے اسرائیل کا ہاتھ ہونا یقینی سمجھا گیا' کیونکہ کسی عرب ملک کو اس سے دشمنی نہ تھی اور کوئی اور مسلم ملک اسے گزند نہیں پہنچانا چاہتا تھا جبکہ اسرائیل کی عراق دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی اور اس کا

سب بھی ہر کسی پر واضح تھا۔ 1980ء کے موسم خزاں میں دو فٹم جیٹ طیاروں نے بغداد کے قریب تموز ریسرچ سنٹر پر راکٹ پھینکے۔ ان طیاروں پر اگرچہ ایرانی فضائیہ کے نشانات تھے' لیکن یہ نشانات عراق کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کا حصہ تھے۔ سب اس راکٹ باری کے مقصد کو جانتے تھے۔ یہ اسرائیلی فضائیہ کی کارستانی تھی اور اس کا مقصد ان فرانسیسی سائنسدانوں کو خوفزدہ کر کے بھگانا تھا جو وہاں کام میں مصروف تھے۔ عراق میں چھوٹے پیمانے پر چھاپہ مار کارروائیاں بھی ہوئیں اور سبوتاژ کے آپریشنز بھی ہوئے۔ جو زیادہ تر ایٹمی تنصیبات کے ایریا میں ہوئے۔ موساد ان جگہوں کی جاسوسی کرتی اور اسرائیلی فضائیہ بتائے ہوئے مقامات کو نشانہ بناتی تھی۔ اس سے اگلے سال اسرائیلی فضائیہ نے پوری تیاری کے ساتھ ایک بھرپور کارروائی کی' وہ یہ تھی کہ پندرہ ایف 16 طیاروں نے جن کی حفاظت ایف 15 کر رہے تھے دریائے دجلہ کے کنارے نیچی پرواز کر کے ''دورہ'' کے ری ایکٹر کمپلیکس پر شدید بمباری کی۔ ایٹمی تنصیبات پر یہ اس کا پہلا فضائی حملہ تھا اور اس کی کامیابی سے اندازہ ہوا کہ پائلٹوں کو ان کے اہداف کے بارے میں کتنی صحیح بریفنگ دی گئی تھی۔ چیف آف ایئر فورس میجر جنرل ڈیوڈ ایوری کا دعویٰ تھا کہ ہر بم اپنے مقررہ ہدف پر ہی لگا۔ اس حملے کی ٹائمنگ' موساد کے ایجنٹوں کی فراہم کردہ اس اطلاع پر مبنی تھی کہ یہ ری ایکٹر تین ماہ کے اندر ''چالو'' ہونے والا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس کے چالو ہونے کی نوبت آنے سے پہلے ہی اسے تباہ کر کے بغداد شہر سے قریب کے علاقوں کو ایٹمی تابکاری کی زد میں آنے سے بچا لیا جائے۔ اسرائیل کے ایک سرکاری ترجمان نے اپنے ایک بیان میں کہا..... ''ایسے ذرائع نے جن کی صداقت ہر قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ہے' ہمیں بتایا ہے کہ یہ ری ایکٹر' صرف اور صرف ایٹم بم بنائے گا اور اسرائیل ان بموں کا یقینی ہدف ہوگا۔''

''انسٹی ٹیوٹ'' نے نہ صرف ان تنصیبات کے تفصیلی نقشے فراہم کیے بلکہ پائلٹوں کو ان کی ایئر ڈیفنس کی پوزیشنیں بھی صحیح صحیح بتا دیں جس کی وجہ سے جیٹ طیاروں نے کوئی نقصان اٹھائے بغیر کارروائی مکمل کی۔ یہ حملے انتہائی زیرکی اور احتیاط کے ساتھ کیے گئے' کیونکہ وہاں فرانسیسی ٹیکنیشن اور سائنسدان کام کر رہے تھے' اسرائیلی انہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ ان کے ورک شیڈول کا پہلے ہی پتہ چلا لیا گیا تھا۔ مناخم بیگن نے کہا:

''ہم نے جو کچھ کیا' اپنے دفاع کی خاطر کیا۔ ہم نے فرانسیسیوں کو متنبہ کیا تھا کہ وہ عراقیوں کو اس نوعیت کا سامانِ حرب فراہم کرنے کا

سلسلہ جاری نہ رکھیں۔ ہمیں ناگزیر کارروائی کرنا پڑی۔ کیونکہ ہمیں ملنے
والی اطلاع میں کہا گیا تھا کہ عراقی اس مواد سے چار یا پانچ ایٹم بم بنا
لیں گے۔ میں پچھلے دو سال سے ڈراؤنے خواب دیکھتا آیا ہوں۔''
اسرائیلی اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ اسرائیلیوں کو اس ڈراؤنے خواب سے
موساد ہی نے بچایا تھا۔

عوامی جاسوس

اسرائیلی عوام اور خاص طور پر وہ لوگ جو سراغ رسانی اور جاسوسی کی بے سروپا
داستانیں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں وہ انہی کہانیوں کو پسند ہیں جن کا انجام خوشگوار ہو اور اختتام
''ہنسی خوشی'' کے کسی نئے کارنامے پر ہوتا ہو لیکن جب یہ بتایا گیا ہو کہ اسرائیل خود بھی
جاسوسی کا نشانہ بنا تھا اور جاسوس اس وقت پکڑا جا سکا تھا جب وہ بہت سے راز چوری کر چکا تھا'
ایسی کہانیاں سن کر ان کے چہرے لٹک جاتے ہیں۔ چنانچہ مارچ 1988ء میں جب یروشلم کی
ایک عدالت نے ''مورد ے خائی وینونو'' کو سنگین نوعیت کی جاسوسی کا مرتکب قرار دیا تو وہ زیادہ
خوشی کا اظہار نہیں کر سکے۔ اس 32 سالہ مراکشی نژاد پر دغابازی اور صحرائے نجف کے ڈائمونا
نیوکلیئر سنٹر سے متعلقہ خفیہ معلومات اکٹھی کرنے کے الزامات عائد کیے گئے تھے۔ وہ وہاں 19
سال تک بطور ٹیکنیشن کام کرتا رہا تھا۔ وہ ایک مخصوص قسم کا جاسوس تھا اسے اس کام پر کسی
حریف انٹیلی جنس سروس نے مامور نہیں کیا تھا' وہ یہاں کی خفیہ باتیں ایک ایک کر کے لندن
کے اخبار سنڈے ٹائمز کو فراہم کر رہا تھا جس نے 1986ء میں اس کی فراہم کردہ خفیہ معلومات
شائع کر کے' ساری دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ اس سنسنی پر بہت موٹی سرخی لگائی گئی تھی۔
''اسرائیل کے ایٹمی اسلحہ کے ذخائر کا انکشاف''۔

عدالت نے اسے 18 سال قید کی سزا سنائی تھی' ایک اخبار کو محض ایک خبر بتا دینے پر
دی گئی یہ سزا' بہت سے لوگوں کے نزدیک اس کے ساتھ، خاصی زیادتی تھی لیکن یہ اسرائیل کے
لیے اس لیے سنگین جرم تھا کہ وہ سرکاری طور پر تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ اس کے پاس
''آخری ہتھیار'' بھی موجود ہے' اس معاملے میں وہ بے حد و بے حساب حساس تھا۔ اس نے تو
خفیہ ذرائع سے ایک خفیہ ہتھیار بنایا تھا' وینونو اس کے بارے میں ایسے شواہد منظر عام پر لے آیا

تھا' سٹوری پڑھنے والے شخص کو اس کی ایٹمی صلاحیت کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک نہیں رہ سکتا تھا' یہ انکشافات اس شخص نے کیے تھے جو اس کی دفاعی تنصیبات کے قلب کے اندر کام کرتا رہا' مزید براں اس نے تو مع تصاویر کے اپنے دعوے کا ثبوت پیش کر دیا تھا۔

اس کی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق 1957ء میں جن فرانسیسی انجینئروں نے شروع میں ڈائمونا پلانٹ تعمیر کیا تھا انہوں نے ریت میں ایک 25 میٹر گہرا گڑھا کھودا تھا اور اسی میں ایک یونٹ دفن کر دیا تھا جسے ''میچون۔2'' کا نام دیا گیا' اس میں انہوں نے وہ ٹیکنالوجی نصب کی تھی جس کے بارے میں صدر ڈیگال نے کہا تھا کہ ''فرانس نے اسے یہ ٹیکنالوجی دینے سے انکار کر دیا ہے''۔ وینونو کا دعویٰ تھا کہ صحرائے نجف کے آخری سرے پر تعمیر شدہ بے ڈھنگی سی عمارت کے نیچے ایک وسیع اور گہری حویلی ہے جس کی دیواریں عام عمارت کی دیوار سے چھ گنا اونچی ہیں۔ ایٹمی ہتھیاروں کے اجزاء اس کے اندر ہی جوڑ کر جنگ میں قابلِ استعمال حالت میں لائے جاتے ہیں' اس نے انتہائی مستند انداز میں ڈائمونا کے اندر انجام پانے والے پلوٹونیم کے عملِ استخراج کے مراحل کی تفصیلات بتائیں' جو بے حد خفیہ طریقے سے موساد کے لائے ہوئے خام تابکار مواد کے استعمال سے ہو رہا تھا۔ وینونو کی پیش کردہ تفصیلات' زبردست سیاسی اہمیت کی حامل تھیں' جن کے مطابق اسرائیل کے پاس کم و بیش ایک سو ایٹمی ہتھیار تھے اس لحاظ سے وہ ''اٹامک لیگ ٹیبل'' میں امریکہ' روس' برطانیہ' فرانس اور چین کے بعد چھٹے نمبر پر بڑا ایٹمی ملک بن چکا تھا۔ اس کے پاس ایسے آلات بھی تھے کہ وہ نیوٹران یا ہائیڈروجن بم بھی بنا سکتا تھا۔ اس نے ''ایٹمی بونا'' ہونے کے مفروضے کو عملاً مسترد کر کے اپنے ملک کو ایٹمی اسلحہ خانے میں تبدیل کر دیا تھا۔ وینونو کے انکشاف کے مطابق اسرائیلی سائنس دان اب ایک نئے پروگرام پر کام کر رہے تھے جس کا کوڈ نام ''آپریشن ہمپ'' تھا' اس کے تحت وہ تھرمونیوکلیئر (انتہائی اونچے درجہ حرارت پر نیوکلیئس کے انفجار پر مبنی) ہتھیار بنانے میں مصروف تھا۔

اس وقت اسرائیل میں مخلوط حکومت قائم تھی جو ملک کے سربستہ رازوں کو ایک اخبار کے کالموں میں چھپا ہوا پا کر سخت پریشان ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد اس سے بہت بڑے اخبار سنڈے ٹائمز نے بھی تھوڑی بہت ہچکچاہٹ کے ساتھ' پورے طمطراق سے خبر چھاپ دی۔ اس وقت وینونو لندن میں تھا اور اخبار نے متعدد ماہرین کو بلا کر' اس سے سوال جواب کرائے تاکہ اطمینان کر لیا جائے کہ یہ اطلاع کہیں ڈھکوسلہ تو نہیں ہے۔ جن ماہرین نے وینونو کے فراہم

کردہ کاغذات اور تصاویر کی جانچ پڑتال کی ان میں پینٹاگون کے ایٹمی اسلحہ ٹیسٹ پروگرام کا سابق سربراہ تھیوڈور ٹیلر بھی شامل تھا' اس نے اس موقع پر اعلان کیا:

''اس معاملہ میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ اسرائیل کم از کم ایک عشرہ سے ایٹمی اسلحہ بردار ریاست بنی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کی جتنی رپورٹوں میں اس کی ایٹمی صلاحیت کا اندازہ کیا گیا تھا' یہ صورتحال اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر سال دس ایٹمی ہتھیار بنا سکتا ہے۔''

مورد، خائی وینونو اسرائیل سے مشرق بعید کے لیے روانہ ہوا تھا' اس نے اپنے دوستوں کو اپنے دورے کا جو مقصد بتایا وہ یہ تھا کہ وہ ''اپنے آپ کو تلاش'' کرنا چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ وہ آسٹریلیا میں رہا جہاں اسے بطور عیسائی بپتسمہ دیا گیا۔ چرچ کی سرگرمیوں کے سلسلے میں اس کی ملاقات کولمبیا کے ایک فری لانس جرنلسٹ سے ہوئی جسے اس نے ڈائمونا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اس جرنلسٹ کا نام آسکر گوریرو تھا' اس نے اسے پیشکش کی کہ وہ اس کی سٹوری کے عوض اخبارات سے خاصی رقم دلوا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں جب اس نے اخبارات سے رابطہ قائم کیا تو بات نکل کر موساد تک پہنچ گئی' غالباً آسٹریلین سیکرٹ سروس نے اس میں کوئی کردار ادا کیا ہوگا۔ جب وینونو کو لندن طلب کیا گیا تو اس کے وہاں پہنچنے سے قبل لوگوں کو اس کی حرکات کے بارے میں کافی کچھ معلوم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کی واپسی کے منتظر تھے۔

ڈائمونا کے بارے میں انکشافات کی اشاعت کے چند روز کے اندر وینونو لندن سے غائب ہو گیا اور اس کے فوراً بعد یہ خبریں شائع ہونے لگیں کہ اسے موساد نے اغوا کر لیا ہے۔ اس پر آسٹریلیا کا پادری ریورنڈ جان میکنائیٹ' جس نے اس کے روحانی مسئلے کا حل تلاش کیا تھا بذریعہ طیارہ اسرائیل پہنچا تاکہ پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کیا بیتی ہے؟ اس دوران لندن کا وہ اخبار بھی پریشان ہو گیا' جس نے وینونو سے اسرائیلی ایٹمی اسلحہ کی تفصیل معلوم کی تھی۔

دوسری جانب اسرائیلی حکام' سیکورٹی سروس پر برس پڑے کہ ڈائمونا کے حفاظتی انتظامات میں یقیناً کوئی بہت بڑی خرابی موجود ہے جس کی وجہ سے ایک ٹیکنیشن نے ایٹمی تنصیبات کے ٹاپ سیکرٹ حصوں کی اتنی ساری تصویریں بنا لیں اور وہ کیمرہ لے کر ان حصوں میں کھلے بندوں گھومتا رہا' اس سے کوئی بھی پوچھ گچھ کرنے والا نہ تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے خفیہ

کتابچوں اور دستاویزات میں سے نقشے بنانے اور بعض چیزوں کی نقول تیار کرنے کا موقع بھی مل گیا اور جب وہ جنوری 1986ء میں آسٹریلیا پہنچا تو اس کے پاس اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے نوٹس اور ڈایمونا کے اندرونی حصوں کی 57 تصاویر بھی موجود تھیں' ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ کیا وہ واقعی ایک پُراسرار شخص تھا؟ وہ ان محافظوں کی نظر سے کیسے بچ نکلا جن کی ہوشیاری ایک ضرب المثل بن چکی تھی اور وہ اسرائیلی دفاعی رازوں کو مقدس ترین امانت سمجھ کر ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

پہلا ردعمل' سیکورٹی سروسز کی سنگین نااہلی پر اس کی شدید مذمت کرنا تھا' جو اتنا زبردست نقصان پہنچانے پر قادر ہونے سے پہلے کسی کے نوٹس میں نہ آ سکا۔ اسرائیلی جو پھونک پھونک کر قدم رکھنے اور ہر چیز کو مشکوک سمجھنے کے عادی چلے آ رہے تھے' انہیں سونگھ لینا چاہیے تھا کہ ان میں ایک اتنا ناقابل اعتبار ٹیکنیشن موجود تھا جو عام گفتگو میں بھی ایٹمی پھیلاؤ پر اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وینونو نے خود بھی اعتراف کیا کہ اس سے اس کے بائیں بازو کے رجحانات کے بارے میں تین دفعہ پوچھ گچھ کی جا چکی تھی۔ وہ جب اسرائیل سے باہر گیا تو اس کے پاس کافی دستاویزات وغیرہ تھیں مگر ائیر پورٹوں اور بحری بندرگاہوں پر تعینات عملے کی تیز نگاہوں سے بچ نکلا' یہ عملہ دہشت گردوں کو تو تلاش کرتا رہتا تھا مگر ان دستاویزات کی طرف ان کی نظر ہی نہیں گئی۔ تل ابیب ائیر پورٹ پر کڑی تلاشی ایک معمول ہے مگر وہ حیرت انگیز طور پر ان کی دستبرد سے بچ نکلا۔

بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ وینونو کو یہ سب کچھ کرنے کا موقع موساد نے اپنی ایک خاص حکمت عملی کے تحت دیا تھا' تاکہ چھپ چھپا کر نکل جانے والی خبروں سے دنیا کو اسرائیل کی ایٹمی صلاحیتوں کا پتہ چل سکے اور ساتھ ہی عربوں کو انتباہ ہو جائے کہ وہ آئندہ اس پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں۔

بہرحال نکتہ چینی کا نشانہ بننے والی ایجنسیوں میں سرفہرست شین بتھ تھی جو مجموعی سیکورٹی کی ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے ڈایمونا کے رازوں کی حفاظت کی بھی ذمہ دار تھی۔ ارکان کنیسٹ (پارلیمنٹ) نے ''غدار'' کی نشاندہی کرنے میں اس کی ناکامی پر اس کے سخت لتے لیے۔ چنانچہ اس کی تطہیر شروع کر دی گئی۔ اس کے سینیئر سیکورٹی آفیسر کو فوراً برطرف کر دیا گیا۔ جب وینونو کی ذاتی زندگی سامنے آئی تو پتہ چلا کہ وہ اکثر اپنے آپ میں گم رہتا تھا۔ کبھی وہ عیسائی ہو جاتا' کبھی کمیونسٹ اور کبھی تنظیم آزادئ فلسطین کا حامی بن جاتا۔ اسکے یہ تینوں قابل اعتراض روپ' اسرائیل کے اندر رہتے ہوئے باری باری رونما ہوئے تھے۔ یہ بات بھی

منظر عام پر آئی کہ وہ غیر مستقل مزاج کیریکٹر کا آدمی ہے' ایسے آدمی کو ایٹمی تحقیق کے سنٹر میں ملازمت کے قابل کیوں سمجھ لیا گیا تھا؟

اس کے بعد توجہ اس نقطے پر مبذول ہو گئی کہ وینونو اچانک کہاں غائب ہو گیا ہے۔ وہ کافی دنوں سے لندن کے ماؤنٹ بیٹن ہوٹل میں مقیم تھا اس کے بعد اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ واشنگٹن سے نیوز ویک نے سنسنی خیز چھاپی کہ شمعون پیریز نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران ہی موساد کو حکم دیا تھا کہ وہ وینونو کو اٹھا کر اسرائیل واپس لے آئے۔ مخلوط حکومت نے اس الزام کی فوراً تردید کر دی جیسا کہ اس نے ایران گیٹ سکینڈل اور آیت اللہ خمینی حکومت کو اسلحہ کی فراہمی کا انکار کر دیا تھا۔ پرائم منسٹر آفس کے ترجمان نے اپنے تردیدی بیان میں کہا۔ ''ہمیں اس معاملے کا کوئی پتہ نہیں''۔ لیکن عملاً سب جانتے تھے کہ بدقسمت وینونو اس وقت اسرائیل کی کسی جیل میں قید تنہائی کی اذیتوں میں سے گزر رہا تھا۔ حکومت نے سوال پر برہم ہو کر کہا۔ ''اس کا جواب مخلوط حکومت کا اگلا لیڈر اسحاق شمیر ہی دے گا۔''

برطانوی حکومت خاصی ناراض تھی کیونکہ اس شبہے کو مسلسل تقویت مل رہی تھی کہ موساد نے اس غدار کو اغوا کر کے اسرائیل پہنچا دیا ہے۔ دوسری طرف یہ ڈس انفارمیشن پھیلا دی گئی کہ ممکن ہے کہ اسے بحری قزاق اغوا کر کے لے گئے ہوں لیکن اس کی کوئی تسلی بخش وضاحت نہیں تھی اسے کسی سمندر کی ''سیاحت'' کے لیے لے جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

برطانوی حکومت کی طرف سے اسرائیل سے اس کے ''غائب'' ہو جانے کی وضاحت مانگنے کا شروع میں کوئی جواب موصول نہ ہو سکا' آخر حکومتِ یروشلم نے برطانوی سفیر کو گول مول جواب دیا کہ ''وینونو کو برآمد کرنے میں برطانیہ کے کسی قانون کو نہیں توڑا گیا''۔ اس جواب میں اس بات کی کوئی تفصیل نہ تھی کہ اسے کن حالات میں اغوا کیا گیا۔ اور اس امر کی وضاحت بھی نہ تھی کہ اگر وہ کسی سنگین جرم میں مطلوب تھا تو اسرائیلیوں نے اس کی گرفتاری کے لیے سیدھا طریقہ کیوں نہیں اپنایا؟

بہرحال حکومتِ اسرائیل' یہودی جاسوس کے خلاف کاروائی کا تہیہ کیے ہوئے تھی جس نے اس کے نزدیک ریاست کے خلاف غداری کا ارتکاب کیا تھا اور موساد کے سربراہ کو حکم ملا کہ وہ اسے ایران لانے کیلئے خود ہی کوئی نہ کوئی طریقہ وضع کر لے تاکہ اس پر مقدمہ چلایا جا سکے۔ لیکن اس میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اس میں حکومتِ برطانیہ کے لیے کوئی پریشانی نہیں پیدا ہونی چاہیے۔ حکومتِ اسرائیل مسز تھیچر کو ہرگز ناراض نہیں

کرنا چاہتی تھی وہ اس کا بڑا لحاظ کرتی تھی' کیونکہ انہی دنوں اس نے ایک شامی کے ہاتھوں اسرائیلی جہاز کو اغوا کرنے کی کوشش پر شام سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے تھے۔ یہ ''ہندوائی'' نامی باشندہ تھا جس نے بم دکھا کر ''ال آل'' کی لندن سے تل ابیب جانے والی پرواز کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن موقع پر پکڑ لیا گیا تھا' اس پر مقدمہ چلا اور حکومت برطانیہ نے شام سے تعلقات ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس ایٹمی ٹیکنالوجسٹ کو سفارتی سامان کے کریٹ میں بند کر کے سمگل کر لیا جائے۔

ان کے لیے پہلا کام تو یہ تھا کہ اس شخص کو پکڑا جائے۔ جب وہ سنڈے ٹائمز کے زیر انتظام لندن پہنچا تو موساد کا لمبا ہاتھ پہلے ہی اس تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح چاہے دارالحکومت کی گلیوں میں گھومے پھرے اور اپنے ضمیر کو ٹٹولے۔ اس کے بارے میں بعد میں اس نے کہا کہ میں نے اپنی ضمیر کے کہنے پر ہی ایٹمی رازوں پر سے پردہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس دوران ''اتفاق'' سے اس کی ایک نوجوان حسینہ سے ملاقات ہو گئی جس کا نام سنڈی تھا' اس کے ساتھ چلنا پھرنا' اور گپ شپ اس کا معمول بن گیا۔ یہ دراصل موساد کی ایجنٹ تھی جس نے اس سے ایسے طریقے سے ملاقات کی کہ یہ ''اتفاقی'' ظاہر ہو۔ وہ وینونو کی عجیب اور بے چین شخصیت سے فائدہ اٹھانے لگی تھی۔ کئی ملاقاتوں کے بعد سنڈی نے ایک دن اسے مسحور کن انداز میں کہا کہ ''چلو اٹلی چلتے ہیں' وہاں میری ایک بہن رہتی ہے' ہم دونوں روم میں اس کے اپارٹمنٹ میں اکٹھے رہا کریں گے''۔ اس کا مقصد اسے برطانیہ سے باہر لے جا کر اغوا کرانا تھا۔ اس طرح اسرائیل کا یہ کہنا بھی درست تھا کہ ''اسے برطانیہ کی حدود سے اغوا نہیں کیا گیا''۔ اور مسز تھیچر نے اسی بنا پر اس کی جانب سے کی گئی تردید کو قبول کیا تھا۔

اور اصل میں کیا ہوا؟ اغوا کا عمل کیسے انجام پایا؟ اسے موساد کی اس حسینہ کی مدد سے اٹلی سے تل ابیب جانے والے ایک اسرائیلی بحری جہاز میں ڈال کر اغوا کر لیا گیا تھا۔ جس طریقے سے اس کا اغوا عمل میں آیا' ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ پردۂ اخفا میں رہتا مگر ایک دوسرے واقعہ کی وجہ سے منظر عام پر آ گیا۔ وہ یہ تھا کہ شروع میں جب اسے عدالت میں لایا گیا تو اس نے یروشلم کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے باہر منتظر رپورٹروں کو دیکھ کر اپنی ہتھیلی پر تین سطریں لکھ کر ویگن کی کھڑکی میں سے سامنے کر دی۔ الفاظ یہ تھے — ''وینونو کو 30 ستمبر 1986ء کو رات نو بجے اٹلی سے اغوا کر کے لایا گیا' لندن سے میں بذریعہ برٹش ائیرویز روم آیا تھا''۔ اس کی ہتھیلی کی تصویر

جب اسرائیلی اخبارات میں چھپی تو ملٹری سنسر شپ نے اس کا پیغام حذف کرا دیا۔

ہو سکتا ہے کہ اس کی ہتھیلی پر کچھ مزید لکھنے کی گنجائش ہی نہ رہی ہو' یا ہو سکتا ہے یا اسے معلوم ہی نہ ہو کہ روم آنے کے بعد اسے کس طرح اسرائیل پہنچایا گیا؟ اس کا اس نے کچھ نہیں بتایا فرد جرم عائد کرنے کے بعد کے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے کیونکہ مقدمے کی سماعت بند کمرے میں ہوئی تھی لیکن اس کے بھائی مائر وینونو نے جیل میں جب اس سے ملاقات کی تو اس نے اسے ایک نئی اطلاع یہ دی کہ سیکرٹ سروس کے دو اہلکاروں نے روم میں اسے اس فلیٹ کے اندر آ کر زدوکوب کیا تھا جس میں اسے سنڈی نے لا کر ٹھہرایا۔ ان لوگوں نے اسے پکڑا ہی ہوا تھا کہ سنڈی نے اسے بے ہوشی کا انجکشن لگایا۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بار برداری والے جہاز میں سامان کے ساتھ باندھ دیا گیا' اور ایک ہفتے بعد' یعنی ۱۱ اکتوبر کو وہ اسرائیل پہنچ گیا۔ جہاز سے اسے ایک سٹریچر پر باندھ کر ساحل پر پہنچایا گیا' پھر ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دو دن محبوس رکھا گیا۔

اس نے اپنے اغوا کی جو کہانی بتائی وہ اگرچہ عمومی طور پر قابل اعتبار تھی مگر اطالوی پبلک پراسیکوٹر ڈومینکو سیکانے' جسے روم میں اس پر بیتنے والے واقعات کی تحقیق کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور جس نے اس کے بھائی مائر وینونو سے بھی پوچھ گچھ کی تھی' اس کے بعض حصوں سے اتفاق نہیں کیا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ کسی بے ہوش آدمی کو روم کے اتنے گنجان آباد علاقے کی عمارت کی تیسری منزل سے نکال کر لے جانا بیحد خطرناک ہو سکتا تھا' اس پر کیا انہیں شور مچ جانے کا خوف نہیں تھا؟ اٹلی کے اس افسر نے یہ بھی کہا کہ ماہرین کا یہ گروہ اتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کیسے کر سکتا تھا؟۔ پھر جس طرح وینونو نے اپنی ہتھیلی پر پیغام لکھ کر رپورٹروں کو اس واقعہ سے ''مطلع'' کیا' وہ اسے بھی ناقابل عمل سمجھتا تھا' وہ کہتا تھا کہ زیر حراست آدمی چوری چھپے اتنی جامع عبارت کیسے لکھ سکتا تھا۔ ایسا تو تبھی ہو سکتا تھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کام میں اس سے تعاون کر رہا ہوتا۔ تاہم پبلک پراسیکوٹر سیکا وینونو کی بنائی ہوئی تصاویر سے' جن میں اتنی جامعیت کے ساتھ ایٹمی ہتھیار بنانے کے مراحل واضح کیے گئے تھے بہت متاثر ہوا۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ پلانٹ کے اعلیٰ ترین منصب کے حکام کی مدد کے بغیر اتنی تفصیلی اور جزئیاتی منظر کشی کیسے ممکن ہو گئی؟ اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ عجیب و غریب واقعات کسی منظم ڈس انفارمیشن کا پلندہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس میں جو بات واضح طور پر سامنے آئی یہ تھی کہ وینونو اپنی مرضی سے مقدمے کا

سامنا کرنے کے لیے واپس نہیں آیا تھا اور یہ کہ موساد برطانوی سرزمین پر ان قابل اعتراض سرگرمیوں میں مصروف رہی اور اٹلی میں اس کا مشکوک آپریشن' اس سے بھی زیادہ مکروہ اور قابل اعتراض حرکات پر مشتمل تھا۔ اس سے یہ تاثر بھی ملا کہ موساد نے ہر کام سلیقے اور حکمت کے ساتھ انجام دینے کی جو روایت قائم رکھی تھی' ان واقعات میں اسے کیوں توڑا گیا اور وہ اتنے پھوہڑپن اور بے احتیاطی کا مظاہرہ کیوں کرنے لگی تھی؟

سنڈی کا کردار بھی شک و شبہے سے بالاتر نہیں تھا۔ مثلاً لندن میں وہ اچانک ''شریل بین توف'' کے طور پر متعارف ہوتی ہے' وہ ایک امریکی نژاد اسرائیلی عورت تھی جس کی شادی ''اوفر'' نامی ایک شخص سے ہوئی' اس کے ساتھ وہ پہلے ''نتانیا'' میں رہ رہی تھی' بعد میں اس سے باقاعدہ شادی کر لی۔ یہ ایک چھوٹے قد کی دلکش چہرے کی مالک عورت تھی۔ موساد نے اسے سجھا بجھا کر لندن بھیجا جہاں اس نے لسٹر سکوائر میں وینونو سے ''اتفاقاً'' ملاقات کی۔ وہاں پر اس کا قیام ایکلسٹن ہوٹل میں تھا اور اس نے اپنا نام ''سنڈی ہینن'' ظاہر کیا' اس نے اپنے کوائف یہ لکھوائے کہ وہ فلوریڈا کی رہائشی ہے اور حسن نکھارنے کے پیشے کی تربیت پا رہی ہے۔ اس نے جو نام اختیار کیا اور اپنے جس قریبی رشتہ دار کے پیشے سے خود کو منسلک ظاہر کیا' یہ ایک بُری مثال تھی' اس سے اس کی اصلیت معلوم کرنا ممکن ہو گیا۔ اس سے یہ انکشاف ہوا کہ موساد اس کو تربیت دینے میں ناکام رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی شناخت کے لیے قرائن پیچھے چھوڑتی چلی گئی۔

وینونو کا پورا واقعہ موساد کے لیے خصوصی طور پر اور اسرائیلی انٹیلی جنس کے لیے مجموعی طور پر باعثِ پریشانی اور رسوائی ثابت ہوا۔ اس کی ایک شاخ' ''ڈائیمونا'' پلانٹ میں ایک نفسیاتی مریض اور بددل ٹیکنیشن کی موجودگی سے بُری طرح بے خبر رہی اور دوسری شاخ نے اس غلطی پر قابو پانے کے عجلت اور بے ڈھنگے پن سے' اس شخص کو ایک دوست ملک کی سرزمین سے اس وقت اغوا کیا جب اس کے چوری کیے ہوئے راز اخبارات میں چھپ چکے تھے۔ اس سلسلۂ واقعات میں سے کوئی بھی آبرومندانہ طریقے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ اور اسرائیلی خفیہ داروں کی سرگرمیاں طشت از بام ہو کر رہیں۔ اس کی وجہ سے برطانیہ اور اٹلی میں سفارتی سطح پر کئی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں جو اسرائیل کی رسوائی کا باعث بنیں۔ اس کے بارے میں اس کے حکام نے حسبِ معمول لیپا پوتی سے کام لیا۔ مثلاً اسحاق شمیر نے' جس نے شمعون پیریز سے وزارتِ عظمیٰ کا چارج لیا تھا' کہا کہ یہ بڑا ''سنگین حادثہ'' تھا۔ اس واقعے کو اسرائیلی انٹیلی جنس

کی صرف اس صورت میں کامیابی قرار دیا جا سکتا تھا' اگر یہ تسلیم کر لیا جاتا کہ موساد نے وینونو کو استعمال کر کے اسرائیل کے دشمنوں پر اس کی ایٹمی قوت کی دھاک بٹھائی ہے اور اس شیخی کے لیے امریکنوں کے سامنے جواب دہی کی کوئی پرواہ نہ کی جاتی۔

اسرائیلی رائے عامہ اگرچہ مورد خائی وینونو کو سنائی گئی سزا سے کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھی لیکن متعدد غیر ملکی سائنسدانوں اور قانون دانوں نے اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور اس کے اس حق کا دفاع کیا کہ اس نے ایٹمی اسلحہ کے استعمال کی ہولناکیوں کے پیشِ نظر اسرائیل کے پاس اتنے بڑے سامانِ ہلاکت کا انکشاف کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کیا ہے۔ حتیٰ کہ اسے نوبل پرائز کے امیدوار کے طور پر بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ ایسے عظیم اعزاز کے لیے ایک جاسوس کا نام تجویز ہونا بھی یہ واحد مثال تھی۔

یہ واقعہ اس لحاظ سے بھی عجیب و غریب تھا کہ عدالت کی طرف سے سزا سنائے جانے کے بعد اسرائیلی حکومت کے محرکات کے بارے میں قسم قسم کے شبہات اٹھنے لگے۔ جن سے اس گمان کو تقویت ملتی تھی کہ اسرائیل نے وینونو کو استعمال کر کے اس تاثر کو عام کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ بہت بڑی ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ فرینک برنابائی نے اپنی کتاب ''غیر مرئی بم'' (Invisible Bomb) میں اسی نظریے کا محتاط انداز میں اظہار کیا ہے۔ وہ علم طبیعیات کے ممتاز ماہرین میں سے تھا اور شعبہ ''مطالعہء امن'' کا پروفیسر تھا' اخبار نے اسرائیلی ایٹمی اسلحہ کے بارے میں ''انکشافات'' شائع کرنے سے قبل جن ماہرین کو وینونو سے سوال و جواب کے لیے بلایا تھا یہ ان میں سے ایک تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ موساد کو پہلے سے معلوم تھا کہ وینونو کیا کرنے جا رہا ہے اور اس نے اس کو اپنی سٹوری بیان کرنے کا خود موقع دیا تھا۔ واقعات کی ترتیب کا حوالہ دیتے ہوئے فرینک برنابائی نے کہا وینونو کو اغوا کرنے کا طریق کار اور مقدمے کی خفیہ سماعت کا اہتمام وینونو کی اطلاعات کو زیادہ قابلِ اعتبار ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس نے لکھا:

''میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں کہتا کہ وینونو خوشدلی سے موساد کا آلۂ کار بننے پر راضی ہو گیا تھا لیکن اس امر کا پورا پورا امکان موجود ہے کہ اسے اس مقصد کے لیے بلاقصد استعمال ہونے کی اجازت دے دی گئی ہو..... کہ وہ دنیا کو اسرائیل کی ایٹمی اسلحہ سے متعلقہ سرگرمیوں سے مطلع کر دے۔''

اس میں اصل نقطہ یہ تھا کہ اسرائیل اپنے تباہ کن ایٹمی اسلحہ کے فخریہ اظہار سے بھی

بچ جائے اور اپنے دشمنوں پر اپنی برتری کا بھی اظہار کر دے کہ اس کے پاس تباہی کا کتنا سامان موجود ہے۔ جس ملک میں بہت سی کارروائیاں بالعموم خفیہ فضا میں انجام پاتی ہوں اور وہاں سیاسی حکمران بھی خفیہ ذہنیت کے شکار اور دلدادہ ہوں تو ان کے لیے ایٹمی اسلحہ کی تیاریاں بھی پوری طرح پردۂ اخفا میں رکھنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر اس معاملے میں ان کا مقصد کچھ مختلف تھا۔ سرکاری طور پر حکومت اسی گھسے پٹے فارمولے پر ڈٹی ہوئی تھی کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں ایٹمی اسلحہ کبھی متعارف نہیں کرائے گی۔ مگر وینونو نے اسے سرکاری پالیسی پر "قائم" رہتے ہوئے بھی اپنے ایٹمی ہتھیاروں کی جنگ کی صلاحیت کا ڈھنڈورہ پیٹنے کا موقع عطا کر دیا۔

✿ ✿ ✿ ✿

حصہ ہفتم

لندن میں قابلِ اعتراض حرکتیں

سفارتی تھیلے میں چھپا افریقی

حالیہ سلسلۂ واقعات، جس نے موساد اور برطانوی حکومت کے مابین مفاداتی کشمکش کو جنم دیا، افریقہ میں اسرائیل کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے شروع ہوا۔ اسرائیلی حکومت کئی سال سے وہاں کی آزاد مملکتوں سے اپنے روابط مضبوط بنانے کی پالیسی پر گامزن چلی آ رہی تھی۔ اس کا ایک سبب تو تیسری دنیا کی رائے عامہ کو متاثر کرنا تھا کیونکہ ان کی طرف سے عموماً فلسطینیوں کے قوم پرستانہ جذبات کی حوصلہ افزائی ہوتی رہتی تھی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ اس کی خواہش تھی کہ اگر اس پر کسی طرف سے دباؤ پڑے تو اقوام متحدہ میں اسے ان ملکوں کی حمایت حاصل رہے۔ کوئی بھی کام، جس سے چند ممالک کی حمایت حاصل ہوتی ہو اور اقوام متحدہ میں ہمنوائی ملتی ہو، اسرائیلی وزارت خارجہ اس کا بڑھ چڑھ کر خیر مقدم کرتی تھی کیونکہ اس سے اس کے احساس تنہائی کی شدت میں کم آتی تھی اگرچہ اس پالیسی کی وجہ سے اسے بعض اوقات عیدی امین کی ناپسندیدہ حکومت کی طرف بھی پیار کی پینگیں بڑھانا پڑتی تھیں۔ یوگنڈا کے آمر ملٹن اوبوٹے کا تختہ الٹ کر عیدی امین کو برسر اقتدار لانے میں موساد نے کافی کردار ادا کیا تھا، اوبوٹے بھی کوئی کم سخت گیر آمر نہ تھا۔ اسلام کے نام پر ہونے والی جارحانہ سرگرمیوں کا توڑ کرنے کے لیے موساد کو کبھی ایک کی حمایت کرنا پڑتی تھی اور کبھی دوسرے کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالنا پڑتا تھا۔ لیبیا کا حکمران معمر قذافی بے حد شوریدہ سری کا مظاہرہ کر رہا تھا، اور ایسے رجحانات کو فروغ دے رہا تھا جنہیں اسرائیل اپنے مفادات سے متصادم سمجھتا تھا۔

سیاہ فام افریقہ سے معاملات کرتے ہوئے اسرائیل کی ہر حکومت کو توازن کے لیے دوچند محنت کرنا پڑتی رہی۔ جنوبی افریقہ کے یہودی نئی اسرائیلی ریاست کے سرگرم حامیوں میں سے تھے اور تقریباً 8500 اعلیٰ تعلیم یافتہ یہودی جو اپنے گردوپیش سے بہت گہرے طور پر مربوط تھے، ترک وطن کر کے اسرائیل میں آ بسے تھے۔ شروع کے دنوں میں وہاں سے ان کے لیے خاصی

مالی امداد بھی آتی رہی لیکن بعد میں اسرائیل اس قابل ہو گیا کہ ماضی کے احسانات کے عوض وہ جنوبی افریقہ کو ہتھیار اور فوج مہارت بھی فراہم کرنے لگا۔ جب مغربی دنیا کی حکومتوں نے نسلی امتیاز کی پالیسی کے خلاف ردعمل کے طور پر جنوبی افریقہ کا بائیکاٹ شروع کر دیا تو اس کے لیے اسرائیل کی جانب سے فوج امداد کی اہمیت مزید بڑھ گئی۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ فوجی تعاون بڑھنے کی وجہ سے موساد اور جنوبی افریقہ کے ''بیورو آف سٹیٹ سیکورٹی''۔ (''بی او ایس ایس'') کے درمیان مضبوط رابطہ قائم ہو گیا۔ بعض حلقوں کی طرف سے دعویٰ کیا گیا کہ جنوبی افریقہ کی سیکورٹی سروسز کی کامیابیاں بڑی حد تک موساد کی ٹیموں کی مرہون منت تھیں جو انہیں کاؤنٹر انٹیلی جنس آپریشنوں اور تفتیش کے نئے نئے طریقوں سے روشناس کرا رہی تھیں۔ امریکی سی آئی اے نے اسرائیلی فارن انٹیلی جنس اور سیکورٹی سروسز کا یوں تجزیہ کیا:

''اسرائیل نے افریقہ میں رابطے بڑھانے کے لیے ہر ملک کے لیے' اس کی ضرورتوں کے لحاظ سے' الگ الگ طریقہ اختیار کیا ہے۔ افریقہ میں اسرائیلی انٹیلی جنس سرگرمیاں' پولیس ٹریننگ' نیشنل ملٹری فورسز کے لیے اسلحہ کی فروخت' اور امداد و تعاون برائے ترقی کے مختلف عنوانات کے تحت شروع ہوئیں۔ عرب اقوام نے تنظیم برائے افریقی اتحاد (O.A.U.) کے تعاون سے بہت سی افریقی اقوام پر اسرائیلیوں سے ہر قسم کے رسمی تعلقات منقطع کرانے کے لیے دباؤ ڈالا۔ بہت سی افریقی اقوام نے اس دباؤ میں آ کر اس سے سفارتی تعلقات ختم کرنے کے باوجود اس سے انٹیلی جنس رابطے بحال رکھے ہیں۔ مثلاً کینیا سروس کے ساتھ موساد کا تعلق مضبوطی سے قائم ہے۔ وسطی افریقہ کے ملک زائرے میں یہ بہت سرگرمیاں دکھا رہی ہے' مغربی افریقہ میں اس نے لائبیریا سیکورٹی سروس اور پولیس کو تربیت دی ہے اور گھانا میں ملٹری انٹیلی جنس سروس کے قیام میں مدد دی ہے جبکہ جنوبی افریقہ میں ساؤتھ افریقن انٹیلی جنس اور سیکورٹی سروس کے ساتھ اس کے تعلقات مضبوط سے مضبوط ہوتے چلے گئے ہیں۔''

سی آئی اے کی اس دستاویز میں براعظم افریقہ میں موساد کی سرگرمیوں کی نوعیت پر دو عنوانات سے تبصرہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک کا عنوان ''انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیاں'' تھا۔ اس کی ذیل میں بتایا گیا ہے کہ ''انسٹی ٹیوٹ'' نے سیاہ فام افریقی ممالک میں زبردست انٹیلی جنس نیٹ ورک قائم کر دیا جس کی مدد سے اسے وہاں خفیہ اثر و رسوخ بڑھانے کا موقع ملا۔ اس کی بدولت اس نے ایسی بہت سی قیمتی اطلاعات حاصل کر لیں جن سے اس کے اتحادی ملک' جنوبی افریقہ کو فائدہ پہنچا۔ 1976ء میں دونوں ملکوں نے خفیہ معلومات کے باہمی تبادلے کا سمجھوتہ کر

لیا۔ جس سے دونوں کو زبردست فوائد حاصل ہوئے۔ جہاں تک جنوبی افریقہ کا تعلق ہے اسے ایک ناگہانی فائدہ 1982ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے نتیجے میں پہنچا۔ وہاں قائم تنظیم آزادیٔ فلسطین کے ہیڈ کوارٹروں کے بنکرز میں سے بہت بڑی تعداد میں ایسی دستاویزات برآمد ہوئیں جن میں فلسطینیوں کی مدد سے چلنے والے بین الاقوامی دہشت گردوں کے نیٹ ورکس کی تفصیلات موجود تھیں۔ ان میں سے کچھ مواد افریقی نیشنل کانگریس (اے این سی) اور فلسطینیوں کے گروپوں کے مابین مالی تعاون کے بارے میں بھی تھا۔ جبکہ ''اے این سی'' جنوبی افریقہ کے دشمنوں میں سرفہرست تھی چنانچہ یہ مواد جنوبی افریقہ کے بیورو آف سٹیٹ سکیورٹی کے حوالے کر دیا گیا۔ ایسے ملک کے ساتھ تعاون کے باوجود کہ جس پر تمام سیاہ فام افریقی ممالک کے دشمن کا لیبل چسپاں تھا' اسرائیلی سفارت کاروں اور انٹیلی جنس کی تنظیموں نے ان سیاہ فام ملکوں سے کامیاب دوستانہ روابط قائم کر رکھے تھے۔ اس کی کامیابی کا اصل راز اس کی فوجی قوت میں مضمر تھا جو عربوں کے خلاف مسلسل برسرپیکار رہنے کی وجہ سے اسے میسر آ چکی تھی۔ ان غیر مستحکم حکومتوں کے متنفر اور بے چین حکمرانوں کا اقتدار ان کی فوجوں کے بل بوتے پر قائم تھا جو کسی بھی لمحے برپا ہو جانے والے انقلاب کے مقابلے کے لیے تیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ اس لیے ایسے حکمران باہر سے ملنے والی مشاورت اور مستعدی کی شہرت رکھنے والے تربیت دہندگان (Trainers) کے بڑے قدردان تھے۔ یوگنڈا کا حکمران عدی امین اپنی یونیفارم پر بڑے فخر سے چھاتہ بردار فورس کا نشان (Wings) لگایا کرتا تھا جو اسے اسرائیلیوں نے دیا تھا' حالانکہ اس نے طیارے سے چھلانگ لگانے کے کسی بھی کورس میں شرکت نہیں کی تھی۔ موساد کے ایجنٹ کوئی درجن بھر ملکوں میں فوجی اقتصادی امور کے مشیروں کی ٹیموں میں کسی نہ کسی طریقے سے شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے وہاں اپنے جاسوسی کے جال مضبوطی سے قائم کر لیے اور بعض ثروت مند افراد کی سرپرستی بھی حاصل کر لی جو ضرورت کے وقت فیاضی سے مالی مدد دینے کو تیار رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ائیر فرانس کی جس پرواز کو اغوا کر کے افریقہ کے عین قلب میں ایںتیبی ایئرپورٹ پر پہنچا دیا گیا تھا اس کے یہودی یرغمالیوں کی رہائی کے آپریشن میں موساد کو مقامی سطح کی امداد کی ضرورت تھی جو اسی طریقے سے موصول ہوئی۔

افریقہ بھر میں اثر و رسوخ بڑھانے کے اس عظیم منصوبے کو 1967ء کی جنگ میں شدید دھچکہ لگا۔ اسی کے دوران یہ بات عوامی سطح پر سامنے آئی کہ اسرائیل کے جنوبی افریقہ کے ساتھ کتنے گہرے روابط تھے۔ اسرائیل کو ان نازک لمحات میں اس سے خطیر مالی مدد اور

کثیر تعداد میں فوجی ہتھیار ملے۔ جنوبی افریقہ کے سینکڑوں نوجوان فوج میں شمولیت کے لیے اسرائیل پہنچ گئے۔ 1973ء میں یوم کپور کی جنگ کے بعد عرب ممالک کے تیل کی بڑھتی ہوئی اہمیت کی وجہ سے عربوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ افریقہ میں جارحانہ سفارتی مہم شروع کی اور سستے تیل کی فراہمی کا ہتھیار استعمال کر کے کئی افریقی ملکوں کو اسرائیل کے خلاف کر لیا' جن میں تنزانیہ سب سے نمایاں تھا۔

اس جنگ کے بعد 25 افریقی حکومتوں نے اسرائیل سے سفارتی منقطع کر لیے لیکن اسرائیل نے ان کی دوبارہ حمایت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں نائجیریا کا معاملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اسرائیل کے لیے اس کی دوہری اہمیت تھی ایک یہ کہ وہ تیل کا سپلائر بھی تھا اور دوسرے افریقی ممالک کی بہ نسبت زیادہ خوشحال بھی تھا۔ نائجیریا نہ صرف اسرائیلی اسلحے کے لیے ایک بڑی مارکیٹ تھا اور دو ہزار سے زائد اسرائیلی وہاں مختلف قسم کے کاروبار بھی کر رہے تھے۔ اس سے سفارتی تعلقات کے خاتمے کے باوجود اقتصادی اور دیگر روابط بدستور جاری تھے۔ اسرائیل وہاں سکولوں اور ہوٹلوں کے قیام' فوجی تنصیبات کی تعمیر اور فوجی تربیت کے پروگراموں میں بھی مدد دے رہا تھا۔

1984ء کے سیاسی واقعات نے اسرائیلی انٹیلی جنس کو وہاں قائم ہونے والی نئی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے متعدد مواقع مہیا کر دیئے۔ یکم جنوری کو صدر شگاری کی حکومت کا تختہ الٹنے والے میجر جنرل محمد بخاری نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فوج ملک کو سیاسی اور اقتصادی طور پر تباہ ہوتے دیکھ کر خاموش بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی' لہٰذا' انقلاب ناگزیر ہو چکا تھا۔ سابق حکومت کا ممتاز سپورٹر اور سابق صدر کا برادر نسبتی اماروڈ کو' جس نے بطور ٹرانسپورٹ منسٹر اس دور میں کافی ہاتھ رنگے تھے نئی حکومت کو اقتصادی جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے سخت مطلوب تھا۔ وہ انقلاب برپا ہوتے ہی فرار ہو کر لندن پہنچ چکا تھا۔ چند ماہ بعد جولائی کی ایک دوپہر کو وہ مغربی لندن میں پورچسٹر ٹیرس میں اپنے پُرتعیش بنگلے سے نکل کر اپنے ایک دوست کے ہاں دوپہر کے کھانے کی دعوت میں جا رہا تھا کہ دو مسلح سیاہ فاموں نے اسے زبردستی ایک زرد رنگ کی وین میں بٹھا لیا اور اسے لے بھاگے۔ اس واقعہ کی واحد عینی شاہد اس کی پرائیوٹ سیکرٹری الزبتھ ہائز تھی۔ اس نے دھینگا مشتی دیکھی اور پھر ایک چیخ سنی' جس کے فوراً بعد اس نے پولیس کو فون پر اطلاع دیدی۔ اس کے لیے یہ واضح طور پر اغوا کا ایک واقعہ تھا۔

سکاٹ لینڈ یارڈ کے انسداد دہشت گردی یونٹ کے کمانڈر ولیم' ہکلسی کو اطلاع ملی

تو اس نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر بندرگاہوں اور ائیرپورٹس کی خصوصی برانچوں کے عملے کو الرٹ کر دیا۔ ان کی توجہ لندن سے تیس میل دور واقع سٹینسٹیڈ ائیرپورٹ پر مرکوز ہو گئی کیونکہ باہر جانے والے طیارے عموماً وہیں سے پرواز کیا کرتے تھے۔ نائجیرین ایرویز کا بوئنگ 727 لاگوس کے لیے پرواز کرنے ہی والا تھا' کہ پولیس کی کاریں رن وے کو چیرتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ایک عقابی نظروں والے کسٹمز آفیسر چارلس مورو کو طیارے میں لادے جانے والے لکڑی کے دو صندوقوں پر شبہ گزرا تھا ان پر ''وزارت خارجہ لاگوس'' کا لیبل لگا ہوا تھا' یہ سفارتی تحفظات کی ذیل میں آتے تھے اور برطانوی حکام ان کی تلاشی لینے کے مجاز نہ تھے۔ لیکن کسٹمز حکام کو لکھے ہوئے ایڈریس میں ایک رخنہ دکھائی دیا جس کی بنا پر انہوں نے ''شبہے'' میں انہیں اتروا کر ہینگر میں رکھوا دیا۔ یہ شبہہ اس بنا پر تھا' کہ ان میں سے کچھ مشکوک آوازیں' آ رہی تھیں جن پر ان کا خیال تھا کہ یہ انسانی آوازیں ہیں۔ انہیں ساتھ یہ ڈر بھی لگ رہا تھا کہ ان میں خواہ کوئی بھی لگ رہا تھا کہ ان میں خواہ کوئی بھی ہو وہ مسلح ہو گا۔ اس لیے انہوں نے احتیاطاً صندوقوں کو ''فارک لفٹ'' پر اس وقت تک لٹکائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا جب نائجیریا کا سفارت کار نہیں آ جاتا' پھر اس کے سامنے انہیں کھولنا تھا۔

بالآخر جب انہیں توڑا گیا تو ان میں سے ''اماروڈ'' کو بے ہوشی کی حالت میں ٹھونسا ہوا پایا گیا اس کے ساتھ چار مربع فٹ جگہ میں بیٹھا ہوا دوسرا آدمی ہاتھ میں سرنج لیے بیٹھا تھا تا کہ نائجیریا پہنچنے تک راستے میں اسے بار بار نشے کا انجکشن دیتا رہے۔ بدقسمت ''ڈکو'' کے گلے میں ایک نالی گزاری گئی تھی تا کہ وہ سانس لے سکے۔ وہ ہتھکڑی لگے ہوئے اکڑوں بیٹھا تھا' نیچے اس کی اپنی قے بھی بڑی مقدار میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بازو سے گزری ہوئی ایک اور ٹیوب پلاسٹک کی ایک بوتل میں گئی ہوئی تھی جبکہ بوتل' صندوق کی دیوار کے ساتھ کلیمپ کے ذریعہ فکس تھی۔ وہ چوبیس گھنٹے تک ہوش میں نہ آ سکا۔ ''سفارتی تھیلے'' کے دوسرے صندوق میں دو اور آدمی ''بند'' تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نہ بندھا ہوا تھا اور نہ بے ہوش تھا۔ یہ دونوں اسرائیلی تھے' ان میں سے ایک کا نام ''الیگزنڈر بیرک بارک'' اور دوسرے کا ''فلیکس اہی تھول'' تھا۔

سرنج والا آدمی ڈاکٹر لیو آرائی شپرڈ' ہسپتال کا سینئر کنسلٹنٹ اور آرمی ریزروسٹ تھا۔ تینوں اسرائیلیوں کو فوراً گرفتار کر کے ان کے خلاف ایک شخص کے اغوا اور اسے نشہ آور دواؤں کے ذریعہ تقریباً قتل کر دینے کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا گیا۔ اسی الزام میں نائجیریا کے سفارت کار میجر محمد یوسفو کی گرفتاری بھی عمل میں آئی۔ وہ دراصل نائجیریا کی

سیکورٹی آرگنائزیشن کا ایجنٹ تھا۔ ملزمان' سابق وزیر کو اغوا کر کے وطن لے جانا چاہتے تھے تاکہ اس کے معاشی جرائم کو بے نقاب کیا جائے۔ اس پر اپنی وزارت کے زمانے میں کرپشن کرنے کے الزام میں مقدمہ چلانا مقصود تھا۔ شواہد سے پتہ چلا کہ یہ آپریشن نائیجریا کی سیکرٹ سروس نے شروع کیا اور موساد سے اسے تعاون حاصل ہوا تھا۔ میجر یوسفو نے ایک فلم تیار کرنے کی آڑ میں' تین ماہ کے اندر اس کی پلاننگ کی تھی اور اسی نے الیگزینڈر بارک سے پہلے رابطہ قائم کیا تھا۔ جبکہ بارک اسرائیلی انٹیلی جنس کا کارندہ تھا۔

موساد کے ماضی کی یادوں میں اغوا کا ایک اور واقعہ ابھی موجود تھا جس میں ایک شخص کو سفارتی بیگیج کے اندر ڈال کر اغوا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ 1964ء کی بات تھی کہ اسرائیلی انٹیلی جنس نے ایک مراکشی نژاد اسرائیلی نوجوان کو مصری سیکرٹ سروس کے ہاتھوں اغوا ہونے سے بچانے کے لیے اقدامات کیے تھے' مصری اسے ایک ٹرنک میں ڈال کر قاہرہ سمگل کرنا چاہتے تھے۔ اس نوجوان کا نام موردیخائی لاؤک تھا جو اسرائیلی ڈیفنس فورسز کا بھگوڑا تھا اور اسے مصریوں نے بھرتی کر کے یورپ کے اسرائیلیوں کی جاسوسی پر مامور کر دیا تھا۔ اس نے اپنی دونوں حیثیتوں کو آپس میں ''گڈمڈ'' کر دیا اور اپنے نئے آقاؤں کا اعتماد مجروح کر بیٹھا تھا مصری حکام اسے اس پر عبرتناک سزا دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسے روم کے ایئرپورٹ پر ٹرنک میں بند کر کے سفارتی بیگ کی آڑ میں قاہرہ پہنچایا جا رہا تھا۔ کہ اسرائیلی پولیس نے اٹلی کی پولیس کو مطلع کر دیا' جس نے پھرتی سے ایئرپورٹ پر ہی اسے چھڑوا لیا اور اسرائیل واپس لا کر جیل میں ڈال دیا گیا لیکن اس نے گڑگڑا کر معافی مانگ لی۔ ڈکو کے معاملہ میں' اغوا کے لیے استعمال ہونے والے صندوق محکمہ کسٹمز کی ضروریات کے مطابق بنے ہوئے تھے اور میجر یوسفو اور الیگزینڈر بارک کے بتائے ہوئے ڈیزائن پر بنائے گئے تھے۔ ان پر 550 پاؤنڈ لاگت آئی تھی۔ بننے کے بعد یہ ڈکو کے مکان کے قریب نائیجریا کے سفارت خانے کے ویلفیئر سیکشن میں پہنچائے گئے تھے۔ ابھی یہ مراحل طے پا رہے تھے کہ بارک نے اسرائیل واپس جا کر' اس مقصد کے لیے بھرتی شدہ ٹیم کو لندن پہنچنے کے لیے تیاری کی ہدایت کر دی۔

ڈکو کے اغوا کے ذمہ دار افراد بعدازاں فروری 1985ء میں فوجداری کیس میں اولڈ بیلی کی عدالت میں پیش ہوئے۔ تین اسرائیلیوں اور ایک نائیجرین باشندے نے اعتراف جرم کر لیا' ایسا کر کے وہ انگلستان کے قانون کی اس شق سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو گئے جس کے تحت ملزم عدالت میں جرح کا سامنا کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ اور استغاثہ تفصیلات کا

انکشاف کیے بغیر ہی ملزموں کو سزا دینے کی استدعا کر دیتا ہے۔ اگر ملزم صحت جرم سے انکار کرے تو استغاثہ کھل کر تفصیل بیان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

الیگزینڈر بارک نے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ اس نے جو کچھ کیا نائیجریا کے تاجروں کے گروپ کے ایماء پر کیا تھا کیونکہ وہ ڈکو کو اس کے آبائی وطن میں واپس لے جانا چاہتے تھے تاہم اس کے وکیل صفائی جارج کارمن نے عدالت سے کہا کہ ''معقول ترین توجیہہ یہ ہے کہ اسرائیل انٹیلی جنس نیٹ ورک کو' اس سارے آپریشن سے دور نہیں رکھا گیا۔'' یہ بارک ہی تھا جس نے تل ابیب کے ''ہشارون ہاسپٹیل'' کے ماہر انیستھیزیا ڈاکٹر شپیرو کو اس کام کے لیے بھرتی کیا تھا۔ شروع میں اس نے اسے ایک ہزار ڈالر تنخواہ کی پیشکش کی تھی جسے اس نے یہ کہہ کر مسترد کیا کہ وہ ایک محب وطن اسرائیلی کے طور پر ہی خدمت بجالانے کو تیار ہے۔ بارک نے بطور ''درمیانہ آدمی'' (Middle Man) بھی کہا کہ اس کا اپنا تاثر یہی تھا کہ ڈاکٹر شپیرو یہ سمجھتا تھا کہ وہ موساد کے لیے کام کر رہا ہے۔ بارک نے کہا کہ اس نے اسرائیلیوں کو اس مشن کے لیے اس لیے منتخب کیا کہ وہی لوگ ہیں جن پر وہ اس کام کے لیے اعتماد کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر شپیرو نے' جس نے لندن سے سپیشل میڈیکل آلات کی خریداری کے لیے 2000 ڈالر قبول کر لیے تھے' اس خیال کی تصدیق کی کہ اس نے اغوا کی واردات میں محض اس لیے حصہ لیا کہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ موساد کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ اسرائیل کے اندر اس کے کئی دوستوں نے اس خیال کی تائید کی کہ ڈاکٹر شپیرو ایسا آدمی نہیں ہے جو جان بوجھ کر کرائے کے اغوا کنندوں کی مدد پر آمادہ ہو سکتا ہو۔ وہ بلند تر محرکات کے لیے کام کرنے والے لوگوں میں سے تھا' ڈاکٹر شپیرو سوویت یونین میں پیدا ہوا تھا اور اپنے معمر والدین کے ہمراہ وہاں سے اسرائیل آیا۔ وہیں' پرورش پائی' تعلیم حاصل کی اور ڈاکٹری کو بطور پیشہ منتخب کیا۔ وہیں کے ایک اسرائیلی نے اغوا کے اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس سے تعاون مانگا تھا جو اس نے خوش دلی سے پیش کر دیا۔ استغاثہ کی طرف سے بیرسٹر رائے املاٹ نے بڑی ہوشیاری سے ایسی شہادت سامنے لانے سے گریز کیا جس سے انٹیلی جنس سروس کا ملوث ہونا ثابت ہوتا ہو۔ مگر چونکہ ملزموں پر عدالت میں جرح نہیں کی گئی اس سے اسرائیل کے تعلق کی کوئی تفصیل سامنے نہیں آ سکی۔ پھر بھی مسٹر جسٹس میکوان نے اختصار کے ساتھ جیوری کو اپنی رائے سے مطلع کرتے ہوئے موساد کے ملوث ہونے کی طرف واضح اشارہ کر دیا۔ عدالت نے 27 سالہ الیگزینڈر بارک کو منصوبے کا ناظم ہونے کی بنا پر چودہ سال قید' دو دوسرے اسرائیلی باشندوں کو

دس دس سال اور نائیجریا کے باشندے کو بارہ سال قید کی سزائیں سنا دیں۔ اس آپریشن کا سہرا یہ تھا کہ اسرائیل سمجھتا تھا کہ وہ ڈکو کے اغوا اور اسے وطن پہنچا کر سزا دلانے میں مدد کر کے نائیجریا کے ساتھ اپنے تجارتی اور سیاسی تعلقات بہتر بنا لے گا۔ موساد نے ایسا کام کوئی پہلی بار نہیں کیا تھا۔ 1965ء میں مراکش کے وزیر داخلہ جنرل محمد اوفکیر نے جو شاہ حسن کا دوست تھا' موساد کے سربراہ مائرامیت سے اسی نوعیت کی مدد طلب کی تھی۔ بادشاہ (حسن) بائیں بازو کے ری پبلکن مہدی بن برکہ کی سرگرمیوں سے بہت تنگ آ چکا تھا' یہ اپوزیشن لیڈر جلا وطن رہ کر تیسری دنیا کی سیاست میں قابل اعتراض کردار ادا کر رہا تھا' بادشاہ نے اپنے وزیر داخلہ سے کہا کہ اگر اس جیسے شریر انسان سے نجات مل جائے تو دنیا بہت پرسکون ہو جائے گی۔

مراکش اگرچہ عرب ملک ہونے کے ناطے اصولاً اسرائیلی ریاست کو بہت ناپسند کرتا تھا مگر دونوں ملکوں کے رہنماؤں کے مشترک مفاد کی وجہ سے آپس میں گاڑھی چھنتی تھی۔ شاہ حسن پر ان دنوں مصر کے صدر ناصر کی انگیخت پر پیدا ہونے والے رجحانات کے باعث اپنے ملک میں بغاوت ہو جانے کا خوف طاری رہتا تھا' اس لیے اس نے اپنی حفاظت کے لیے موساد سے بات چیت کی۔ چنانچہ موساد نے شین بھ کی مدد سے شاہ کے لیے ایک سپیشل سکیورٹی ٹیم کو تربیت دی۔ یہ ٹیم مراکش کے ان یہودیوں پر مشتمل تھی جو نقل مکانی کر کے اسرائیل چلے گئے تھے۔ انہیں موساد نے خصوصی تربیت اور اسلحہ فراہم کر کے بادشاہ کی حفاظت پر مامور کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے مراکش میں ''سکیورٹی اینڈ سپائی سروس'' کے قیام میں بھی مدد دی۔ اس مدد کے بدلے اسرائیل نے عرب دنیا میں رسائی کے لیے چند اہم سہولتیں حاصل کر لیں اور شاہ حسن نے اپنے ملک میں رہنے والی یہودی اقلیت کو تحفظ کی ضمانت دیدی۔

ان حالات میں مراکشی وزارت داخلہ کی طرف سے بن برکہ کے سلسلے میں ''مدد اور رہنمائی'' کی درخواست موصول ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی۔ تاہم موساد کو اس پر کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ اسے پیشہ ور قاتل تنظیم کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ بہر صورت وہ اس مراکشی سیاستدان کے اغوا میں مدد کے لیے تیار ہو گئی۔ اس میں اسے صرف یہ کرنا تھا کہ بن برکہ کو کسی طرح سوئٹزرلینڈ کی سرحد عبور کر کے فرانس میں داخل ہونے کی ترغیب دی جائے اور باقی کام فرانسیسی انٹیلی جنس ـــ ''ایس ڈی ای سی ای'' پر چھوڑ دیا جائے۔

فرانس میں آ کر وہ پیرس کے ایک فیشن ایبل ریستوران میں کچھ دیر رکا جہاں سیاستدان اور دانشور طبقوں کے لوگ عموماً آتے رہتے تھے' اس کے بعد وہ جونہی باہر نکلا سادہ کپڑوں

میں ملبوس ایک فرانسیسی پولیس افسر نے انٹیلی جنس کے ایک کارندے کی مدد سے اسے دبوچ لیا اور اغوا کر ایک بدنام غنڈے کے دیہی ٹھکانے پر پہنچا دیا۔ جہاں اسے قتل کر کے دفنا دیا گیا۔

اس امر کے کوئی شواہد نہیں ملتے کہ اسرائیلیوں نے اس کے قتل میں حصہ لیا ہو مگر وہ صدر ڈیگال کے عتاب کا نشانہ بن گئے۔ پہلے تو وہ فرانسیسی انٹیلی جنس سروس کے ارکان پر برسا کہ وہ جنوبی امریکہ کی وسطی ریاستوں میں ہونے والی اغوا کی گھٹیا وارداتوں جیسے واقعہ میں ملوث ہوئے ہیں پھر باقی غصہ اسرائیل پر اتارا۔ فرانس میں تو اسرائیل کے ملوث ہونے کو پردۂ اخفا میں رکھا گیا لیکن صدر اپنی سرزمین پر موساد کی غیر قانونی حرکات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا' اس نے اسرائیل کو پیرس میں اپنے آپریشن فوراً بند کرنے اور اپنے جاسوسوں کو واپس بلانے کا حکم دے دیا۔ پیرس یورپ میں اس کی سرگرمیوں کا مرکزی اڈہ تھا۔ اس سے اسے بہت نقصان پہنچا۔ صدر ڈیگال اسرائیل کے مہدی بن برکہ کے قتل میں ملوث ہونے کو کسی قیمت پر معاف کرنے کو تیار نہ تھا چنانچہ اس نے اس کی فوجی امداد پر سخت پابندی عائد کر دی۔

ملک کے اندر بھی موساد کے سربراہ مائرامیت کو شدید لعنت و ملامت کا نشانہ بنایا گیا کہ اس نے ایسی گھٹیا اور غیر اخلاقی کاروائی کی اجازت کیوں دی تھی؟ وزیر اعظم ایشکول کو اس واقعہ کی ساری تفصیلات مل چکی تھیں' اس نے موساد کے سابق سربراہ ایسر ہیرل کو اس کی تحقیقات پر مامور کر دیا۔ اس میں وہ ڈرامائی سیکنڈل ایک بار پھر سامنے آ گیا کہ مہدی بن برکہ کے اغوا کا حکم کس نے دیا تھا؟ اور حسب سابق اس کا بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ تحقیقاتی رپورٹ میں اہم سفارش' مائرامیت سے استعفیٰ طلب کرنے کے سلسلے میں تھی۔ جب اس میں ناکامی ہوئی تو ایسر ہیرل نے اس کے حتمی تقرر کی منظوری روک دی۔

''موساد ـــ بن برکہ'' واقعہ کے مکروہ بین الاقوامی نتائج برآمد ہونے کے باوجود اسرائیلی انٹیلی جنس کے لوگ اپنے کیفر کردار تک پہنچنے سے بچ گئے۔ دو عشروں کے بعد وہ برطانوی قانون کا منہ چڑانے کے لیے ایک بار پھر تیار تھے۔ انہوں نے جس طرح 1965ء میں فرانسیسی قانون کے ساتھ حرکت کی تھی ایک دفعہ مزید غیر ملکی سرزمین پر اغوا کی واردات میں تعاون کر رہے تھے۔ وہ افریقہ میں اپنے دوستوں کی تعداد بڑھانے کے لیے نائیجرین انٹیلی جنس کی مدد کرنے لگے تھے جو برطانیہ میں غیر قانونی حرکات کر رہی تھی۔ برطانیہ نے اس کی جانب سے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی پر کھلم کھلا احتجاج تو نہیں کیا تاہم لندن کے وسط میں دولت مشترکہ کے ایک افریقی رکن ملک کے سابق وزیر کے اغوا پر اپنی نفرت کا اظہار

ضرور کر دیا۔ اس واقعہ سے برطانوی حکومت کے لیے ایک مزید مشکل بھی پیدا ہو گئی اور وہ یہ تھی کہ نائیجیریا کی انتظامیہ لندن میں کرایہ کے غیر ملکیوں کے ذریعہ ایک جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑے جانے پر مشتعل ہو گئی اور اس نے دھمکی دی کہ اگر اس کے مطلوبہ شخص کو مقدمہ چلانے کے لیے لاگوس (دارالحکومت) نہ لانے دیا گیا تو وہ جوابی کاروائی کرے گی۔

برطانوی انٹیلی جنس حلقوں میں موساد پر اس معاملے میں تعاون کرنے کا واضح الزام تھا' اگرچہ اس حرکت میں وہ براہ راست ملوث نہ تھی اسرائیل کا یہ موقف کہ اس معاملے میں ملوث افراد "آزاد پیشہ (Free Lances) لوگ تھے مسترد کر دیا گیا۔ "M15" والوں کو یاد تھا کہ فرانس میں بھی بن برکہ کے معاملے کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے یہی عذر تراشا گیا تھا مگر اسے قبول نہیں کیا گیا تھا۔ برطانیہ میں موساد کی ناپسندیدہ اور قابل اعتراض سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا صرف یہی ثبوت نہیں تھا' بلکہ وہ اس قسم کی بے شمار حرکتوں کی مرتکب ہو چکی تھی۔

ایک کارٹونسٹ کی موت

ایک دوسرے واقعے کا آغاز' میجر عبدالرحیم مصطفیٰ نامی ایک فلسطینی کی مہم جوئی سے ہوا۔ جو یورپ میں ایک داستان کی طرح پر مشہور ہو گیا۔ 1980ء کے عشرہ کے اواخر میں تنظیم آزادئ فلسطین (PLO)' نے ایک واضح ڈھانچے کی شکل اختیار کر لی تھی اور فیلڈ میں سرگرم عمل اس کے ایجنٹ اپنے فوجی عہدوں کے حوالوں سے رعب ڈالتے رہتے تھے۔ ان کے پاس اپنے عہدوں کے مطابق بیجز بھی تھے اور فلیگز بھی۔ تنظیم آزادئ فلسطین نئے ماڈل کے ان افسروں کے ایک یونٹ کو اپنا "سپیشل فورسز یونٹ" قرار دیتی تھی ــــ یہ "یونٹ 17" کہلاتا تھا' اس کا ایک عہدیدار میجر عبدالرحیم مصطفیٰ تھا۔ جب اس نے برطانیہ میں آمدورفت شروع کی تو موساد بری طرح اس کے پیچھے پڑ گئی مگر وہ اپنے تعاقب سے بے خبر تھا۔ یہ ایک سفارتی واقعے کا آغاز تھا جو "سوان کا واقعہ" کے طور پر مشہور ہوا۔ اس میں لندن میں اسماعیل سوان کی نقل و حرکت کو مرکزی اہمیت حاصل تھی جو موساد کا ایک عرب ایجنٹ تھا۔ اسے اس کی پراسرار سرگرمیوں کے باعث لندن پولیس نے بالآخر گولہ بارود رکھنے کے الزام میں جیل پہنچا دیا ــــ اس کی روئداد زندگی' اسرائیلی سیکرٹ سروس اور پی ایل او کے درمیان پیچ در پیچ معاندانہ تعلقات کے بارے میں بہت کچھ منعکس کرتی ہے۔

دوسری طرف میجر مصطفیٰ کی روئداد زندگی' ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ اپنی خاص ڈھب کا' فلسطینی یونٹ کا عہدیدار تھا۔ جو' 1970ء میں الفتح کا ممبر بنا اور ابتدائی تعلیمی نصاب کی تکمیل کے بعد' باقاعدہ فوج کے عہدے کے طرز پر "سیکنڈ لیفٹیننٹ" ہو گیا۔ لیکن جس قسم کے آپریشن کے لیے اسے یورپ بھیجا گیا وہ فوجی یا باقاعدہ مشن کی ذیل میں نہیں آتا تھا۔ اس کا پہلا مشن 1970ء میں مغربی جرمنی میں ایک اسرائیلی طیارے کے خلاف کاروائی میں مدد دینا

تھا' بعدازاں اسے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول (ایبٹ آباد) میں مزید تربیت کے لیے بھیج دیا گیا اور 1980ء میں اسے ''فورس 17'' کے آپریشنل گروپ میں سپیشل آپریشنز کی کمان دیدی گئی۔ لبنان پر اسرائیلی حملے کے بعد اسے پہلے تیونس میں بھیجا گیا اور پھر لندن میں تعینات کر دیا گیا۔ 1985ء میں اسے بیروت بلا کر ان یونٹوں میں سے ایک یونٹ میں لگا دیا گیا جو وہاں دوبارہ قائم کر دی گئی تھیں۔ جب فلسطینیوں اور شیعہ امل ملیشیا کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ گرفتار ہو گیا اور چار ماہ کے لیے شام کی جیل میں بند کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ قبرص گیا اور بعدازاں 1985ء میں لندن واپس چلا گیا۔

''فورس 17'' یعنی وہ یونٹ جس میں میجر مصطفیٰ خدمات انجام دے رہا تھا اس کی ابتدا' اس 10 رکنی سکیورٹی گارڈ سے ہوئی تھی جو یاسر عرفات کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی تھی' اس کی جان کو اپنی فلسطینی حریف تنظیموں کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ اس فورس کا نام ''17'' اس لیے پڑ گیا کہ یہ بیروت میں پی ایل او کے پرانے ہیڈ کوارٹر کے ٹیلی فون ایکسٹنشن کا نمبر تھا۔ اس کا کمانڈر علی حسن سلامے تھا جسے موساد نے اس لیے قتل کر دیا تھا کہ اس کے خیال میں میونخ اولمپکس میں اسرائیلی اتھلیٹوں کو جس گروہ نے اغوا کیا تھا اسے اسی نے منظم کیا تھا۔ اس وقت پی ایل او کا دہشت گرد یونٹ ''بلیک ستمبر'' کے نام سے وہاں گیا تھا۔ ادھر لبنان میں یاسر عرفات کے باڈی گارڈز کو وسعت دے کر سپیشل فورسز یونٹ کی شکل دیدی گئی جو ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جب پی ایل او کو بیروت سے پسپائی اختیار کر کے تیونس جانا پڑا تو ''فورس 17'' کی تشکیل نو کر کے اس میں انتہائی درجہ کے تربیت یافتہ افراد کو شامل کیا گیا جن کی لیڈر کے ساتھ وفاداری ہر قسم کے شک وشبے سے بالاتر سمجھی گئی تھی۔ اس فورس میں جارحانہ آپریشن کی صلاحیت کا بھی بدرجہ اتم اہتمام کیا گیا تھا اس کے لیڈروں کو فوجی رینک اور ٹائیٹلز دیئے گئے۔ نئے ریکروٹ جو اس کے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے سیلوں میں شامل کیے گئے ان کی تربیت میں اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ وہ موساد کی دراندازیوں کو روک سکتے ہوں۔ پی ایل او کو اس حقیقت کا اچھی طرح احساس ہو چکا تھا کہ موساد کے کارندے بیروت میں اس کی کمانڈ کے اندر گھس آئے تھے اس لیے تیونس میں حد درجے کی احتیاط کی گئی تھی کہ ایسا یہاں بھی نہ ہو جائے۔

یاسر عرفات کو ابوندال کی طرف سے کھلی دشمنی کا معاملہ درپیش تھا۔ اس لیے اسے اپنی جان کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ ابوندال بھی پی ایل او کا حصہ ہوا کرتا تھا مگر اس نے اپنی بعض حرکتوں کی وجہ سے تحریک کو شدید نقصان پہنچایا جس پر یاسر عرفات نے اسے

سزائے موت سنائی تھی۔ پھر اس نے اپنا الگ گروپ بنا لیا جسے وہ اصلی ''الفتح'' گروپ کہتا تھا اور اس نے اپنے پرانے آقا کو قتل کرنے کی دھمکی دے رکھی تھی۔ یاسر عرفات سے صرف وہی نجات نہیں پانا چاہتا تھا۔ پی ایل او میں اور بھی کئی سخت جان گروپ تھے جو چیئرمین کی مذمت کرتے رہتے تھے اور موقع ملنے پر علیحدہ ہو جاتے تھے۔ ان میں سے چند گروپوں نے شام کے صدر حافظ الاسد کے پاس پناہ لے لی تھی۔

پی ایل او نے 1987ء میں اعلان کیا کہ اس نے بیرون ملک آپریشنز بند کر دیئے ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اسرائیل کے باہر دہشت گردی بند کر دی ہے لیکن جیسا کہ اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس کے سابق سربراہ یہوشفات حرکابی نے اس کی وضاحت کی کہ وہ اب بھی کسی کسی وقت چھپ کر حملے کرتے ہیں اور خاص طور پر آپس میں ٹکراتے رہتے ہیں'۔ باہمی لڑائیاں یاسر عرفات کی قیادت کا جواز فراہم کر رہی تھیں کہ وہ امن بھی قائم کر سکتا ہے اور لڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ دونوں قسم کے کردار ادا کرنے کا مطلب عرب دنیا پر واضح کرنا تھا کہ وہ واحد لیڈر ہے جو جنگ لڑنے کی ثابت شدہ صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ مشرق وسطیٰ میں امن بھی قائم کر سکتا ہے۔ اسرائیل پر بھی یہی اصول لاگو ہوتا تھا۔ ''فورس 17'' نے میڈرڈ (سپین) میں شامی سفارت خانے میں بم رکھنے نصب کرنے کی کوشش کر کے اپنی نئی جارحانہ پالیسی کا مظاہرہ کیا' سپینش پولیس نے فورس کے دو آدمیوں کو عین موقع پر گرفتار کر لیا۔ اس اقدام سے یہ ثابت ہوا کہ پی ایل او نے اسرائیلیوں کے ساتھ عربوں کو بھی اپنے اہداف میں شامل کر لیا تھا۔

اس نئے یونٹ نے کچھ عرصہ بعد ایک اور جارحیت پسند آپریشنز گروپ' ..... ''دی ویسٹرن سیکٹر آفس'' کے ساتھ مل کر کاروائیاں شروع کر دیں' اس گروپ نے اسرائیل کے اندر کاروائیاں کرنے میں خصوصی مہارت حاصل کر رکھی تھی' اس لیے وہ یاسر عرفات کی طرف سے لگائی گئی پابندی ــــ (''بیرونی جارحیت کی ممانعت'') کی زد میں نہیں آتی تھیں۔ نئے یونٹ اور ''ویسٹرن سیکٹر آفس'' کی کاروائیاں بعض اوقات ''متراکب'' (Overlapping) ہو جاتی تھیں۔ اردن میں کاروائی کرتے ہوئے ''ویسٹرن سیکٹر'' کو پہلے پی ایل او کے لیڈر خلیل الوزیر کی کمان میں دیا گیا جس کا جنگی نام' ابو جہاد تھا اور وہ یاسر عرفات کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ 1982ء میں بیروت سے پی ایل او کے اخراج کے بعد جب چیئرمین نے دیگر عرب لیڈروں کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھانا شروع کیا اور خاص طور پر اردن کے شاہ حسین سے تعلقات بہتر بنانے کی ضرورت محسوس کی تو اس نے سفارت کاری پر خصوصی توجہ دینا شروع کر دی۔ اس

کا مقصد مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ میں فلسطینیوں کا وطن بنانے کے لیے جگہ حاصل کرنا تھا' اس کے لیے طویل مذاکرات کا عمل شروع ہو گیا۔ جب تک یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر جب یہ ناکام ہو گیا' تب بھی پی ایل او نے مسلح جدوجہد جاری رکھنا ہی ضروری سمجھا۔

''ویسٹرن فرنٹ آفس'' کا کام اپنے آدمیوں کو اسرائیل پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے استعمال کرنا تھا لیکن اس کے چین میں تربیت یافتہ کمانڈر خلیل الوزیر کے لیے مشکل یہ تھی کہ اس کا ہیڈکوارٹر' امکانی میدان جنگ سے سولہ سو میل دور تیونس میں تھا' اردن اپنی سرزمین اسرائیل کے خلاف آپریشنز کے لیے بطور اڈہ استعمال کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھا جبکہ اس ملک کی سیکورٹی کے سخت انتظامات کی وجہ سے وہاں اندر خفیہ اڈوں کا قیام انتہائی خطرناک اور مشکل تھا۔ چنانچہ ابوجہاد نے سمندر کی جانب سے حملے شروع کر دیے اور قبرص کو عارضی اڈے کے طور پر استعمال کرنے لگا۔ اپریل 1985ء میں اس کا ایک گروپ' جس نے الجزائر میں تربیت پائی تھی' بحری جہاز ''اٹاویرس'' (Atavirus) پر سوار ہو کر اسرائیلی ساحل کی طرف سے اندر داخل ہونے کے لیے روانہ ہوا' لیکن ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی اسرائیلی گشتی کشتیوں نے حملہ کر کے اسے غرق کر دیا۔ ابوجہاد نے ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ لیکن یہ الزام لگ گیا کہ اس کے ''ویسٹرن سیکٹر'' کے اندر موساد کے جاسوس موجود ہیں۔ ورنہ منصوبہ بالکل ٹھیک تھا۔ اندر کے جاسوسوں نے اسے ناکام بنا دیا ہے۔ اس مرحلے پر ''فورس 17'' نے حملے کے لیے پھر وہی طریقہ اختیار کیا' لیکن اسرائیلی بحریہ پھر خبردار ہو گئی اس نے ''موٹر یاٹ، کیسل ربدی'' (Casselpeon.) کو جنوبی لبنان کے ساحل کے قریب سے پکڑ لیا اور آٹھ چھاپہ ماروں کو ''فورس 17'' کے ڈپٹی کمانڈر فیصل ابوشہر سمیت گرفتار کر لیا۔ چند دنوں بعد اسرائیلی گن بوٹوں نے ایک اور یاٹ ''گانڈا'' (Ganda) کو پی ایل او کے 10 افراد سمیت قبرص کے قریب سے پکڑ لیا۔

دوسری طرف تیونس میں پی ایل او کے ہیڈکوارٹر میں' لیڈر اس نتیجے پر پہنچے کہ موساد نے انہیں ایک بار پھر مات دے دی ہے اور یہ کہ ان کے بحری آپریشنز اس لیے ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں کہ قبرص میں بیٹھے بعض افراد ان کے منصوبوں کی نگرانی کر رہے ہیں' کسی طرح انہیں قابو کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ یہودیوں کے ''یوم کفارہ'' پر ''فورس 17'' کا ایک سہ رکنی سکواڈ ''لارناکا'' سے ایک اسرائیلی یاٹ پر سوار ہو گیا اور تھوڑی دور جا کر اس نے ایک یہودی عورت کو گولی مار دی اور اس کے خاوند اور اس کے دوسرے ہمراہی کو یرغمال بنا لیا۔ انہوں نے ان کی رہائی کے بدلے اپنے گرفتار شدہ ساتھیوں کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا' جب بات نہ مانی گئی

تو انہوں نے دونوں افراد کے سروں میں گولی مار دی۔ اسرائیل کا اصرار تھا کہ ہلاک ہونے والے تینوں افراد سیاح تھے۔

پی ایل او کی ہٹ ٹیم نے خواہ صحیح ہدف منتخب کیا تھا یا غلط لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ موساد کے ایجنٹ قبرص میں سرگرم عمل تھے۔ یہ جزیرہ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کی کاروائیوں کا مرکز بن چکا تھا اور ان کے حوالے سے وہی جغرافیائی حیثیت اختیار کر چکا تھا جو دوسری جنگ عظیم کے دوران سوئٹزر لینڈ کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس میں ایک طرف پی ایل او کا بھرپور نمائندہ دفتر تھا اور دوسری جانب اسرائیلی سفارت خانہ تھا جو اپنی انٹیلی جنس کو عرب دنیا سے متعلق پیغامات سننے اور آگے منتقل کرنے کی جملہ سہولتیں دے رہا تھا۔ اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم شمعون پیریز نے تیونس کے قریب پی ایل او کے ہیڈکوارٹر پر انتقامی فضائی حملوں کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسرائیل کے پاس اس امر کے یقینی شواہد موجود ہیں کہ قبرص میں تین اسرائیلیوں کو ''فورس 17'' نے ہی قتل کیا تھا۔ ''لارناکا یاٹ'' کے معاملے سے متعلق ایک حیرت انگیز بات یہ تھی کہ قاتلوں کے سکواڈ کا لیڈر ایک بھورے بالوں والا شخص ایک انگریز تھا جو نارتھ شیلڈ کا رہنے والا تھا۔ وہ تین سال قبل از خود پی ایل او میں بھرتی ہوا تھا' پھر ''فورس 17'' میں شامل کر لیا گیا۔ اسے آپریشنوں کے لیے اس خیال سے بھرتی کیا گیا کہ ایسے کاموں کے لیے ایک عرب کی بہ نسبت ایک اینگلوسیکسن زیادہ موزوں ہو گا۔ وہ اب جاسوسی کے الزام میں نکوشیا (قبرص) میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ بحیرہ روم میں ان کاروائیوں کے ساتھ ساتھ' پی ایل او کی ٹیمیں یورپ میں بھی سرگرم عمل تھیں ان میں سے ایک ٹیم میجر مصطفیٰ کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس افسر کا نام موساد کی خفیہ دستاویزات میں بھی لکھا ہوا تھا۔ اس سروس نے اپنے پرانے طریق کار کا اعادہ کرتے ہوئے' جنہیں وہ لبنان میں اچھی طرح آزما چکی تھی' اس کے بارے میں سرگرمی سے معلومات اکٹھی کیں اور اس مقصد کے لیے چند عربوں کو بھرتی کر کے ان کے ذریعہ اس سے ہر قسم کی بات پوچھ لی۔

موساد کا ایک ایجنٹ اسماعیل سووان خاص طور پر میجر مصطفیٰ کے پیچھے رہا۔ یہ شخص اردن کا باشندہ تھا اور طبعاً مہم جو اور حریص تھا۔ اس کا گاؤں بیت اللحم اور یروشلم کے درمیان واقع تھا جہاں وہ 1960ء میں پیدا ہوا' اسرائیل نے اس کی پیدائش سے سات پہلے دارالحکومت کے مشرقی حصے کو فتح کیا تھا جس میں اس کا آبائی گاؤں بھی شامل تھا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس سروس نے جب اسے بھرتی کیا تو یہ پندرہ سولہ سال کا تھا۔ اپنے دوسرے ہم عمر نوجوانوں کی

طرح' جنہوں نے خود کو اچانک اسرائیلی حکومت کے زیرِ سایہ پلتے پایا' وہ بھی متضاد وفاداریوں کے نرغے میں تھا۔ سائنس کا طالب علم تھا اور ساتھ دولت اور عزت کی ہوس بھی تھی جب ایک معقول رقم کے عوض موساد سے وابستہ ہونے کا موقع ملا تو اس نے سمجھا کہ اس کے تعلیمی مصارف لباس اور سیر و سیاحت کے لیے بھی بہت کچھ ملے گا چنانچہ اس نے کاغذات پر دستخط کر دیئے۔ بعد میں جب وہ برطانیہ میں گرفتار ہوا اس نے بتایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے بھرتی ہونے سے انکار کی صورت میں اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی گئی تھی۔ لیکن اس کے والدین نے اخباری اشتہار کے ذریعہ اسے عاق کر دیا تھا۔ اس کے بھائی ابراہیم سوان کا کہنا ہے کہ ''پورے گاؤں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اسماعیل' اسرائیلی انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہا ہے اس پر سب ناراض تھے۔''

فیلڈ ورک کا تربیت پانے کے بعد اسماعیل سوان 1977ء میں براستہ اردن بیروت چلا گیا کیونکہ اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے عربوں کے لیے یہ راستہ آسان تھا وہ قانونی طور پر دریائے اردن کو ایلن بائی پل پر سے عبور سکتے تھے۔ لبنان میں پہنچنے کے بعد' ظاہر ہے کہ اسرائیلی حکام کی ہدایت پر ہی وہ پی ایل او میں بھرتی ہو گیا۔ اس تنظیم نے اسے فوجی تربیت دی' حتیٰ کہ یہ جانے بغیر کہ یہ پہلے ہی اسرائیلیوں کے لیے کام کر رہا ہے' اسے ایک مہم پر یروشلم بھی بھیج دیا۔ اسرائیلیوں نے نئے کیریئر میں اسے جو پہلا کام سونپا یہ تھا کہ ایک اسلحے کے سمگلر کو ورغلا کر پکڑنے میں مدد کرے۔ اس وقت اسرائیلی سروس کے ''خفیہ جاسوسوں'' (Moles) کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ فلسطینی لیڈروں اور ان کے منصوبوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کریں جبکہ اسماعیل سوان کی ایک زائد ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ وہ فلسطینیوں کو گولہ بارود کے ذخائر کا اتہ پتہ معلوم کرے۔ لبنان میں پانچ سال گزارنے پر اس کے فلسطینی آقاؤں نے اسے پیرس جانے کا حکم دیا' جس کا ظاہری مقصد فرانسیسی زبان سیکھنا بتایا گیا۔ بعد میں اس نے اس امر کی گواہی دی کہ وہاں کیفے ہوٹلوں اور رہائش گاہ پر اسرائیلی ایجنٹ اس سے باقاعدگی سے ملاقاتیں کرتے اور ہر ماہ کچھ رقم بھی دیا کرتے تھے۔ اسرائیلی سفارت خانے میں' جو شانزے لیزے کے قریب تھا' اس کا ''کیس آفیسر'' ایک ایسا آدمی تھا جسے وہ صرف ''ایڈم'' کے نام سے جانتا تھا۔ موساد' اپنے پیرس کے سفارت خانے کو ایک عرصے تک یورپ میں آپریشنوں کے کنٹرول سنٹر کے طور پر استعمال کرتی رہی تھی۔

اسماعیل سوان کے جاسوسی کیریئر کی اگلی منزل 1984ء میں آئی جب وہ لندن جا کر

ایک اپارٹمنٹ میں رہنے لگا' اس کا کرایہ اسرائیلی ادا کرتے تھے اور ساتھ ہی دیگر کاموں کے لیے (600) پاؤنڈ ماہانہ ملتے تھے۔ یہ رہائش گاہ ایک مناسب حد تک غیر معروف ضلع' میدا ویل میں تھی۔ اس کا پیشہ ورانہ مقصد' باتھ (جنوب مغربی انگلستان) میں انجینئرنگ ڈگری کورس مکمل کرنا تھا۔ لندن میں آمد کے بعد زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس نے دیگر بہت سے متجسس عرب طلبہ کی طرح وسطی لندن میں ایک دفتر میں آمد و رفت شروع کر دی جو پی ایل او اور عرب لیگ کا مشترکہ دفتر تھا' انہی طلبہ کی طرح ان سے بھی اس نے اپنی تعلیمی ضروریات کے لیے مالی مدد کی درخواست کی۔ ایک فلسطینی افسر نے دعویٰ کیا کہ اسماعیل سوان سے ابتدائی سوال و جواب کے بعد اسے ایجوکیشن سیکشن کا ایڈریس دے دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ وہ آئندہ اس میں آفس کا رخ نہ کرے۔

اسے قسمت کا کھیل ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں جس پہلے شخص سے اسماعیل سوان کی ملاقات ہوئی وہ ''فورس 17'' کا مصطفیٰ تھا جو اس آفس میں سکیورٹی کے معاملات کا نگران تھا۔ یہ وہی مصطفیٰ تھا جو پی ایل او ہیڈ کوارٹر میں میجر عبدالرحیم مصطفیٰ کے طور پر پہچانا جاتا تھا۔ دونوں میں فوراً دوستی ہو گئی۔ موساد کا ''کیس آفسر'' بھی یہی چاہتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے جائیں۔ اس لیے ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ جیسا کہ سوان کے وکیل صفائی ''ڈیوڈ کاکس'' نے بعد میں کہا۔ ''وہ پی ایل او سے گھل مل گیا' جبکہ خود اسرائیلی انٹیلی جنس سروسز کے لیے کام کر رہا تھا' یہ انتہائی خوفناک اور ہولناک صورتحال تھی''۔ مصطفیٰ سے اس کی دوستی ''باتھ'' میں انجینئرنگ سٹوڈنٹ کے طور پر انرولمنٹ کے بعد بھی برقرار رہی۔

مصطفیٰ نے اپنے نئے دوست اور پی ایل او کے سپورٹر ساتھی کو ''فورس 17'' میں اپنے واقعات زندگی اور اپنے ذاتی کارنامے سنائے جن میں 1970ء کا وہ واقعہ بھی شامل تھا کہ اس نے مغربی جرمنی میں اسرائیلی طیارہ اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اردن قبرص اور سپین میں اپنے فوجی معرکوں کی تفصیلات بھی اسے بڑھا چڑھا کر سنائیں۔ تاہم سوان نے بعد میں اسے ''لومڑ کی طرح مکار اور ذہین'' شخص قرار دیا۔ ایک باہر کے ملک میں دو ''فلسطینیوں'' کے درمیان راز داری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال اس دوران ایک باتصویر رسالے میں مصطفیٰ کی فوٹو بھی مع ''فورس 17'' کے تاریخی کارناموں کے' چھپ چکی تھی۔ یہ رسالہ فلسطینیوں میں مفت بانٹا گیا تھا۔ ایک تصویر میں اسے لبنان میں ایک بکتر بند گاڑی میں کھڑا دکھایا گیا تھا۔ غالب گمان ہے کہ موساد اس کی وجہ سے اس کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئی ہو گی۔

مصطفیٰ اور اسماعیل سوان (لندن میں موساد کا ایجنٹ) ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے کہ جب سوان نے ایک انگریز لڑکی کارل گرین سمتھ سے شادی کی تو مصطفیٰ اس کا شہ بالا تھا اور اس نے میرج سرٹیفکیٹ پر بطور گواہ دستخط بھی کیے تھے۔ بالآخر جب سوان 1986ء کے وسط میں ''ہمبر سائیڈ کالج آف فردر ایجوکیشن'' میں بطور ریسرچر ''ہل'' (Hull) میں منتقل ہو گیا تو ان کی ملاقاتوں میں کمی آ گئی۔ اس مرحلے پر' اس کے اپنے بیان کے مطابق اس نے موساد سے روابط توڑ ڈالے تھے تاکہ اس کا اکیڈیمک کیریر بہتر بن سکے لیکن اس کے وکیل صفائی کا کہنا تھا کہ ___ ''اس قسم کے جاب سے استعفے نہیں دیے جاتے۔''

اس فلسطینی ''جوزی'' کی دوبارہ ملاقات اگلے سال اس وقت ہوئی جب مصطفیٰ وہاں سے رخصت ہونے والا تھا' برطانوی حکام اسے ایسے وقت نکال رہے تھے کہ وہ مالی مشکلات کے باعث ایسیکس میں ''لے آن سی'' میں اپنا گیراج بھی بند کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنا مکان بھی واپس کر چکا تھا اور اب اسے گیراج بند کرنے کی وجہ سے ایسی جگہ کی بھی شدید ضرورت تھی' جہاں وہ اپنے ہتھیاروں کا خفیہ ذخیرہ منتقل کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے مصطفیٰ نے ''ہل'' کے کئی چکر لگائے اور انتہائی لجاجت سے کہا کہ وہ اپنے چند سوٹ کیس بغرض حفاظت اس کے پاس رکھوانا چاہتا ہے۔ عدالت میں سوان کے وکیل صفائی کے مطابق اسے معلوم نہیں تھا کہ ''ان سوٹ کیسوں میں دھماکہ خیز آلات اور دیگر اقسام کے اسلحہ جات ہیں''۔

لیکن یہ سٹوری ناقابل یقین تھی۔ بہرحال سوان' مصطفیٰ کی واپسی کے بارے میں اسرائیلی سفارت خانے کو مطلع کرنے کے لیے لندن گیا' جب وہاں پہنچا تو بقول اس کے' سفارت خانہ ''ویک اینڈ'' کی وجہ سے بند تھا۔ اگر وہ سچ کہہ رہا تھا تو پھر دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔ یا تو وہ بہت ذہین ایجنٹ نہیں تھا کہ اسے سفارت خانے کی بندش کا دن معلوم ہوتا' یا اس کے کنٹرولر نے اسے صحیح طور پر ''بریف'' نہیں کر رکھا تھا۔ زیادہ قرین قیاس بات یہ تھی کہ یہ محض ایک من گھڑت کہانی تھی جس سے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی کہ موساد کو اس مرحلے پر اسلحے کے اس ذخیرے کا علم تھا اور برطانوی حکام کو یہ بات بتانا نہیں چاہتی تھی۔ سوان 14 جولائی 1987ء کو بذریعہ طیارہ اسرائیل پہنچا اور وہاں اس نے اعتراف کیا کہ اسرائیلیوں کو اس نے مصطفیٰ کی سرگرمیوں کو تازہ ترین خبروں سے بروقت مطلع کر دیا تھا۔ موساد اپنی مخصوص مصلحت کے تحت کسی کو اس اطلاع میں شریک نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ممکن تھا کہ یہ واقعہ پردۂ اخفا میں ہی رہتا مگر لندن میں اس ماہ ایک ہولناک واقعہ

رونما ہو گیا جس سے سارا معاملہ فاش ہو گیا۔ اس روز ایویز سٹریٹ چیلسی میں ایک عربی کے اخبار القباس کے دفاتر کے قریب قاتلوں کی ایک ٹیم نے ''علی الضبائی'' نام کے ایک کارٹونسٹ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر وہ کون ہو گا جو محض ایک کارٹون بنانے والے کو ہلاک کر ڈالے گا؟۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین نے اس کا جواب تلاش کرنے کے لیے اس کی ڈرائنگز دیکھنا شروع کر دیں تو انہیں اس کے بنائے ہوئے ایسے دو کارٹون دکھائی دیے جن میں فلسطینیوں کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ ایک ڈرائنگ میں ایک شخص مرا پڑا تھا اور اس کا عنوان یہ بتا رہا تھا کہ ''یہ شخص اخبار میں پی ایل او کے انتخابات کی خبر پڑھ کر ہنستے ہنستے مر گیا''___ دوسرے کارٹون کا عنوان یہ تھا___ ''میں کہوں کہ میں پی ایل او میں تھا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے اور اگر کہوں کہ میں اس میں نہیں تھا' تب بھی مار ڈالا جاؤں گا''___ الضبائی کو کئی بار دھمکیاں مل چکی تھیں کہ وہ اپنی خطرناک روش کو ترک کر دے کیونکہ وہ فلسطینی قیادت کا مضحکہ اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس نے فلسطینیوں کے مصائب اور بدحالی کے پس منظر میں یاسر عرفات کی پر تعیش زندگی پر بھی خاصے طنز بھرے کارٹون بنائے تھے۔ ماہرین کا گمان تھا کہ یہ قتل' اس کے فن کے بے محابا استعمال کا ردعمل ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تندخو اور مشتعل مزاج لوگوں کا گروہ ہے جو لطیف طنز کا متحمل نہیں ہو سکتا___ اس لیے اس نے اس کارٹونسٹ سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا ہے۔

فرانس سے پولیس کو ''فورس 17'' کے مصطفیٰ کے بارے میں ایک خفیہ اشارہ ملا کہ اس کا نام پیرس میں مطلوب افراد کی فہرست میں شامل ہے۔ درحقیقت ٹیلی ویژن کے ایک پروگرام ''ورلڈان ایکشن'' کے مطابق یہ اطلاع' اس وقت کے فرانسیسی وزیر داخلہ چارلس پاسکوا کے براہ راست حکم پر پہنچائی گئی تھی جس پر لندن کی انسداد دہشت گردی ٹیم نے کارٹونسٹ کے قتل میں مصطفیٰ کا ہاتھ ہونے کے شبہ میں اس کی تلاش شروع کر دی' وہ اس سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد کا بھی اتہ پتہ معلوم کر رہی تھی۔ دوران تفتیش انکشاف ہوا کہ مصطفیٰ پی ایل او کے آپریشنز کے سلسلے میں مختلف پاسپورٹوں پر سال سالہا سے انگلستان آتا جاتا رہا ہے اور وہ یورپ کے متعدد ممالک کو ''انتہائی مطلوب'' افراد کی فہرست میں شامل ہے۔ جبکہ پچھلے تین سالوں کے دوران وہ بے حد خاموشی سے ''رام فورڈ ایسیکس'' میں مقیم رہا' اور فلسطینی آفس میں بطور سکیورٹی گارڈ ڈیوٹی دینے کے لیے جاتا رہا ہے۔ خود پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ ''لے آن سی'' میں ایک گیراج چلاتا رہا ہے۔

پولیس نے یہ بھی پتہ چلا لیا کہ مصطفیٰ کی اسماعیل سووان سے دوستی رہی ہے اور وہ تین دفعہ اس سے ملنے پارک شائر میں ''ہل'' جا چکا ہے جہاں سووان رہتا ہے۔ مصطفیٰ کی سرخ رنگ کی فوکس ویگن پولو میں آمد و رفت کا بھی آسانی سے پتہ چل گیا کیونکہ وہ پٹرول خریدنے کے لیے ایک ''ایکسس'' کارڈ استعمال کیا کرتا تھا اور کئی فلنگ سٹیشنوں پر اس کی کار کا نمبر درج پایا گیا۔ اس سے سووان کے ساتھ اس کے تعلق کا ثبوت مل گیا' جس پر اس کا گھر معلوم کر لیا گیا۔ پولیس نے جب گھر کی تلاشی لی تو اسے ہتھیاروں سے بھرے چھ سوٹ کیس مل گئے۔ پی ایل او کے اس ''اسلحہ خانے'' میں جو ویسٹ بورن ایونیو میں ایک باتھ روم کپ بورڈ میں چھپایا گیا تھا دھماکہ خیز بارود' دستی بم' کلاشنکوف اور ازالٹ رائفلز وغیرہ برآمد ہوئیں' یہ اسی قسم کے ہتھیار تھے جو دہشت گردوں میں بہت مقبول تھے' ان میں سے بیشتر ہتھیاروں پر مصطفیٰ کی انگلیوں کے واضح نشانات پائے گئے۔

لیکن جب یہ سب کچھ پکڑ لیا گیا' سووان اسرائیل میں چھٹیاں گزار کر واپس آ چکا تھا اور میجر مصطفیٰ جا چکا تھا۔ کارٹونسٹ الضہامی کے قتل کے دوسرے روز جب اس فلسطینی نے ہیتھرو سے قبرص کے لیے فلائیٹ لینے کی کوشش کی تو ناکام رہا جس پر اس نے کرائے کی کار حاصل کی اور مانچسٹر چلا گیا' وہاں سے براستہ بلغاریہ بحیرہ روم کے اس جزیرے تک کی چکردار فلائیٹ حاصل کر لی۔ یوں میجر مصطفیٰ گرفتاری سے بچ گیا اور ''فورس 17'' کے شمالی افریقہ کے ہیڈ کوارٹر میں دوبارہ جا شامل ہوا' تاکہ مزید ڈیوٹیوں کے لیے انہیں دستیاب رہے۔ اس ناکامی کی ذمہ داری موساد پر تھی۔ کیونکہ وہ مناسب وقت پر اطلاع نہیں دے سکی۔ یہ اطلاع کچھ پہلے مل جاتی تو اس گرفتاری یقینی تھی۔ اس خاموشی کی بنا پر وہی تنظیم اپنے ایجنٹ اسماعیل سووان کی گرفتاری اور سزایابی کی ذمہ دار تھی جس کا عہدیدار پی ایل او کا ملکیتی دھماکہ خیز مواد دستی بم اور کلاشنکوف اپنے قبضے میں رکھنے کا مجرم پایا گیا اور اولڈ بیلی کی عدالت نے اسے گیارہ سال قید کی سزا دے دی۔

برطانیہ کی طرف سے سرزنش

سووان اور میجر مصطفیٰ کے واقعات کے سلسلے میں موساد کے آپریشنوں نے برطانیہ میں اس کے ایجنٹوں کی قابل اعتراض سرگرمیوں کا ایک اور جیتا جاگتا ثبوت پیش کر دیا اور یہ بات بھی مزید کھل گئی کہ ''انسٹی ٹیوٹ'' کے گماشتے عرب دہشت گردوں کے تعاقب کی آڑ میں شرافت کی حدود کو پاؤں تلے روندنے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں خود بھی پھنس جاتے ہیں۔ لندن میں عرب کارٹونسٹ کے قتل کی تفتیش نے' جو سکاٹ لینڈ یارڈ کے انسداد دہشت گردی یونٹ نے کی تھی' ملک میں زبردست ہلچل مچا دی۔ یہ تفتیش کمانڈر جان چرچل کولین کی زیر نگرانی مکمل ہوئی تھی۔ اس کی رپورٹ سے پتہ چلا کہ اسرائیل کی سیکرٹ سروس اپنے قومی مفاد کے لیے بیرونی ممالک کی سرزمین کو کتنی دیدہ دلیری سے استعمال کرتی ہے اور کیسی کیسی گھناؤنی سازشوں میں ملوث ہوتی ہے۔

اسرائیلی اس قتل کے ذمہ دار قرار نہیں دیئے گئے تھے لیکن جب ان کے خفیہ آپریشنوں پر سے پردہ اٹھا تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا' ان کی اس کوتاہی کو انتہائی خطرناک اور مکارانہ قرار دیا گیا کہ انہوں نے برطانوی حکام کو اسلحہ کے اتنے بڑے ذخیرے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ ان کے آدمی سووان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عرب دہشت گرد آگے چل کر اس اسلحہ کو لازماً برطانیہ ہی میں استعمال کریں گے اور یہ بات صرف موساد جانتی تھی کہ پی ایل او کا دہشت گرد میجر مصطفیٰ ایک ''بین الاقوامی گرفتاری وارنٹ'' کے سلسلے میں مطلوب ہے۔ وہ برطانیہ سے ایک بار پہلے بھی خطرناک و مشتبہ شخص کے طور پر نکالا جا چکا ہے اور خفیہ طور پر دوبارہ یہاں آ کر دندناتا پھر رہا ہے۔ چنانچہ برطانیہ نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور اسرائیل سے زبردست احتجاج کیا۔

موساد سے یہ توقع تو نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اس خفیہ آپریشن کی تمام تفصیلات حکومت کے گوش گزار کر دیتی' یہ سوان یا بشر سارا (ایک اور خفیہ ایجنٹ جو برطانیہ میں پی ایل او کے سیل سے قریبی رابطہ رکھے ہوئے تھا) کی زندگی خطرے میں ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی لیکن جب ایجنٹوں نے ایک دوست ملک کی سرزمین پر پی ایل او کے دھماکہ خیز مواد اور ہتھیاروں کی موجودگی کا پتہ چلا لیا تھا ان کی کم از کم یہ ذمہ داری تو تھی کہ ان حقائق سے حکومت کو مطلع کر دیتے۔ لیکن انہوں نے نہ صرف یہ نہیں کیا بلکہ مصطفیٰ جیسے خطرناک شخص کی لندن میں موجودگی کی بھی رپورٹ نہیں کی۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ سکاٹ لینڈ یارڈ اس کی دوبارہ آمد سے قطعاً بے خبر تھی۔ مزید براں اسرائیلی ''کیس آفیسر'' نے اپنے آدمی بھیج کر مصطفیٰ کے گھر کا دروازہ تڑوایا' وہاں سے ضروری کاغذات نکلوائے پھر بھی' نہ تو برطانوی انٹیلی جنس کو مطلع کیا اور نہ پولیس کو رپورٹ دی۔

چنانچہ برطانوی حکام کے غصے کی کوئی حد نہ رہی۔ انہوں نے اسرائیلی سفارت خانے کے اتاشی ایری ریجیف سے کہہ دیا کہ اس کی یہاں موجودگی ''نامناسب'' ہے کیونکہ اس کی سرگرمیاں سفارتی آداب سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ برطانوی انٹیلی جنس کے علم میں آیا تھا کہ وہ اسماعیل سوان اور موساد کے دوسرے ایجنٹ بشر سارا کی سرگرمیوں کا سرکاری طور پر نگران ہے۔ مؤخرالذکر ایجنٹ' حقیقتاً ایک دروزی (DRUZE) تھا اور اسے اسرائیلی شہریت حاصل تھی۔ برطانوی حکام نے ایک اور اسرائیلی سفارت کار جیکب براد کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ اس کا دوبارہ برطانیہ میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا' وہ یہاں سے چھٹی لے کر اپنے ملک گیا ہوا تھا۔ ان اقدامات پر اسرائیل نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بیان جاری کیا ..... ''ہمیں بہت افسوس ہے کہ ہر میجسٹی کی حکومت نے یہی اقدامات ہمارے لیے مناسب سمجھے۔ اسرائیل نے برطانیہ کے مفاد کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ ہمارا واحد محرک دہشت گردی کے خلاف لڑنا ہے۔'' اسرائیل اپنے غیر سفارتی رویے کے لیے ایک بار پھر پرانے اور گھسے پٹے جواز کا اعادہ کر رہا تھا۔ مثلاً اس کا اگلا جملہ یہ تھا ''جب تک ہم دہشت گردی کے خلاف لڑ رہے ہیں' کچھ بھی ہو سکتا ہے''۔ پھر ایک اور جملہ یہ تھا ''ہم کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں..... کوئی بھی نہیں''۔ اس وقت اسرائیل کا مدافعتی طرز عمل صاف بتا رہا تھا کہ اس کا سفارتی ضمیر پوری طرح صاف نہیں تھا۔

مسز تھیچر کی طرف سے اسرائیل پر دھوکہ دہی کا جو الزام لگایا گیا تھا' اسرائیلی

وزیراعظم شمیر نے اس کا جواب ایک اخباری انٹرویو میں دیا..... ''میں صرف یہی کہوں گا کہ میرے خیال میں' اس جانب کوئی غلط فہمی کارفرما ہے' جو قابل افسوس ہے۔''

موساد کی طرف سے ایک آزمودہ اور قابل اعتماد حلیف سروس کو اطلاعات میں شریک کرنے سے گریز' اس کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا۔ اپنے ایجنٹوں کو میجر مصطفیٰ کے اتنے قریب' رکھنا اور یہ بھی جانتے رہنا کہ اس کے اسلحے کا ذخیرہ کہاں پر ہے کنٹرولر کے اس رجحان کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اس آپریشن کو جاری رکھنا چاہتا تھا اور اسلحے کی اتنی بڑی مقدار کو بھی اپنی نگرانی میں رکھنا چاہتا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے اسے توقع تھی کہ وہ مصطفیٰ کے ''فورس 17'' کے دیگر کارندوں کے ساتھ روابط اور یورپ میں اس کے ٹھکانوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ موساد کو بطور ادارہ اس امر کی کوئی تشویش نہیں تھی کہ عرب' عربوں کو مار رہے تھے جیسا کہ لندن کی گلیوں میں ایک کارٹونسٹ ہلاک کر دیا گیا' اس کے لیے اصل اہمیت اپنے آپریشنوں کی رفتار برقرار رہنے اور تمام معاملات اپنے تک محدود رکھنے کی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ اسے دہشت گردی میں مصروف فلسطینیوں کی آئندہ چالیں اور منصوبے کیا ہیں؟ خواہ وہ دوستانہ ہوں یا معاندانہ۔

ممکن ہے کہ مصطفیٰ یا اس کے ''رابطوں'' کو بالآخر پکڑنا یا قتل کرنا' ان کے پروگرام میں شامل ہو۔ 1972ء کے واقعۂ میونخ کے بعد موساد نے مجرم پائے جانے والے سبھی افراد سے نمٹنے کی ایک مہم جاری رکھی ہوئی تھی۔ اس مہم میں وہ خاصی دور تک جا چکی تھی لیکن بعد میں احکامات جاری ہوئے کہ مشتبہ دہشت گرد لیڈروں کو قتل نہ کیا جائے ماسوائے کسی اشد ضرورت کے۔ لیکن اب مغربی انٹیلی جنس افسروں کو محسوس ہوا کہ شاید یہ پالیسی دوبارہ تبدیل ہو گئی ہے۔ ان کے اس خیال کو 1988ء میں تیونس میں خلیل الوزیر کے قتل کے واقعہ سے تقویت مل گئی۔ اس قتل کو موساد انٹیلی جنس سے منسوب کیا گیا تھا۔ مقتول اتنا اہم شخص تھا کہ یاسر عرفات کے بعد وہ اس کا متوقع جانشین سمجھا جاتا تھا۔

لندن میں اسرائیلیوں کے خلاف سفارتی ایکشن لیے جانے کے ساتھ ساتھ پی ایل او کے ایک افسر ذکی الحوا کو بھی نکل جانے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ وہ لندن میں اپنی تنظیم کا ترجمان ہوا کرتا تھا اور ''فورس 17'' کا ممبر بھی تھا۔ اس کارروائی پر بھی اسرائیل ناراض تھا۔ اس کی ناراضی اس بنا پر تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ اسے سفارتی حیثیت حاصل ہے اور پی ایل او کو حاصل نہیں ہے' لہٰذا دونوں کے ساتھ یکساں سلوک نہیں ہونا چاہیے۔

برطانیہ میں موساد کے ایجنٹوں کی خفیہ کارروائیاں جب پہلی بار منظر عام پر آئیں تو وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے وزیراعظم اسرائیل اسحاق شمیر کو خود احتجاجی خط لکھا جس میں انتباہ کیا گیا تھا کہ اگر اس کے افسروں نے شائستہ رویہ اختیار نہ کیا تو موساد کو ان دوست انٹیلی جنس ایجنسیوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا جنہیں وہائٹ ہال (حکومت برطانیہ کے دفاتر) اور اس کے ذیلی اداروں میں پذیرائی ملتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں وہاں سے تعاون دینے کا بالکل ہی انکار کر دیا جائے۔ اس وقت تک کی پوزیشن یہ تھی کہ موساد اور چند دیگر حلیف ملکوں مثلاً آسٹریلیا، کینیڈا اور امریکہ کی سیکرٹ سروسز کو ''دوست انٹیلی جنس ایجنسیوں'' کی حیثیت ملی ہوئی تھی۔ اسرائیل کو اب تک جو ترجیحی حیثیت حاصل تھی اس کا ایک مظاہرہ یہ ہوا کہ انگلستان سے نکالے گئے سفارت کار مسٹر ربحیف کا نام لندن میں اسرائیل کے تسلیم شدہ (Accredited) سفارت کاروں کی فہرست میں شائع نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ اس سے اس امر کی توثیق ہوگئی تھی کہ اس کے سفارت خانے کے ساتھ منسلک موساد کے ایجنٹوں کو اپنی ناقابل شناخت حیثیت (Anonymity) برقرار رکھنے کی اجازت تھی۔ حتیٰ کہ برطانوی حکام سفارتی حیثیت نہ رکھنے والوں کو بھی بعض مراعات دے دیتے تھے۔ اسماعیل سوودان کے واقعہ کے بعد اسرائیل کو سخت وارننگ جاری ہوگئی کہ اگر مزید بدتمیزی کا مظاہرہ ہوا تو حکومت، موساد کو ''کے جی بی'' اور دیگر غیر دوست سیکرٹ ایجنسیوں کے زمرے میں شامل کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور اس کی سخت حوصلہ شکنی کرنا سرکاری پالیسی کا حصہ بن جائے گا۔

اس دھمکی پر برطانوی انٹیلی جنس افسروں کو کافی تسلی ہوگئی جو بعض اوقات سمجھتے تھے کہ موساد آپے سے باہر ہو رہی ہے اور اپنے سائز کو اپنے ''حقیقی سائز'' سے بڑا سمجھنے لگی ہے۔ یہ انٹیلی جنس سروسز کا عام وطیرہ ہے کہ وہ اپنی حریف ایجنسیوں کو مصیبت میں پھنسی دیکھ کر خوشی مناتی ہیں خواہ وہ ان کی دوست ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن یہاں یہ امکان نہیں تھا کہ دونوں ملکوں کی ایجنسیوں کے پرانے تعلقات کو کوئی زیادہ نقصان پہنچے گا۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ دونوں کو وقتاً فوقتاً ایک دوسری سے مدد لینی پڑتی رہتی تھی۔ برطانیہ بعض امور، مثلاً عرب دہشت گردوں کے روابط اور آئی آر اے (آئرش ری پبلک آرمی) کے موضوعات کے بارے میں موساد کی فائلوں سے استفادہ کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح اسرائیل بھی یورپ میں مسز تھیچر جیسے سیاستدانوں کی دوستی اور ہمنوائی پر خوشی محسوس کرتا تھا جو دہشت گردوں سے سخت رویہ اپنائے ہوئے تھے اور ہائی جیکروں اور یرغمالی بنانے والوں سے مذاکرات کرنے کے روادار نہیں ہوتے تھے۔

مگر سوودان کے معاملے نے دونوں کے تعلقات میں ایک یقینی کھنڈت ڈال دی تھی اور 1988ء کے موسم گرما میں برطانیہ اور سعودی عرب کے فوجی تعاون کے اعلان پر اسرائیل کی طرف سے کڑی تنقید کی وجہ سے یہ تعلقات مزید تناؤ کا شکار ہو گئے تھے۔ اس سال برطانوی فرموں نے سعودی عرب کو ٹارنیڈو جیٹ طیارے اور لڑاکا بحری جہاز فراہم کرنے اور وہاں دفاعی ڈھانچے کی تعمیر کا ایک معاہدہ کرلیا تھا۔ برطانیہ نے یہ اقدام اس وقت کیا جب امریکہ سعودی عرب کو اسلحہ کی فراہمی سے اس لیے پیچھے ہٹ گیا کہ امریکی کانگریس نے یہودی لابی کے دباؤ کی وجہ سے اس سودے کی مخالفت کردی تھی۔ اسرائیل کو برطانیہ کے اس معاہدے پر زیادہ غصہ اس لیے آیا کہ برطانیہ نے 1982ء سے اسرائیل کو اسلحہ کی فراہمی بند کر رکھی تھی۔ اسحاق شمیر اپنے ردعمل میں یہاں تک چلا یا کہ اس نے برطانوی حکومت کو ''اقتصادی فوائد کی خاطر اصولوں کو پامال کرنے'' کا طعنہ دے دیا۔

اس الزام پر برطانوی وزراء سخت مشتعل ہوگئے اور انہوں نے برطانوی سرزمین پر اسرائیل کے خفیہ آپریشنوں کے بارے میں اپنی سیکورٹی سروس کو تفصیلی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دے دیا۔ اس رپورٹ سے انکشاف ہوا کہ مسز تھیچر کی جانب سے انتباہ کے بعد اسرائیل نے اگرچہ برطانیہ میں اپنا نیٹ ورک سمیٹ لینے کی یقین دہانی کرا دی تھی لیکن کنگسٹن میں اسرائیلی سفارت خانہ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تھا وہ کم سے کم اپنا ایک خفیہ یونٹ پوری طرح چلا رہا تھا اور اس کے پانچ ایجنٹ دارالحکومت میں سرگرم عمل تھے۔ اس پر انہیں بھی ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی موساد پر واضح کر دیا گیا کہ آئندہ کے لیے برطانیہ میں اس کے لوگوں کی سرگرمیوں کو صرف اس صورت میں برداشت کیا جائے گا کہ وہ جو کچھ بھی کریں گے برطانوی حکام کو ان کی پوری اطلاع دینے کے پابند ہوں گے۔

اسرائیلی سفیر یہودا ازنر نے برطانوی فارن آفس پر الزام لگایا کہ وہ دانستہ طور پر موساد کی سرگرمیوں اور اس کے خفیہ رازوں کو ''افشا'' کر رہا ہے۔ اس نے انڈر سیکرٹری فارن آفس سر پیٹرک رائٹ سے کہا کہ وہ اس سلسلے کو فوراً بند کرائے کیونکہ اس سے دونوں ملکوں کے تعلقات بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ تاہم یہ اسرائیلی سیاستدان ہی تھے جنہوں نے یہ کہہ کر موساد کا بھانڈا پھوڑا کہ وہ ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہونے کے لیے بے سروپا الزام تراشیاں کرتی رہتی ہے۔ ایک اخبار نے اس سارے معاملے کی انکوائری کرانے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر اس صورتحال کی اصلاح نہ کی گئی تو اسرائیلی انٹیلی جنس کے لیے لندن کے

دروازے بند ہو جائیں گے جو کہ مشرق وسطیٰ میں اتنے سارے مفادات رکھنے والے کسی بھی انٹیلی جنس گروپ کے لیے بہت بڑا دھچکہ ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک اخبار نے نام لیے بغیر ایک اعلیٰ افسر کے حوالے سے کہا ''منفی اثرات کے اعتبار سے یہ چھوٹے پیمانے کا پولارڈ کیس ہے''۔ یہ تقابل پوری طرح فٹ نہیں بیٹھتا تھا کیونکہ جوناتھن پولارڈ' امریکہ میں اسرائیل کے لیے جاسوسی کرتا ہوا پکڑا گیا تھا اور اسے موساد نہیں چلا رہی تھی۔ وہاں یہ کام ایک ''بدقماش انٹیلی جنس سیکشن'' کر رہا تھا' جس کی نگرانی کینٹ آفس کر رہا تھا۔ سوان کیس میں انٹیلی جنس کنٹرولرز اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے باعث اپنی سرگرمیوں کے بے نقاب ہو جانے کے باوجود اپنے فیلڈ مینوں کو دوڑاتی رہی۔ اس سے سیاسی اور سفارتی دھچکوں کے سوا اور کیا برآمد ہو سکتا تھا؟

تمام دوست ممالک کی حکومتیں اس بات سے خوب آگاہ تھیں موساد نے مشرق وسطیٰ میں دہشت گردوں کے مقابلے کے لیے فلسطینیوں کی تحریکوں کے اندر اپنے ایجنٹ داخل کر کے زبردست کامیابیاں حاصل کی تھیں لیکن جب اس نے دراندازی کے یہی حربے یورپ میں استعمال کرنا شروع کیے تو پے در پے ناکامیاں ہونے لگیں۔ بیروت میں اس کے آپریشن اس مشکل کے باوجود کامیاب رہے تھے کہ پی ایل او کا ہیڈکوارٹر وہاں قریب ہی تھا۔ مگر اسرائیلی ''کیس آفیسرز'' کے لیے ایک آسانی بھی تھی کہ وہ اہداف کے قریب پہنچے ہوئے اپنے مرد اور عورت ایجنٹوں سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔ اسے ایک غیر متوقع فوجی کامیابی 1982ء میں لبنان پر اسرائیلی فوج کے حملے کے دوران نصیب ہوئی تھی جس کے نتیجے میں پی ایل او کو مزید جلاوطنی سے دوچار ہونا پڑ گیا تھا اس کے لیے جاسوسی کے آپریشن مشکل تر ہو گئے کیونکہ اس کے یونٹ یورپ اور عرب' ہر جگہ درہم برہم ہو چکے تھے۔

1988ء کے موسم گرما میں' جبکہ لندن کے واقعہ کے اثرات اپنے عروج پر ہی تھے' موساد نے ایک بار پھر اپنے پرانے طریقے کو آزماتے ہوئے' پی ایل او کے اس لیڈر کو قتل کرانے کا منصوبہ بنا لیا جو اسرائیل پر سمندری راستے سے بھی حملے کرانے کا ذمہ دار تھا اور جس نے یورپ میں جاسوسی کا ایک نیا جال بھی پھیلا دیا تھا۔ اس لیڈر خلیل الوزیر کو تیونس کے ہیڈکوارٹر میں اس کی رہائش گاہ کے اندر مشین گن کی گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اس طرح پی ایل او اپنے ایک سینئر ترین افسر سے محروم ہو گئی۔ وہ اپنی مسلح افواج کا کمانڈر ہونے کے علاوہ انتفاضہ کا لیڈر بھی تھا۔ جہاں تک انتہا پسند اور بے لچک اسرائیلیوں کا تعلق تھا ان کے نزدیک وہ

بجا طور پر موت کا مستحق تھا' اس کی موت پر ان کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑی تھی۔ وہ الفتح کے بانی ارکان میں سے تھا جو صرف آپریشنز کے لیے وجود میں لائی گئی تھی۔ الوزیر کو اس کے شرمیلے پن کی وجہ سے ''خاموش اور پراسرار آدمی'' کہا جاتا تھا۔ وہ ایک باتدبیر شخص تھا' اس نے ایک دنیا دیکھی ہوئی تھی جس کی بنا پر اس نے متعدد ممالک میں تنظیمی یونٹوں کے قیام کے منصوبے بنا رکھے تھے۔ اسے ابو جہاد کے نام سے پکارا کیا جاتا تھا کیونکہ وہ سارے فلسطین کو مقبوضہ قرار دے کر اسے بذریعہ جہاں آزاد کرانے کا پرچار کیا کرتا تھا۔

''انسٹی ٹیوٹ'' کے قتل کرنے کے عمومی طریقے' کمانڈو سٹائل چھاپہ مار کر کاروائیوں کی بہ نسبت زیادہ انفرادیت پسندانہ تھے مگر اسے ابو جہاد کے کیریر کو ختم کرنے کے لیے عمومی طریقہ ہی استعمال کیا۔ بہت سے مواقع پر یا تو انہوں نے دشمنوں کو دھماکے سے اڑایا یا چھوٹے سرجیکل طریقوں کو آزمایا۔ لیکن بعض اوقات' جیسا کہ اس سے پہلے بیروت کے فلسطینی ہیڈکوارٹر میں کیا گیا' موساد کے ایکشن سکواڈ کی بجائے فوجی یونٹوں کو استعمال کیا گیا جب سیکرٹ سروس کو فائر پاور کی ضرورت پڑی تو اس نے فوج کے انسداد دہشت گردی کے خصوصی آرمی یونٹ سیارۃ المتکل کو استعمال کیا۔

اعتراضات کی بوچھاڑ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اسرائیل کی سیکرٹ سروس کی اصل خرابی کیا ہے؟ تو اس کا جواب دینے سے پہلے اس سے بھی زیادہ بنیادی نوعیت کے اس سوال کا جواب تلاش کرنا پڑے گا کہ اسرائیل کی اصل خرابی کیا ہے؟۔ اس پر بڑے ٹھنڈے دل سے غور و فکر کی ضرورت پڑے گی۔ جن غلطیوں' رسوائیوں' الجھنوں اور پریشانیوں سے ''شین بتھ'' ''امن'' اور خود موساد شکار ہوئیں' یہ وہ عوارض ہیں جن سے تمام سیکورٹی سروسز اور سیکرٹ سروسز وقتاً فوقتاً دوچار ہوتی رہی ہیں۔ دنیا میں ایسی کوئی بھی خفیہ تنظیم نہیں جسے قدم قدم پر کامیابیاں ہی کامیابیاں نصیب ہوئی ہوں اور کسی غلطی یا ناکامی سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔ جمہوری ملکوں میں' جہاں کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی' غلط اندازوں' غلط منصوبہ بندیوں اور غلط عمل درآمد کے نتائج سامنے آئے بغیر نہیں رہتے۔ امریکہ اور برطانیہ کے خفیہ اداروں کا ریکارڈ ایسی مثالوں سے لبریز ہے۔ گزشتہ چالیس سال میں موساد کا عروج و زوال' دراصل اسرائیل ہی کی تاریخ کے مختلف ادوار کا آئینہ دار ہے جس کا آغاز بڑی خوش فہمیوں اور روشن جذبوں کے ساتھ ہوا لیکن اس کے بعد' ان کی جگہ مایوسیوں اور غم واندوہ نے لے لی۔ جیسا کہ فرد کی زندگی میں ہوتا ہے' خوشیاں اور غم' امیدیں اور ناامیدیاں' سب جذبے یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں' جنہیں نفسیاتی اصطلاح میں ادھیڑ عمری کے بحران (Midlife Crisis) کی علامات کہا جاتا ہے۔

ان بحرانی کیفیات کی زیادہ تر ذمہ داری' اسرائیلی لیڈروں کی پالیسیوں پر ہے جو انہوں نے اسرائیل کے قیام سے پیدا ہونے والے لاینحل مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اختیار کیے رکھی ہیں۔ اصل مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب ایک خواب' ایک حقیقت کے ساتھ آ ٹکرایا۔ خواب یہ تھا کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں یہودی ارضِ موعود میں واپس آنے کے لیے ایک نیا یروشلم پیدا کریں گے اس لیے وہ جہاں جہاں آباد تھے وہاں سے سب کچھ چھوڑ

چھاڑ کر گروہ در گروہ ایسے خطے میں جمع ہونے لگے جس کی حقیقت یہ تھی کہ اس کا بہت بڑا حصہ پہلے ہی کچھ دوسرے لوگوں کے زیر قبضہ تھا۔ جب اس کا ایک حصہ اسرائیل بن گیا تو 656,000 عرب جو فلسطین سے فرار ہو گئے یا ڈرا دھمکا کر وہاں سے بے دخل کر دیئے گئے۔ لیکن وہ ہمیشہ کے لیے اپنے گھر بار سے دستبردار ہونے کے لیے اس طرح تیار نہیں تھے جس طرح کہ یہودی منتشر ہوتے وقت یہاں سب کچھ چھوڑ گئے تھے۔ عرب ممالک نے ان بے دخل شدہ فلسطینی مہاجرین کے مصائب و آلام سے بے فکر ہو کر انہیں بارڈر کیمپوں میں ہی رہنے پر مجبور کیے رکھا۔ اس طرح وہ اسرائیل کے دل کو نشانہ بنانے کے لیے اپنا اسلحہ تانے کھڑے رہے۔ عربوں کی اپنی سیاسی مصلحتیں تھیں جن کے تحت انہوں نے ان بے دخل شدہ افراد کو دوبارہ آباد کرنے کے بارے میں سوچنا تک گوارا نہ کیا' اس طرح یہ لوگ درمیان میں معلق ہو کر رہ گئے۔ عرب ریاستوں میں قائم تباہ کیمپوں میں رہائش پذیر مہاجرین انتقام لینے کے منتظر رہے اور ان کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ 1980ء کے عشرے میں ان کی تعداد' چالیس سال پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہو گئی۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے غزہ اور مشرقی یروشلم میں عرب آبادی 15 لاکھ سے تجاوز کر گئی۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں' عربوں کے ہاں شرح پیدائش اگر یہی رہی تو ''عظیم تر اسرائیل'' میں بھی یہودی' ان کے مقابلے میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے۔

1939ء میں برطانیہ کے دارالعوام (ہاؤس آف کامنز) میں ایک بحث کے دوران اس وقت کے وزیر نوآبادیات مالکم میکڈونلڈ نے انتہائی مایوسی کے عالم میں کہا کہ ''فلسطین کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ یہ حق بہ مقابلہ حق کا مسئلہ ہے'' اس کے الفاظ آج بھی وہی معنی رکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ' بشمول راقم الحروف کے' مشرق وسطیٰ کے حوالے سے پیدا ہونے والے اس سوال ..... کیا تم اسرائیلی ہو یا عرب؟ ..... کے جواب میں ایک ہی لفظ کہتے ہیں — ''میں دونوں ہوں''

1948ء کی جنگ آزادی کے بعد ہونے والے ''عارضی معاہدۂ امن'' (Truce) کے زمانے ہی میں کیمپوں میں رہنے والے عربوں نے سرحد پار حملے شروع کر دیئے۔ اس طرح پیدا ہونے والے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اسرائیل' ایک نئے اسرائیل میں ڈھل گیا اور وہ ''خدائے تعالیٰ کی عطا کردہ سرزمین امن'' کی حفاظت کے لیے عسکریت پسند ''سپارٹا'' (Sparta) بن کر ڈٹ گیا۔ پہلے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نئی ریاست کو درپیش خطرہ

عسکری نوعیت کا ہے جو مصر' شام' عراق اور اردن کی افواج کا پیدا کردہ ہے۔ جس میں بائبل کی روایت کے مطابق گولائھ نے حضرت داؤد کی ناقابل تسخیر قوت کو للکارنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اسرائیلیوں نے مذہبی جذبے سے سرشار ہو کر' اپنی جنگ بقا شروع کر دی' بار بار کے حملوں اور جوابی حملوں کے نتیجے میں اس نے اپنی فوجی برتری قائم کر لی۔

یہ صرف دونوں جانب کی افواج کا ٹکراؤ ہی نہ تھا' مسئلہ اس سے کہیں زیادہ گھمبیر تھا۔ تاہم اسرائیل نے 1967ء کی شاندار فتح منالی' پورے یروشلم پر قبضہ جمالیا' پورے سینائی اور اردن کے مغربی کنارے پر بھی قبضہ کر لیا۔ مگر اس کا افسوسناک نتیجہ فلسطینی نیشنلزم کی صورت میں برآمد ہوا اور دہشت گردی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا۔ دہشت پسندوں کے خلاف جنگ کرتے کرتے اسرائیل کو لبنان پر حملہ کرنا پڑا۔ اسرائیلی ڈیفنس فورسز (IDF) اور انٹیلی جنس سروسز بھی حرکت میں آ گئیں۔ نتیجتاً شطیلہ اور صابرہ میں قتل عام ہوا' جس کی ذمہ داری سے پہلوتہی کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ واقعات اسرائیل کے جدید ترین چہرے پر ایک نہایت بدنما داغ ہیں جو کبھی دور نہیں ہو سکیں گے۔ ان کے نتیجے میں فوج کی خود اعتمادی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی جس کی قوت اور ناقابل تسخیری' اسرائیلی قوم کو متحد رکھنے کا مضبوط ترین عنصر تھی۔ اس کی جھلک بددل و بیزار موساد کے طرز عمل میں بھی دکھائی دیتی تھی۔

لبنان میں خدمات انجام دے کر واپس لوٹنے والے ریزروسٹ (Reservists) بھی بری حالت میں تھے' اور بڑی مشکل سے پہچانے جا سکتے تھے کہ یہ اسی فوج کا حصہ ہیں جو دوسری جنگوں سے فاتح ہیروؤں کی مانند واپس آئی تھی۔ ڈسپلن میں کافی ڈھیلا پن آ چکا تھا۔

لبنان کی جنگ کے بعد کے دنوں میں متعدد افسروں اور جوانوں کا کورٹ مارشل کیا گیا کیونکہ ان کی نااہلی کے باعث دہشت گردان کے کیمپ پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اسرائیل کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ نوجوان فوج میں بھرتی ہونے سے کترانے اور فرار ہونے لگے جبکہ ان کے چچا' ماموں اور باپ فخر کے ساتھ فوج میں بھرتی ہوا کرتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ مکروہ بات یہ ہوئی کہ فوجیوں میں ''ویت نام کمپلیکس'' پیدا ہو گیا۔ کیونکہ وہ لبنان سے نشے کے عادی بن کر واپس لوٹے تھے۔

الیکشن کسی پارٹی کو واضح اکثریت دلانے میں ناکام رہے' لیبر اور لیکوڈ پارٹی کو باری باری اقتدار سنبھالنے پر رضامند ہونا پڑا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ حکومت مستقل طور پر سیاسی اور انتخابی جھمیلوں میں پھنسی رہے۔ اس کے اثرات سول سروس پر' فوجی کی کمان کے ڈھانچے پر

اور انٹیلی جنس سروسز پر بھی پڑے۔ اسرائیل چونکہ 1948ء سے 1977ء تک عملاً ''ون پارٹی سٹیٹ'' ہی چلا آ رہا تھا' اس سے ایک ایسا نظام پیدا ہو گیا تھا کہ سیاستدانوں اور سول انتظامیہ میں کوئی خاص فاصلہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ وزارت دفاع کا ایک بیوروکریٹ شمعون پیریز' وزارت خارجہ پر فائز ہو گیا' اور ایک سیاستدان' موشے دایان جرنیل بن گیا۔ جنرلز' سپائی ماسٹرز بن گئے اور پارٹی کے محکمہ انسداد دہشت گردی کے مشیر ہو گئے۔ 1977ء کے بعد لیکوڈ پارٹی مینخم بیگن کی زیر قیادت برسر اقتدار آ گئی' اس کے سپورٹروں نے سیاسی فتح کے ثمرات کے طور پر اسٹیبلشمنٹ' سول اور فوج کے عہدوں پر قبضے جما لیے جن پر پہلے لیبر پارٹی کے متوسلین قابض ہوا کرتے تھے۔ انٹیلی جنس اور فوج کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے جنگ کپور میں عربوں کو فتح حاصل ہو گئی۔ ملک میں دو پارٹیوں کے باری باری اقتدار سنبھالنے کے نتیجے میں سول سروس کے اعلیٰ عہدیداروں کی وفاداریاں بٹنے لگیں اور ملازمتوں کے ڈھانچے میں گہری دراڑیں پیدا ہو گئیں۔

ان حالات میں ریاستی اداروں کو چلانا بہت مشکل ہو گیا جن میں سیکرٹ سروس اور سیکورٹی سروس بھی شامل تھیں' ان کا صحیح انداز اور مستعدی سے چلنا ملک کی سالمیت کے لیے بیحد ضروری ہوتا ہے۔ 1980ء کے عشرے میں موساد کا کنٹرول نرم پڑ گیا اور اس کے آپریشنوں میں بے سمتی واضح طور پر دکھائی دینے لگی۔ موساد اور اس کی فیلو سروسز نے پولارڈ آپریشن کی وجہ سے امریکنوں کی ناراضگی مول لے لی۔ ڈکو اور سووان کے معاملات میں غلط طریقے اور عدم تعاون کے رویے کے باعث برطانوی حکومت بہت ناراض ہوئی اور وزیراعظم مز تھیچر نے سخت برہم ہو کر وزیراعظم اسرائیل سے احتجاج کیا پھر مغربی حکومتوں نے یاسر عرفات اور اس کی پی ایل او کی طرف سے دہشت گردی ترک کرنے کے وعدے اور یقین دہانی سے متاثر ہو کر آزاد اور خودمختار فلسطینی وطن کی حمایت کرنا شروع کر دیا' اسحاق شمیر کی انتظامیہ نے اس امن سمجھوتے کے خلاف شدید مزاحمت کی۔ موساد نے پرانے طریقے کے مطابق ہی اپنی سرگرمیاں جاری رکھی۔ اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ وہ لبنانی عیسائیوں کے تعاون سے مشرق وسطیٰ کا جو نیا نقشہ وضع کر رہی ہے' اس کے کتنے خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں' اسے تب پتہ چلا جب عرب اچانک اٹھ کھڑے ہوئے' اس طرح 1987ء میں مقبوضہ مغربی کنارے اور غزہ میں جس تحریک مزاحمت کا آغاز ہوا وہ فوراً اصل (Proper) اسرائیل میں بھی پھیل گئی۔

بموں اور گولیوں والی دہشت گردی کے خلاف سالہا سال کی بیزار کن جنگ کا تجربہ رکھنے والی سکیورٹی فورسز کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ پتھر برسا کر بھاگ جانے والے ان نوجوانوں اور بچوں کو کس طرح قابو میں لایا جائے جو گروپوں کی صورت میں نعرے لگاتے ہوئے ایک طرف سے آتے ہیں اور دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔ اسرائیل کے عسکری معاشرے نے اپنے نوجوانوں کو اس منصفانہ جدوجہد کرنے والے ننھے بچوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا تھا مگر بہت کم نوجوان' اس طرح کے پولیس مینوں کا کردار ادا کرنے کے لیے آگے آسکے جیسا کہ ماضی میں روس اور مشرقی یورپ میں پولیس مظالم کی روایات قائم ہوئی تھیں۔ چنانچہ اسرائیلیوں نے ''بلوہ روکنے والی پولیس'' (Riot Police) کی بجائے داخلی سکیورٹی ڈیوٹیوں کے لیے ''سپاہ جبر'' (Conscription Soldiers) بھرتی کر لی اور اسے حقیقی جنگ کے سپاہیوں جیسی ہی ٹریننگ دی تاکہ جب وہ کہیں پھنس جائیں' وہاں سے گولیاں چلاتے ہوئے باہر نکل سکیں۔ ایک سینئر سٹاف آفیسر نے حال ہی میں اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے علاقوں میں تعینات ''سپاہ جبر'' کے گھٹیا اخلاقی معیار پر اظہار افسوس کیا اور ان کے لیے اعلیٰ ڈسپلن کی ضرورت پر زور دیا۔ ایک نوجوان ریزوسٹ آفیسر نے وزیراعظم کو اس کے انسپکشن ٹور کے موقع پر سب کے سامنے مخاطب کر کے کہا:

''ان ننھے فلسطینیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہماری سپاہ کو جو کچھ کرنا پڑتا ہے'

اس پر مجھے اور میرے ماتحتوں کو سخت شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔''

ان جھڑپوں میں ابتدائی طور پر تیس سے کچھ زیادہ اسرائیلی مارے گئے تھے جبکہ انہوں نے جواب میں پانچ سو سے زیادہ عربوں کو ہلاک کیا تھا۔ جونہی عربوں کا خوف پھیلا تو یہودی انتہا پسندوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا اور عربوں پر ٹوٹ پڑے' جو کوئی بھی سامنے آیا' خواہ مرد تھا یا عورت' نوجوان تھا' یا ننھا لڑکا' اسے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ انتفاضہ پھر بھی آگے بڑھتی رہی۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ قصباتی علاقوں میں پتھر پھینکنے والے بچوں نے فلسطینیوں کے موقف کے لیے اتنی عالمی حمایت حاصل کی کہ وہ آزادیٔ فلسطین کی تمام تنظیموں کی دہشت پسندانہ کاروائیوں کے ذریعہ حاصل کردہ مجموعی حمایت سے کہیں زیادہ تھی۔ اس سوال پر کہ اس بغاوت پر کس طرح قابو پایا جائے؟ اسرائیلیوں کے مابین اتنے زیادہ اختلافات پیدا ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ 1989ء کے موسم گرما میں اسحاق شمیر کو انتہا پسندوں نے گھیر لیا اور ''غدار' غدار'' کے نعرے لگائے۔

اسرائیلی جنونیوں کے گروہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اندھا دھند عربوں پر حملے کرنے لگے۔ اعتدال پسند یہودیوں نے انہیں اس حرکت سے روکنے کی کوشش کی تو وہ ان سے بھی الجھ پڑے۔ پھر سب لوگ ایک دوسرے کے دست و گریبان ہونے لگے۔ وزیراعظم نے اس صورتحال کو انتہائی خطرناک صورتحال قرار دیا' جو اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

عوام نے حکومت پر کھلی نکتہ چینی شروع کر دی' جن اداروں کو ہمیشہ مقدس گائے سمجھ کر ان کا نام لینے سے گریز کیا جاتا رہا' ان کے بارے میں بھی لوگوں کی زبانیں کھل گئیں۔ کوئی ادارہ بھی تنقید سے بالاتر نہ رہا۔ موساد کا نام تو کبھی اخبار میں نہیں آیا تھا مگر اب اس پر پڑا ہوا تقدس کا پردہ نوچنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ 1988ء میں اس کے کرتوتوں کے بارے میں لکھے گئے ایک آرٹیکل کی اشاعت چیف ملٹری سنسر نے روک دی۔ معاملہ فوراً ہائی کورٹ پہنچا۔ عدالت نے اس کے اقدام کو غلط قرار دیدیا۔ چنانچہ پہلی بار ایسا ہوا کہ اس موضوع پر سنسر بورڈ کو کامیابی سے چیلنج کیا گیا تھا۔ یہ آرٹیکل ''آلوف بین'' نے اس موقع پر تحریر کیا تھا جب موساد کے نئے سربراہ کا تقرر ہونے والا تھا۔ بہرحال تل ابیب کے ایک ہفتہ روزہ پرچے میں یہ چھپ گیا۔ اس میں حال میں فارغ ہونے والے چیف کی اہلیت کو مشکوک قرار دیتے ہوئے کہا گیا کہ اس قسم کا معمولی آدمی اس منصب کے لیے کسی طور پر موزوں نہیں تھا۔ ہائی کورٹ نے اس بات سے تو اتفاق کر لیا تھا کہ موساد کے سربراہ کا نام نہیں چھپنا چاہیے مگر اس دلیل کو مسترد کر دیا تھا کہ سیکرٹ سروس کی قیادت پر تنقید سے سخت نقصان پہنچے گا۔ چیف ملٹری سنسر اسحاق شانی نے اپنی دلیل میں کہا تھا کہ موساد چیف کا ذکر آنے سے دشمن تنظیموں کے لیے اسے شناخت کرنا اور اس کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا آسان ہو جائے گا۔

عدالت کے تین ججوں نے جس اہم اصول کی بنیاد پر فیصلہ دیا' یہ تھا کہ ''پریس کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے اور سرکاری عہدوں پر فائز افراد پر تنقید بھی اس کے فرائض کا حصہ ہے۔ اس امر کی پوری کوشش کی جانی چاہیے کہ سکیورٹی کے نام پر آزادیٔ اظہار متاثر نہ ہونے پائے۔ یہ آزادی' بنیادی اہمیت رکھتی ہے' سکیورٹی کے آلات و ذرائع کا مقصد ہی اس آزادی کو یقینی بنانا ہے''۔ فیصلے میں مزید کہا گیا کہ ''سکیورٹی اور آزادیٔ اظہار کے درمیان توازن قائم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس آزادی پر قدغن صرف اس وقت لگائی جائے جب اس بات کا قطعی یقین حاصل ہو جائے کہ ملکی سلامتی کو فی الواقعہ خطرہ درپیش ہے اور اس قدغن کا کوئی متبادل دستیاب نہیں ہے۔''

ججوں کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ''یروشلم پوسٹ'' نے اسے ایک ''تاریخی رولنگ'' قرار دیا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ پچھلے چالیس سال میں یہ اختیار فوجی سنسر حکام کو ہی حاصل رہا تھا کہ سیکورٹی کی ضروریات کی بنا پر اخبارات کو کس حد تک آزادی ملنی چاہیے؟ ان حکام کے اختیارات ان ''ایمرجنسی ڈیفنس ریگولیشنز'' سے اخذ کیے گئے تھے جو برطانیہ سے اس زمانے میں براہ راست درآمد کیے گئے تھے جب اس کے سابق حکمران فلسطین کو کنٹرول کرنے کا اختیار رکھتے تھے۔ یہ ریگولیشنز وہ غیر معمولی اقدامات تھے جو دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں قومی ایمرجنسی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تجویز کیے گئے تھے۔

سنسر شپ کو لگنے والے اس دھچکے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ موساد کو چالیس سال تک جو تحفظ حاصل رہا تھا وہ ایک دم ختم ہو گیا اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اخبارات کے قارئین کو روزانہ موساد پر الزامات اور ان کے جوابات پڑھنے کو ملنے گئے۔ جس سے وہ بیحد محظوظ ہوتے تھے۔ اخبارات بھی مزے لے لے کر کسی نامعلوم ماخذ کی طرف سے موساد کی کوتاہیوں کی تفصیلات چھاپ رہے تھے۔ اس کی سربراہی سے سبکدوش ہونے والے ''ناہوم ایڈنونی'' نے اپنے ایک بیان میں جو اسرائیلی اخبار ''ہڈاشاٹ'' میں شائع ہوا' کہا کہ ''مجھے موساد کے مستقبل کے بارے میں سخت تشویش ہے' اس پر چاروں طرف سے کیچڑ اچھالا جا رہا ہے' ان رپورٹوں کی اشاعت سے مجھے جو نقصان پہنچا ہے' مجھے اس پر اتنا صدمہ نہیں' جتنا کہ مجھے موساد کو پہنچنے والے ضرر سے صدمہ ہوا ہے''۔ اس بیان میں بھی سربراہ کا نام نہیں دیا گیا تھا۔

ایک بااثر اخبار ''روزنامہ معارف'' نے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ہائی کورٹ نے موساد کے بارے میں سرعام سوالات اٹھانا' ممکن بنا دیا ہے' عوام اس سے متعلق اور بھی بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہیں''۔ اداریہ نگار نے مزید لکھا ''وقت آ گیا ہے کہ اس کے مقاصد' طریق کار اور اقدامات کی چھان بین کے لیے ایک جوڈیشیل کمیشن قائم کیا جائے جو یہ دیکھے کہ اس کا مبینہ طریق کار اور اقدامات' اس کے مقاصد سے کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں''۔ یوم کپور کی جنگ کے بارے میں اندازوں کے غلطیوں کے نتیجے میں ملٹری انٹیلی جنس کے طرز عمل سے متعلق پہلے ہی کئی چبھتے ہوئے سوالات پوچھے جا چکے تھے۔ شین بٹ کی کارکردگی بھی ''بس 300'' کے حوالے سے زیر بحث آ چکی تھی۔ موساد پر لبنانی فلانجسٹوں سے روابط کے سلسلے میں بھی نکتہ چینی ہو چکی تھی ان کے بارے میں تحقیقات اگرچہ ہو چکی تھی مگر وہ باہر کی اتھارٹیز کی زیر تفتیش نہیں آئی تھیں

سیکرٹ سروسز کو سیاسی طور پر کس طرح جوابدہ بنایا جائے' یہ مسئلہ تقریباً سبھی جمہوری معاشروں کو درپیش رہا ہے۔ امریکنوں نے کسی حد تک سی آئی اے پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ برطانوی حکام ابھی تک "M15" اور "M16" کی نگرانی کے مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔ ان پر پارلیمانی کنٹرول کا مطالبہ بار بار اٹھتا رہا ہے' اس کے باوجود ان کے خفیہ معاملات' صرف وزیراعظم اور چند دیگر اعلیٰ عہدیداروں تک محدود ہیں۔ اسرائیل میں ایک پارلیمانی سب کمیٹی یقیناً موجود ہے مگر اس کی انکوائری کے اختیارات بہت محدود ہیں۔ اس سب کمیٹی کے ایک رکن ابارون یاریف نے ایک بار اپنے ایک عوامی (Public) بیان میں بتایا کہ انٹیلی جنس سروسز سے ہم نے جتنے سوالات پوچھے' ہمیں ان کا تفصیلی جواب ملا ہے اور اس پوچھ گچھ کی بنا پر ہمیں اس پر کچھ کنٹرول حاصل ہے لیکن اصل مشکل یہ ہے کہ ارکان کمیٹی' انٹیلی جنس معاملات کی خصوصی مہارت نہ رکھنے کی وجہ سے اس الجھن میں پڑ جاتے ہیں کہ انہیں کیا کیا سوالات پوچھنے چاہئیں؟۔ اسی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں ان پر کنٹرول حاصل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اسرائیل کی خفیہ سروسز کے منہ زور ہونے کا ایک تاریخی سبب بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسرائیل تیسری دنیا کے ان ممالک میں سے ہے جنہوں نے دہشت گردی اور مزاحمت کی مہمات کے بل بوتے پر آزادی حاصل کی ہے' اور اس نے اپنی زندگی کا آغاز ایک سابق نوآبادی کی حیثیت سے کیا جس کے لیڈر سیکرٹ سروسز پر جمہوری کنٹرول کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے تھے ان کے لیے خطرات سے بچاؤ' اور بصد مشکل حاصل کردہ خودمختاری کی ہر قیمت پر حفاظت کرنا مقصد اولین تھا' لہٰذا وہ ان سروسز کی ناز برداریوں میں ہی لگے رہے۔ اس کے نتیجے میں اسرائیل کی خفیہ سروسز کم وبیش ''ریاست کے اندر ریاست'' بن گئیں۔

جب ہفت روزہ ''حائز'' کے جنوری 1989ء کے شمارے میں وہ آرٹیکل بالآخر چھپا تو وزیراعظم اسحاق شمیر موساد کی سربراہی کے لیے دو امیدواروں میں سے ایک کا انتخاب کرنے کی سوچ بچار کے آخری مرحلے میں تھا۔ اس کی کوشش تھی' کہ منتخبہ امیدوار متبادل وزیراعظم شمعون پیریز کے نزدیک بھی قابل قبول ہونا چاہیے۔ اسے جن دو امیدواروں میں سے چناؤ کرنا تھا ان میں سے ایک ''سروس سے باہر'' کا آدمی تھی مگر اس سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ موساد میں ازسرنو جان ڈال سکتا ہے' اور ''سروس کے اندر'' کا امیدوار لیکوڈ پارٹی کی پسند کا آدمی تھا۔ کسی بھی ملک میں خفیہ تنظیم کے اعلیٰ ترین منصب کے لیے انتخاب کا موقع آتا ہے تو کم وبیش یہی صورت پیش آتی ہے حریف گروہ یا تو باہر کے کسی باصلاحیت آدمی کو منتخب

کرتے ہیں یا اندر کے کسی ایسے آزمودہ کار عہدیداروں کو ترقی دینے پر متفق ہو جاتے ہیں جو جانتا ہو کہ مردے کہاں کہاں دفنائے ہوئے ہیں۔ اسرائیل کے لبرل خیالات کے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اگر سروس سے باہر کے کسی سیاسی شعور رکھنے والے امیدوار کا انتخاب کیا جائے تو وہ تنظیم کو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ بہرحال حتمی انتخاب عمل میں آ گیا لیکن مروجہ روایات کے مطابق اس کا اعلان نہیں کیا گیا اور نیا سربراہ مخفی رہا۔

اس سے پہلے سبکدوش ہونے والے ڈائریکٹر ''ناہوم ادنونی'' جو چھ سال تک اس عہدے پر رہا' اس نے ستمبر 1982ء میں اسحاق ہوفی سے چارج لیا تھا۔ ہوفی کے دامن پر یہ دھبہ تھا کہ لبنان پر اسرائیل کا حملہ' اسی کی بعض غلطیوں کا منطقی نتیجہ تھا۔ اس نے اپنے عہدے کی میعاد مکمل کی تو بریگیڈیئر ''الوف یکتائیل ایڈم'' اس کا جانشین نامزد ہو گیا' اس نے تھوڑا عرصہ موساد کی سربراہی کی مگر لبنان پر حملے کے دوران وہ قتل ہو گیا تھا۔ ادنونی کے کمان سنبھالنے کے بعد تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ''کہان کمشن'' نے جو صابرہ اور شطیلہ کیمپوں میں قتل عام کی تحقیقات کے لیے قائم کیا گیا تھا اس سے اس واقعہ میں موساد اور ملٹری انٹیلی جنس کے کردار کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی حالانکہ وہ ذاتی طور پر اس میں ملوث نہ تھا۔

سروس کے اندر وہ مرد کار نہیں بلکہ ایک بیوروکریٹ کے طور پر معروف تھا جس نے موساد میں لیے جانے سے پہلے شین بتھ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ موساد میں وہ 1950 کے عشرے میں رہا تھا۔ اس کے رفقائے کار کا کہنا تھا کہ وہ اس کے سربراہ بنا دیئے جانے کی ہرگز توقع نہیں کرتے تھے کیونکہ اس کا زیادہ قابل ذکر تجربہ ایک غیر ملکی انٹیلی جنس کے ''افسر رابطہ'' کے طور پر تھا' موساد میں ابتداءً اسے اسحاق ہوفی کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔ خیال تھا کہ یہ اس سے آگے ترقی نہیں کر سکے گا۔۔۔ جس نوجوان صحافی ''الوف بن'' نے ہفت روزہ حائر والا آرٹیکل لکھا' موساد کے بارے میں بہت کچھ اس کے کان میں ڈالا گیا تھا' اس کے لکھنے کے مطابق۔۔۔ ''ادنونی' اہل یورپ کی سی عادات واطوار کا مالک ہے' فراخدل ہے اور عیش وعشرت کا بھی دلدادہ ہے۔ تاہم وہ بہت محنتی اور ڈسپلن کی پابندی کرنے والا شخص ہے۔۔۔ ایک اور اسرائیلی جریدے کے مطابق' اچھے سے اچھے لباس کا شوقین ہونے کی وجہ سے رفقا اسے ''بانکا'' کہا کرتے تھے۔ ممتاز فوجی مبصر رون بن یشائی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ''حائر'' والی سٹوری' موساد کے بعض افسروں کی سازباز سے چھپی تھی کیونکہ وہ کسی طرح اسے راستے سے ہٹا کر اس کی جگہ لینے کے متمنی تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ڈائریکٹر کے عہدے کے لیے اس سے مسابقت

کرنے والے لوگ میڈیا کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے الفاظ میں: ''جن لوگوں نے انسانوں کے استحصال کو پیشہ بنا لیا ہو ان کے لیے کسی صحافی کو آلہ کار بنا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا''۔ اس نے کہا کہ موساد کی خرابیوں کا ذمہ دار ''ادنونی'' ہی نہ تھا' بلکہ وہ سیاستدان بھی تھے جو موساد پر موثر کنٹرول کرنے میں ناکام رہے تھے۔

خفیہ سروس کے اعلیٰ عہدوں پر معمولی صلاحیتوں کے افسروں کے تقرر پر بااثر اسرائیلیوں کا اضطراب بڑھتا رہا' ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ملک میں ذہین اور سخت جان اور جاں کوش لوگوں کا کال پڑ گیا ہے۔ جو پہلے بافراط تھے ماضی میں خطرات میں پل کر جوان ہونے والے لوگ جب آگے آئے تو انہوں نے سروس کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اور اب آرام و آسائش کا پس منظر رکھنے والے ریکروٹ' فیلڈ کی صعوبتوں سے گھبرانے لگے ان کی اولین کوشش یہ تھی کہ انہیں آفس کے اندر کی ڈیوٹیاں دی جائیں۔ محتاط اور آرام طلب عملہ بھرتی ہونے اور افسر شاہی بڑھنے سے' سروس کی کارکردگی روز بروز بگڑنے لگی۔ موساد کے پرانے لوگوں نے فیلڈ کے عملہ اور آفس کے حکام کے مابین تعاون میں کمی کو شدت سے محسوس کیا کیونکہ یہ کمی مہمات پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ آئے دن پیش آنے والی ناکامیوں کی زیادہ تر ذمہ داری اگرچہ ڈائریکٹر پر ڈالی گئی مگر سیاسی لیڈر شپ بھی اس کی کوئی کم ذمہ دارانہ تھی۔ موساد کے فعال تنظیم نہ رہنے کی حتمی ذمہ داری تو وزیراعظم ہی کی تھی۔ مختلف حلقوں کی طرف سے ''ایکس کمیٹی'' کی بحالی کے لیے آوازیں اٹھنے لگیں۔ یہ کمیٹی 1970ء کے عشرہ کے وسط تک موجود رہی تھی' یہ کابینہ کے اندر ایک گروپ ہوا کرتا تھا جو وقتاً فوقتاً حساس آپریشنوں کا جائزہ لیتا رہتا اور وزیراعظم کو اس کی کارکردگی سے باخبر رکھا کرتا تھا۔

اندر کے حلقے ناہوم ادنونی کو اس لیے تنقید کا نشانہ بناتے تھے کہ وہ آرام طلب آدمی تھا اور پیچیدگیوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا اور کسی کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا' مبادا کہ اس کے آرام میں خلل پڑ جائے۔ کہا جاتا تھا کہ اس کے دور اقتدار میں موساد محض زندہ رہنے کو غنیمت سمجھنے لگی ہے' یہی زمانہ تھا جس میں ''سروس'' نے اپنے گردوپیش کے حالات پر اثر انداز ہونا چھوڑ دیا تھا اور دوسری ایجنسیوں نے اس کے دائرہ کار میں کھلم کھلا مداخلت شروع کر دی تھی۔ ''لیکم'' نے جوناتھن پولارڈ کو از خود امریکہ میں ''چلانا'' شروع کر دیا' جب اس کی جاسوسی کا پول کھل گیا تو موساد نے دعویٰ کیا کہ اس کا اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ شبہ یہ تھا کہ ''ادنونی'' نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کا انچارج ''رافیل ایٹان'' وزیراعظم کا

ذاتی دوست ہے' اس معاملے سے دور رہنے میں ہی عافیت بھی تھی۔ ایران کے لیے ہتھیاروں کا معاملہ موساد کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ڈیوڈ کمیحی اس کا انچارج بنا ہوا تھا جو ''انسٹی ٹیوٹ'' کے کچھ لوگوں کی مدد سے کام کر رہا تھا مگر اس کے ڈائریکٹر سے رابطہ رکھنا ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ سابق جرنلسٹ ''امیرم نیر'' وزیراعظم کا مشیر برائے انسداد دہشت گردی تھا' وہ بھی موساد سے باہر کا آدمی تھا مگر اس کے دائرے کے اندر بری طرح مداخلت کر رہا تھا۔ ''امیرم نیر'' اور ڈائریکٹر کے درمیان دشمنی اتنی بڑھ چکی تھی کہ ''ناہوم ادونی'' بعض اوقات اسے اندرونی کونسل کے اجلاسوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔

1982ء سے 1989ء تک کا زمانہ' اسرائیلی انٹیلی جنس کے اعلیٰ عہدیداروں کے لیے بڑا پرآشوب دور تھا' ہر کسی کو اپنے مستقبل کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ لبنان پر حملے کے بعد ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ ''یہوسا سگوے'' کو برطرف کر دیا گیا۔ پولارڈ کیس کے بعد حکومت ''رافیل ایتان'' کو ''لیکم'' سے ریٹائر کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ''بس 300'' کے واقعہ کے بعد رونما ہونے والے حالات کی وجہ سے ''ابراہام شلوم'' کو شین بتھ کی سربراہی سے فارغ کر دیا گیا۔ ان طوفانی تبدیلیوں کے دور میں ''مسٹر ادونی'' واحد انٹیلی جنس چیف تھا جو اپنے عہدے کے میعاد پوری کر سکا تھا' اسے بلاشبہ' سروس کے اندر سے دشمنیوں سے پالا پڑا ہو گا مگر وہ دبک کر بیٹھے رہنے کے فن کا بڑا ماہر تھا' اس لیے ہر طوفان اوپر سے گزر جاتا اور وہ نیچے بچا رہتا تھا۔

الزامات میں صداقت خواہ کم تھی یا زیادہ مگر ایک بات یقینی تھی کہ موساد کو کسی زمانے میں اس کی کمال درجے کی کارکردگی کی بنا پر جو عظمت و شان حاصل تھی وہ ماند پڑ چکی ہے۔ اسے ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے والی ایجنسی کہا جانے لگا۔ اس نے زوال کی طرف آہستہ آہستہ قدم بڑھائے ہیں اور بڑھاتی چلی گئی ہے۔ جب موساد کی ٹیم' لاطینی امریکہ میں داخل ہو کر ایشمین کو اٹھا کر لے آئی تو اسے بے پناہ داد ملی تھی۔ لیکن جب اس کا سکواڈ یورپ گیا اور انتہائی اناڑی پن سے ایٹمی سراغ رساں ''موریخائی وینونو'' کو سنڈی کے حسن کے جال میں پھنسا کر اغوا کر لایا تو داد و تحسین' نفرت و کراہت میں بدل گئی۔ جب حکومت برطانیہ نے لندن سے اس کے ایجنٹوں کو نکال باہر کیا تو اس کی مزید رسوائی ہوئی۔ اسرائیلی پریس نے اس سیکنڈل پر بحث کے دوران جس الزام کا خاص طور پر ذکر کیا وہ یہ تھا کہ موساد نے خود تسلیم کیا کہ مغربی جرمنی کے ایک ٹیلی فون باکس سے جو جعلی برطانوی پاسپورٹ برآمد ہوئے تھے وہ اسی نے تیار کیے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موساد برطانوی پاسپورٹ استعمال کرنے کی

ہاری رہی ہے۔ اسرائیل میں بھی' جہاں انٹیلی جنس سروسز کی کامیابیوں پر خوشیاں منانے اور ان کی قربانیوں پر اظہار تشکر کی روایات موجود ہیں اور انہیں تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز کیا جاتا رہا ہے اب کھلم کھلا شبہات کا اظہار کیا جانے لگا ہے۔ اسرائیلی ذہین لوگ ہیں اور استفسار ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے ایجنسیوں کو شک کا فائدہ دینا ترک کر دیا ہے۔ ''انسٹی ٹیوٹ'' کے اندر کرپشن اور شاہ خرچیوں کی نشاندہی ہونے لگی ہے۔ ایک ٹی وی فلم میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ شام میں اسرائیل کے بہادر ترین خفیہ جاسوس ''ایلی کوہن'' کی گرفتاری اور اس کو ملنے والی سزائے موت غالباً ہیڈ کوارٹر کی جانب سے غلط احکامات اور ضرورت سے دباؤ ڈالنے کا نتیجہ تھی۔

موساد کی آج کی کامیابیاں ''قانون راز داری'' (LawofSecrecy) کے پردے چھپی ہوئی ہیں لیکن اس کی ناکامیوں کا کھلم کھلا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے۔ اس کا ماضی بھرم ختم کرنے میں فلسطین کے گلی کوچوں میں ہونے والے مظاہروں کا بڑا دخل ہے۔ یہ مظاہرے اسرائیلی انتہا پسندوں کو بھی مشتعل کر رہے ہیں۔ اسرائیل کے لیے حقیقی خطرہ عرب ممالک کی افواج نہیں بلکہ اندرونی خلفشار ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں اب یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ سیکرٹ سروسز ماضی کی طرح' حالات پر قابو پانے میں حکومت کی موثر مدد کر سکیں گی۔ نہ اب وہ حالات رہے ہیں اور نہ وہ خواب دیکھنے کی ضرورت رہ گئی ہے جو مینا ئم بیگن اور اسحاق شمیر دیکھا کرتے تھے۔ عظیم تر اسرائیل کا تصور بہت دھندلا ہو چکا ہے۔ اس لیے اسرائیل کی سیکرٹ سروسز کے مقاصد پہلے سے زیادہ انتشار سے دوچار ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے افسروں سے انتہا پسند جنرل ایریل شیرون کا راستہ اختیار کرنے کی توقعات باندھ لی جائیں جس نے کھلے عام یاسر عرفات اور دیگر فلسطینی دہشت گردوں کو ختم کرنے کا حکم دے دیا تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے خفیہ سفارت کاری کے ذریعہ مقصد حاصل کرنے کے احکامات مل جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض پرانی سوچ رکھنے والوں کو یہ مشورہ پسند نہ آئے کہ ایک متبادل راستہ یہ بھی ہے کہ پرانا جھگڑا یاسر عرفات اور اس کے دیگر ساتھیوں سے درپردہ روابط کے ذریعے طے کیا جائے۔ کیونکہ تقریباً نصف صدی تک اسرائیلی فوج' سیکرٹ سروسز کی مدد سے قوت کا مظاہرہ کر کے دیکھ چکی ہے' مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکا اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ سیکرٹ سروسز درپردہ سفارت کاری کو نتیجہ خیز بنا سکتی ہیں یا نہیں؟۔

ضمیمہ

انٹیلی جنس سروسز کے سربراہ

موساد:			
روبن شلوخ	1951-2	زویکا زمیر	1968-74
ایسر ہیرل	1952-63	اسحاق ہوفی	1974-82
مائرامیت	1963-8	ناہوم ادنونی	1982-9
امن:			
ایسر بیری	1948-9	اہارون یاریف	1964-72
خائم ہرزوگ	1949-50	ایلی زیرا	1972-74
بنجمن جلبی	1950-5	شلوموگیزت	1974-78
یہوسفات حرکابی	1955-9	یہوشوا سیگائی	1979-83
خائم ہرزوگ	1959-62	ایہود بارک	1983-85
مائرامیت	1962-63	امنون شہاک	1986
شین بتھ:			
ایسر ہیرل	1948-63	ابراہام آہتوف	1974-81
اموس مینور	1963	ابراہام شلوم	1981-6
یوسف ہرمیلین	1964-74	یوسف ہرمیلین	1986-8
لیکم:			
بن یمین ہلمبرگ	1957-81		
رافیل ایتان	1981-6		

✿ ✿ ✿ ✿

انٹیلی جنس سروسز کے سربراہ

موساد:

روبن شلوخ	1951-2	زویکا زمیر	1968-74
ایسر ہیرل	1952-63	اسحاق ہوفی	1974-82
مائر امیت	1963-8	ناہوم ادنونی	1982-9

امن:

ایسر بیری	1948-9	اہارون یاریف	1964-72
خائم ہرزوگ	1949-50	ایلی زیرا	1972-74
بنجمن جلبی	1950-5	شلوگو گیزت	1974-78
یہوسفات حرکابی	1955-9	یہوشوا سیگائی	1979-83
خائم ہرزوگ	1959-62	ایہود بارک	1983-85
مائر امیت	1962-63	امنون شہاک	1986

شین بتھ:

ایسر ہیرل	1948-63	ابراہام آہتوف	1974-81
اموس مینور	1963	ابراہام شلوم	1981-6
یوسف ہرمیلین	1964-74	یوسف ہرمیلین	1986-8

لیکم:

بن یمین بلمبرگ	1957-81
رافیل ایٹان	1981-6

✿ ✿ ✿ ✿

24 مزنگ روڈ، لاہور۔ پاکستان فون نمبر: 92-42-7322892
E-mail: nigarshat@wol.net.pk
E-mail: nigarshat@yahoo.com